MAIS211CCT

فقہ اور تصوف

(Islamic Law and Islamic Mysticism)

ایم۔اے۔(اسلامک اسٹڈیز)

(دوسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course: Islamic Law and Islamic Mysticism

ISBN: 978-93-95203-88-3

First Edition: **October, 2023**

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Publication	:	2023
Copies	:	600
Price	:	335/-(The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Mohammad Haziq, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Masters in Islamic Studies

Islamic Law and Islamic Mysticism

2nd Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India

*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

Editors

Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja
Assistant Professor (Islamic Studies)
DDE, MANUU, Hyderabad

ایڈیٹرس

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ
اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Language Editors

Dr. Mohammad Haziq
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU

Dr. Mohd. Akmal Khan
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Urdu, DDE, MANUU

لینگویج ایڈیٹرس

ڈاکٹر محمد حاذق
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، ڈی ڈی ای، مانو

ڈاکٹر محمد اکمل خان
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اردو، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

Editorial Board	مجلس ادارت
Prof. Abdul Ali *Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh*	پروفیسر عبدالعلی سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. S. M. Azizuddin Husain *Former Head, Dept. of History & Culture JMI, New Delhi*	پروفیسر ایس۔ایم۔عزیزالدین حسین سابق صدر، شعبہ تاریخ وثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohammad Ishaque *Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi*	پروفیسر محمد اسحاق پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohd. Fahim Akhter *Head, Dept. of Islamic Studies, MANUU*	پروفیسر محمد فہیم اختر صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Ghazanfar Ali Khan *Prof., of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU*	پروفیسر غضنفر علی خان پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja *Asst. Prof., Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Mohammad Haziq *Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Syyeda Amina *Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر سیدہ آمنہ گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

کورس کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس	1،2،4،5،6،7،8
ڈاکٹر محمد سراج الدین، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد	3
پروفیسر اختر الواسع	9،10،11،12،13،14،15،16

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر محمد حاذق

دوم : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

فائنل : ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 : فقہ

اکائی 1	فقہ تعارف، آغاز وارتقا (حصہ اول)	11
اکائی 2	فقہ تعارف، آغاز وارتقا (حصہ دوم)	26
اکائی 3	فقہ کے بنیادی مصادر کا اجمالی تعارف	44
اکائی 4	فقہ کے ثانوی مصادر کا اجمالی تعارف	64
اکائی 5	فقہ بدلتے حالات میں	76

بلاک 2 : فقہی مسالک

اکائی 6	فقہی مسالک: تشکیل وتعارف (حصہ اول)	91
اکائی 7	فقہی مسالک: تشکیل وتعارف (حصہ دوم)	107
اکائی 8	اہم فقہی کتابیں	120

بلاک 3 : تصوف اور مشہور صوفیاء

اکائی 9	تصوف کا تعارف اور ارتقا	134
اکائی 10	مشہور صوفیائے کرام (حصہ اول)	152

اکائی 11	مشہور صوفیائے کرام (حصہ دوم)	166

بلاک 4 : تصوف کے مشہور سلسلے اور مشہور کتابیں

اکائی 12	مشہور صوفی سلسلے (حصہ اول)	181
اکائی 13	مشہور صوفی سلسلے (حصہ دوم)	197
اکائی 14	مشہور صوفی تصنیفات (حصہ اول)	214
اکائی 15	مشہور صوفی تصنیفات (حصہ دوم)	229
اکائی 16	ہندوستان کے چند مشہور صوفیائے کرام	245
	نمونہ امتحانی پرچہ	265

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈِویژن سے ہوا اوراس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈِویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہ ہم آہنگ کرکے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کرکے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جارہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلارہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سردست 144 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centers) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centers) کام کررہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کردیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضاءاللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹرز) کورس اور ایم اے کے دو سالہ (چار سمسٹرز) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایم اے کے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کررہے ہیں۔ دوسرے سمسٹر کے اس پرچہ کا عنوان "فقہ اور تصوف" ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت ایم اے سال اول کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں، جن کو چار بلاک میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان بلاکس میں فقہ اور تصوف سے متعلق تمام معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دو بلاک فقہ سے متعلق ہیں، جس میں فقہ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم، اس کا آغاز وارتقا فقہی مسالک، اہم فقہی کتب اور شخصیات کا تعارف، ہندوستان میں فقہی ادارے اور جدید مسائل پر تحریری مواد موجود ہے۔ اسی طرح آخری دو بلاک میں تصوف کا آغاز وارتقا، علمائے صوفیا کے نزدیک اس کی تعریفات، ابتدائی دور کے اہم صوفیا، اہم سلسلے اور ان سے وابستہ شخصیات وتعلیمات نیز تصوف کی اہم کتب کے علاوہ جن شخصیات نے ہندوستان میں اسلام وتصوف کے پھیلانے میں نمایاں رول ادا کیا ہے اس پر بھی اس کتاب میں مواد شامل ہے۔

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ (الازہری)

کورس کوآرڈی نیٹر

فقہ اور تصوف

Islamic Law and Islamic Mysticism

اکائی 1: فقہ: تعارف، آغاز وارتقا (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 لغوی تعریف

1.3 اصطلاحی تعریف

1.4 فقہ کی ضرورت واہمیت

1.5 آغاز وارتقا

1.6 عہد نبوی میں فقہ

1.7 پہلی صدی ہجری میں فقہ

1.7.1 خلافت راشدہ کا عہد

1.7.2 صغار صحابہ وتابعین کا عہد

1.8 اکتسابی نتائج

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی سوالات کے جوابات

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

اس اکائی میں سب سے پہلے فقہ کے لغوی معنی ومفہوم اور اس کی اصطلاحی تعریف کی ذکر کی جائے گی، پھر فقہ کی اہمیت وضرورت

پر روشنی ڈالی جائے گی۔ کیوں کہ فقہ اسلامی ہر مسلمان کی زندگی کا ایک لازمی جز ہے اور اس کے بغیر وہ مکمل زندگی نہیں گزار سکتا۔ فقہ اسلامی انسانی زندگی کا احاطہ کرتی ہے اور زندگی کے ہر میدان میں اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس بات کو جان سکیں کہ فقہ اسلامی سے کیا مراد ہے، اس کے معنی و مفہوم کیا ہیں، فنی اعتبار سے اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے تحت کس قسم کے احکام آتے ہیں اور انہیں اسلام میں اس کی اہمیت اور انسانی زندگی کے لیے اس کی قدر ضرورت سے آگاہ کرنا۔

1.2 لغوی تعریف

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کا اچھی طرح جاننا اور سمجھنا ہے، قرآن پاک اور حدیث رسول ؐ میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اس کے لفظی معنی میں اتنا اضافہ ہو گیا ہے کہ دین کے معاملہ میں سمجھ بوجھ رکھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا، قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (توبہ:122)

(تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ ان کے گروہ میں سے کچھ لوگ نکلتے تا کہ دین میں بصیرت حاصل کرتے)۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ (ہود:91)

(ان لوگوں نے کہا: اے شعیب! تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں)۔

وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (اسراء:44)

(لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے)۔

حدیث میں آیا ہے:

"من يرد الله به خيرا يفقه في الدين" (بخاری، حدیث نمبر:67)

(جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی دینا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے)۔

1.3 اصطلاحی تعریف

عہد صحابہ اور تابعین کے دور میں شریعت کے تمام احکام کے جاننے کو "فقہ" کہا جاتا تھا، جس میں عقائد، عبادات، اور اخلاق و معاملات سب داخل سمجھے جاتے تھے، قرآن و حدیث میں اسی معنی کے لحاظ سے اس لفظ کو ذکر کیا گیا ہے، امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کے مفہوم میں اسی وسعت کے اعتبار سے فقہ کی تعریف یہ کی ہے: "هومعرفة النفس مالها وماعليها" [التوضیح: 1/10] (انسان کا اپنے حقوق اور

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY Estd. 1998

فرائض کو جاننا "فقہ" ہے)۔

مگر جب ہر فن کی جداجدا تدوین شروع ہوئی تو ہر فن کے لئے جداجدا اصطلاحیں وضع ہوئیں، اس وقت سے علم فقہ سے عقائد واخلاق کی بحث کو علیحدہ کرلیا گیا، چنانچہ عقائد سے متعلق احکام کا مجموعہ "علم کلام" کہلایا اور اخلاق سے متعلق مباحث کو "تصوف" کا نام دیا گیا، ان دونوں فنون کے ماہرین کی بھی مستقل حیثیت ہوگئی اور انہیں "متکلمین" اور "صوفیاء" کا لقب دیا گیا، اور فقہ کا دائرہ عبادات ومعاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام تک محدود ہوگیا، اس طرح عملی احکام جو کہ قانونی حیثیت رکھتے ہیں، کو "فقہ" سے موسوم کیا گیا، اور اسی لحاظ سے ان الفاظ میں فقہ کی تعریف کی گئی: "العلم بالأحكام الشرعية العملية المكتسب من أدلتها التفصيلية" (فقہ ایسا علم ہے جس میں ان شرعی احکام سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے)۔

تفصیلی دلائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کتاب وسنت کی کس دلیل سے ماخوذ ہے؟ دوسرے الفاظ میں کہیے: ادلہ تفصیلیہ سے مراد جزئی دلائل ہیں جو کہ متعینہ مسائل سے متعلق ہوتے ہیں، ان میں سے ہر دلیل کسی مخصوص متعین حکم پر دلالت کرتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (نساء:23) (تمہارے اوپر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں)۔

صاحب ہدایہ اور علامہ کاسانی کے دور (یعنی پانچویں صدی) تک تو فقہاء ہر مسئلہ پر ادلۂ تفصیلیہ سے بحث کرتے رہے ہیں، مگر بعد میں صرف احکام سے بحث شروع ہوگئی، دلائل کو نظر انداز کر دیا گیا، بعد کے فقہاء میں علامہ ابن ھمام وغیرہ نے اس کا اہتمام کیا ہے؛ لیکن اکثر نے اہتمام نہیں کیا ہے، اور ان مقلدین کو فقیہ کہا جانے لگا جو مسائل اور ان کے دلائل کا علم رکھتے ہیں، آج کل یہی تعبیر رائج ہے۔

1.4 فقہ کی ضرورت واہمیت

فقہ اسلامی ہر مسلمان کے لئے اس کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے، اس کے بغیر وہ کامیاب زندگی نہیں گذار سکتا؛ کیوں کہ وہ بحیثیت مسلمان اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات وتعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا مکلف ہے، اور فقہ اسلامی انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ اور میدان میں رہنمائی کرتی ہے، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس سے متعلق فقہ سے رہنمائی نہ ملتی ہو؛ چنانچہ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اس فن کے ذریعہ آپ کو مکمل رہنمائی ملے گی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبادات :یعنی وہ احکام جو خدا اور بندہ کے راست تعلق پر مبنی ہوں، جیسے: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، اعتکاف اور نذر وغیرہ۔

عائلی قوانین :یعنی وہ احکام جو دو آدمیوں کے درمیان غیر مالی بنیاد پر قائم تعلقات سے متعلق ہوں جیسے: نکاح وطلاق، فسخ وتفریق، عدت، ثبوت نسب اور نفقہ وغیرہ۔

تجارتی قوانین :یعنی دو اشخاص کے درمیان مالی معاہدہ پر مبنی تعلقات، جیسے: خرید وفروخت، شرکت، عاریت، کفالت، اجارہ اور رہن وغیرہ۔

عدالتی قوانین :یعنی قاضی کا تقرر، شہادت ووکالت کے احکام اور مقدمات کو ثابت کرنے کا طریقہ وغیرہ۔

جرم وسزا سے متعلق قوانین: ان میں شرعی حدود، قتل وجنایت کی سزا اور جن جرائم کے بارے میں شریعت میں کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، ان کی بابت سزا کا تعین، جسے فقہ کی اصطلاح میں "تعزیر" کہتے ہیں، شامل ہیں۔

دستوری قانون :یعنی وہ قوانین جو حکومت اور شہریوں کے درمیان حقوق وفرائض کو متعین کرتے ہیں۔

بین ملکی قانون :یعنی دوملکوں اور دو قوموں کے درمیان تعلقات ومعاہدات اور حقوق وفرائض سے متعلق قوانین، ان کو فقہاء اسلام "سِیَر" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس تشریح سے آپ اندازہ کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، اور اس نے کس طرح زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے اندر سمولیا ہے، جس سے فقہ اسلامی میں ہمہ جہت رہنمائی کرنے کی صلاحیت کو بھی سمجھ سکتے ہیں، اور انسان کے لئے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں کیا حلال ہے کیا حرام؟ کیا جائز ہے کیا ناجائز؟ اور کون سی چیز صحیح اور کون سی چیز غلط ہے، کو جاننے کے لئے اس فن کی ضرورت کو بھی محسوس کرسکتے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن وحدیث میں ایسے احکام کی تعداد بہت تھوڑی ہے، جن کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ان احکام کی تعداد زیادہ ہے، جن کو اجمالی طور پر اور اشارہ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ قرآن میں جو احکام اجمالاً بیان کئے گئے حدیث میں ان کی تفصیلات آگئی ہیں، اسی طرح قرآن نے بنیادی ضوابط اور کلیات کے بیان کرنے پر اکتفا کیا اور فقہاء امت پر چھوڑ دیا کہ وہ زمانہ وحالات، انسانی ضروریات ومصالح اور مقاصد شریعت کی رعایت کرتے ہوئے شرعی احکام کا استنباط کریں اور لوگوں کی رہنمائی کریں، چنانچہ عہد رسالت کے بعد اسلام عرب سے عجم تک پہنچ گیا، اسلامی سلطنت کا دائرہ کافی پھیل گیا، عراق، ایران، مصر، شام، اندلس، افریقہ، ترکستان، ایشیا اور سندھ وغیرہ کے دور دراز مقامات تک پہنچ گیا، تو اسلام کو نئے مسائل سے واسطہ پڑا اور نئی تہذیب، نئے معاشرے اور نئے نظام زراعت اور نظام معاشیات وغیرہ سے تعارف ہوا، اور معاملات کی نئی شکلیں سامنے آئیں، ایسے وقت میں مجتہدین صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ کھڑے ہوئے اور قرآن وسنت سے ماخوذ اصول وقواعد کی روشنی میں دستور حیات مرتب کئے، جن کے مجموعہ کو فقہ کہا جاتا ہے۔

اس تفصیل اور تشریح سے آپ کو یہ علم ہوا کہ فقہ اسلامی قرآن اور حدیث سے علیٰحدہ کوئی الگ چیز نہیں ہے؛ بلکہ قرآن وحدیث سے براہ راست یا بالواسطہ اصول وقواعد کے ذریعہ ماخوذ اور مستفاد ہے، اور قیامت تک سامنے آنے والے ہر طرح کے چیلنج کا سامنا کرنے اور بدلتے ہوئے حالات میں ہر دور کے لوگوں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جہاں تک فقہ کی اہمیت وفضیلت کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے خود دین میں تفقہ حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔(التوبۃ:15) حضور پاکؐ کا ارشاد گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر چاہتا ہے اسے تفقہ سے سرفراز کرتا ہے۔(بخاری، حدیث نمبر:67) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: قرآن وحدیث کے بعد اسلام کا مدار فقہ پر ہے۔(**قرۃ العینین**، ص:171)

غرض یہ کہ انسانی زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے کام اور بڑے سے بڑے عمل کا سرا فقہ اسلامی سے جڑا ہوا ہے، فقہ اسلامی کی اہمیت اتنی ہے کہ اس کے بغیر زندگی کی گاڑی کا توازن برقرار نہیں رہ سکتا؛ بلکہ سچ ہے کہ اس کے بغیر ربانی ہدایات کی ڈگر پر قائم رہنا دشوار ہے۔

1.5 آغاز وارتقا

فقہ اسلامی کا آغاز عہد رسالت سے ہوتا ہے، آپؐ کی رسالت کا دور 23 سال پر مشتمل ہے، یہی دور آنے والے تمام ادوار کی اساس وبنیاد ہے، حقیقت میں آگے پیش آنے ولے فقہ کے تمام تر ادوار اسی دور کی توسیع اور عمارت سازی ہیں۔

فقہ اسلامی کا آغاز نزول وحی سے ہوتا ہے، اور وفات نبوی تک پوری شریعت مکمل ہو جاتی ہے، قرآن کریم وفات نبوی سے چند مہینے پہلے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (مائدہ:3) اور رسول اللہؐ نے بھی وفات سے تھوڑی دیر پہلے پوری انسانیت کے لئے مکمل دستور حیات اور ہدایت نامہ قرآن وحدیث کو بتایا، چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں کہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم جب تک ان دونوں کو تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہوگے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔ (موطا مالک، حدیث نمبر:1594]

یہ بات معلوم ہے کہ تمام صحابہؓ فتوی نہیں دیا کرتے تھے، بلکہ ان میں ایک مخصوص جماعت تھی جو کار فتوی انجام دیتی تھی، جو قرآن کو اچھی طرح پڑھنا جانتی تھی اور علوم قرآن سے خوب آگاہ تھی، ایسے لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا، جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا، عرب سے نکل کر عجم تک پہنچا، اسی طرح مملکت اسلامیہ کی وسعت بھی بڑھتی گئی، قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا رواج بھی اسی تناسب سے ہوتا گیا، اس کے ماہرین پیدا ہونے لگے، اور نئے مسائل کے استنباط کا ملکہ فروغ پانے لگا، یہاں تک کہ فقہ نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کرلی، اور ''قراء'' کا لفظ ''فقہاء'' سے بدل گیا۔

ابتدا میں فقہ کے دو طریقے رائج ہوئے، ایک طریقہ اختیار کرنے والوں کو اہل ارائے کہا جاتا تھا، یہ اہل عراق تھے، دوسرے طریقہ کے ماننے والوں کو اہل حدیث سے یاد کیا جاتا تھا، یہ اہل حجاز تھے۔

اہل عراق کے طریقۂ فقہ کے امام وپیشوا امام ابو حنیفہؒ تھے، اور اہل حجاز کے طریقہ فقہ کے سرخیل امام مالک بن انسؒ تھے، اس کے بعد امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی شخصیت آتی ہے، دونوں طریقوں پر فقہ کو سب سے پہلے امام محمدؒ نے جمع کیا، اس کے بعد ان کے تلمیذ رشید امام شافعیؒ نے اس جامع طریقہ کو مزید آگے بڑھایا اور فروغ دیا، اس کے بعد امام شافعیؒ کے جلیل القدر شاگرد امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگردوں نے اس امتزاج کو حاصل کیا اور اس کو مزید وسعت وترقی دی۔

تیسری صدی ہجری میں ہی علماء کا ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے سرے سے قیاس کا انکار کیا، اور قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کرنے کو ترجیح دی، یہ لوگ ''ظاہریہ'' کہلائے، اس مذہب کے بانی امام داؤد بن علی (متوفی:270ھ) تھے، ان کے بعد اس مذہب کو امام ابن

حزم اندلسی (متوفی 456ھ) نے اختیار کیا اور اس کو بڑی تقویت پہونچائی، گو کثرت سے تفرد اختیار کرنے کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان معتوب بھی ہوئے۔

عہد صحابہ میں ہی بڑے بڑے شہروں میں فقہ کے بڑے بڑے مراکز قائم ہو چکے تھے، مؤرخین نے لکھا ہے کہ دور خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن سات فقہی مراکز تھے، تمام مراکز پر صحابہ کار فتوی اور استنباط مسائل کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے، ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس منصب کو سنبھالا، یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد ایک عرصہ تک بہت سے فقہی مسالک رائج ہوئے، پھر ان سالک پر عمل کرنے والوں کی تعداد گھٹتی گئی اور بالآخر ختم ہو گئے، جن فقہی مسالک کو اللہ تعالیٰ نے دوام بخشا اور آج تک لوگ ان پر عمل پیرا ہیں، وہ اہل سنت والجماعت میں فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی ہیں، اہل تشیع میں فقہ جعفری اور فقہ زیدی ہیں ان کے علاوہ فقہ اباضی کو بھی ایک خاص دائرہ میں فروغ حاصل ہوا۔

الغرض فقہ اسلامی کا آغاز عہد رسالت سے ہوا، آہستہ آہستہ پروان چڑھتا رہا، مملکت اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بھی پھیلتا رہا اور اس کا ارتقا ہوتا رہا، ائمہ مجتہدین کے دور میں آکر مستقل فن کی حیثیت سے اس کی تدوین عمل میں آئی اور اس کو بڑا استحکام حاصل ہوا، اس طرح فقہ اسلامی اس دور اجتہاد میں اپنے ارتقا کے بام عروج کو پہنچی، اور اس کے بعد ہر دور میں اس دبستان کی آبیاری ہوتی رہی ہے۔

1.6 عہد نبوی میں فقہ

فقہی احکام کے مدار دو ہیں، قرآن مجید اور سنت رسولؐ، یقیناً قرآن وحدیث کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے، فرق اتنا ہے کہ قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں باری تعالیٰ کے ہیں، اور حدیث کے الفاظ نبی کریمؐ کے اور معانی اللہ کی طرف سے ہیں، قرآن مجید متن اور آپؐ کی ذات اس کی شارح ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے ایک سے زائد مقامات پر اس طرف اشارہ کیا ہے (آل عمران: 61-63، الحشر: 7، النحل: 44) اس اعتبار سے فقہی احکام کے مدار دو ہیں: قرآن اور حدیث، قرآن مجید میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، جن میں سے زیادہ تر سورتیں مکہ ہی میں نازل ہوئی ہیں، کیوں کہ صرف بیس سورتیں بالاتفاق مدنی ہیں، اور بیاسی سورتوں کے مکی ہونے پر اتفاق ہے، اور باقی بارہ سورتوں کے بارے میں مکی یا مدنی ہونے کی بابت اختلاف ہے۔

مکی زندگی میں قرآن کا خاص موضوع، دعوت دین، عقیدہ کی اصلاح، بعض اصولی احکام جیسے مردار، خون اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت، معاشرہ میں بعض پھیلی ہوئی مسلمہ برائیوں کی مذمت، جیسے ناحق قتل کی ممانعت، زنا، بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذمت وغیرہ اور بہت سارے اسلامی آداب واخلاق، جیسے: عدل وانصاف، ایفاء عہد، اچھی باتوں پر تعاون، ظلم وزیادتی اور بری باتوں پر عدم تعاون اور گذشتہ اقوام کے قصص وواقعات ہیں، مدنی زندگی کی آیات میں زیادہ تر فقہی احکام کا ذکر ہے، خاص طور پر عبادات، معاملات، احوال شخصیہ، ملکی وغیر ملکی قوانین اور بین الاقوامی تعلقات کا بیان ہے۔

قرآن مجید کے فقہی احکام دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو اپنے منشاء و مراد کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں، جیسے: نماز روزہ وغیرہ کا فرض ہونا، قتل کی حرمت، میراث کے احکام، نکاح میں محرم اور غیر محرم رشتہ داروں کی تعیین، یہ وہ احکام ہیں جن کا انکار موجب کفر ہے، دوسری قسم کے وہ احکام ہیں جو اپنے منشاء و مراد کے اعتبار سے دوٹوک انداز میں واضح نہیں ہیں، ان میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے، جس کی وجہ سے استنباط میں اختلاف رائے ہونا ناگزیر ہے، لہٰذا ان میں ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

احکام کے باب میں قرآن کا طرز بیان دوسری قانون کی کتابوں سے بالکل مختلف ہے، قرآن میں ترتیب سے یکجا سارے احکام کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ پورے قرآن میں منتشر ہے، مزید برآں اس کے ساتھ ترغیب وترہیب اور حکمت و مصلحت کا بھی ذکر ہوتا ہے؛ تاکہ لوگوں میں احکام الٰہی پر عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو؛ کیوں کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کی ہدایت ہے۔

جہاں تک قرآن کے طریقہ تشریع کی بات ہے تو اس کی چند اہم صورتیں حسب ذیل ہیں:

سماج میں کوئی واقعہ پیش آتا جس کا حکم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اور لوگ، تو نبی کریمؐ سے پوچھتے تو آپؐ پر اس کے متعلق وحی نازل ہوتی، دوسرے الفاظ میں آپ واقعات کی مناسبتوں سے آیات کا نزول کہہ سکتے ہیں، جیسے: مکہ مکرمہ کی ایک حسین و جمیل خاتون نے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو شادی کی پیشکش کی اور وہ کافر تھی، حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شادی کی اجازت چاہی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ (بقرۃ:221) (اور (مومنو!) مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا)۔

اسی طرح بعض مرتبہ بغیر واقعاتی مناسبت کے لوگ آپؐ سے سوال کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوتی تھی، جیسے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (بقرۃ:219) (لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں) وغیرہ، اس طرح 13/ مسائل کا ذکر سوال وجواب کے انداز میں قرآن نے ذکر کیا ہے۔

کبھی بغیر سبب کے آیتیں نازل ہوتی تھیں، جیسے: اقامت صلاۃ، وضو اور بعض دوسری عبادات کی آیات۔

تشریع احکام کے کچھ بنیادی اصول ہیں جن کو عہد رسالت میں فقہی احکام کو وضع کرنے کے لئے مد نظر رکھا گیا، اور وہ یہ ہیں، عدم حرج، قلت تکلیف اور آسانی، اور تدریج۔

عدم حرج: اس کا مطلب تنگی کو دور کرنا، عملی احکام میں تنگی کا نہ ہونا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فقہی احکام میں اس اصول کو بھرپور ملحوظ رکھا ہے، واضح رہے کہ عدم حرج سے مراد یہ نہیں ہے کہ سرے سے تکلیف ومشقت ہی نہ ہو، اس اعتبار سے مشقت کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک وہ معمولی مشقت جسے عرف میں مشقت تصور نہیں کیا جاتا ہے، شارع نے بھی اس کا لحاظ نہیں رکھا ہے؛ کیوں کہ شرعی احکام کے مکلف ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہوگی۔ مشقت کی دوسری قسم وہ ہے جسے عرف میں مشقت سمجھا جاتا ہے، انسان اس کی وجہ سے دقت محسوس کرتا ہے، شریعت نے اس مشقت کا اعتبار کیا ہے اور اس کی وجہ سے احکام میں تخفیف برتا

ہے، اسی کو عدم حرج گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی نوع کی مشقت و حرج اور تنگی کو دور کرنے کی طرف قرآن مجید میں کئی مقامات پر تصریح کی ہے۔(البقرہ:185.286. المائدہ:6، الحج:78) مثلاً نماز ہے، اس میں قیام (کھڑا ہونا) فرض ہے، کھڑے ہونے میں اگر کسی کو ادنی مشقت ہے، تو اس سے قیام ساقط نہیں ہو گا؛ لیکن اگر کھڑے ہونے میں اس کو غیر معمولی مشقت ہوتی ہو تو پھر اس سے قیام ساقط ہو جائے گا اور وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا۔

یسر و آسانی: یہ عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ احکام میں توازن واعتدال ہو، واجبات و فرائض کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے" (البقرہ:286، مزید دیکھئے:نساء:28) اسی وجہ سے اسلام نے کثرت سوال سے منع کیا اور دین میں غلو سے روکا (المائدہ:101) اور ایک بنیادی اصول یہ بتادیا کہ دین آسان ہے:

"إن الدين يسر ولن يشاد الدين إلا غلبه" (بخاری، حدیث نمبر:39)

اسی وجہ سے قرآن میں واجبات و فرائض کی مقدار بہت تھوڑی ہے جن کو کم مدت میں آسانی سے سیکھا جاسکتا ہے اور ان پر عمل بھی آسان ہے، ان میں بھی اس بات کا مکمل خیال رکھا گیا ہے کہ پہلے سے جو رسوم اور عادات واطوار چلے آرہے ہیں، ان میں سے جو اسلام کی نظر میں درست تھے ان کو باقی رکھا گیا، بعض میں معمولی اصلاح اور ترمیم کی گئی، اور جو بالکل ظلم وزیادتی پر مبنی تھے یا انسانی فطرت کے مغائر اور اس کے لئے ضرر رساں تھے، ان سے روکا گیا، اور شرعاً ان کو ممنوع قرار دیا گیا، جس کی واضح مثال نکاح شغار ہے۔

تدریج: اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کے، آہستہ آہستہ کسی کام کا حکم دینا، یکبارگی بوجھ نہ ڈالنا، چوں کہ عرب کی بگڑی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے حکمت کا تقاضا تھا کہ ان کو عمل پر آمادہ کرنے کے لئے حکمت کے ساتھ بتدریج احکام دیئے جائیں؛ چنانچہ قرآنی آیات اور احادیث رسول میں بہت سے احکام کی مشروعیت بتدریج ہوئی ہے، اس کی واضح مثال شراب کی حرمت ہے، تیسرے مرحلہ میں اس کی قطعی حرمت نازل ہوئی، پہلے مرحلہ میں ذہن سازی کی گئی کہ تمہارے لئے اس میں فوائد تھوڑے اور نقصان زیادہ (البقرہ: 291) دوسرے مرحلہ میں نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روکا گیا (النساء:43) تیسرے مرحلے میں اس کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہوا (المائدہ:9)۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ فقہی احکام کے مصادر قرآن وحدیث ہیں' اسی کے ساتھ علماء نے اجتہاد رسول اور اجتہاد صحابہ کو بھی شامل کیا ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ دونوں حدیث کے ذیل میں آجاتے ہیں؛ کیوں کہ اجتہاد رسول قول رسول یا فعل رسول ہوا، اور اجتہاد صحابہ کی تائید صراحۃ یا حکماً رسول اللہؐ کی جانب سے ہونے کے بعد معتبر ہے، اس لئے یہ حدیث کی ایک قسم تقریر (آپؐ کے سامنے کوئی کام کیا گیا یا آپؐ کے علم میں آیا؛ لیکن آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی) کے ذیل میں آجاتا ہے۔

آپؐ کے بعض افعال طبعی نوعیت کے ہیں، جیسے اٹھنے، بیٹھنے، اور گفتگو کرنے کا انداز وغیرہ، اس طرح کے امور میں سے جو بہ اختیار عمل میں لایا جاسکتا ہے ان کا کرنا مستحب ہو گا، اور جو آدمی کے اختیار وارادہ سے باہر ہو ان سے شرعی حکم متعلق نہیں ہوں گے۔

1.7 پہلی صدی ہجری میں فقہ

علماء نے تدوین فقہ کے جو تاریخی ادوار متعین کئے ہیں، وہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا: خلافت راشدہ کا عہد (11 تا 40ھ)، دوسرا: اصاغر صحابہ اور تابعین کا عہد (41 ہجری سے پہلی صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے اوائل تک)۔

1.7.1 خلافت راشدہ کا عہد

اس دور میں صحابہ کرام کے سامنے احکام شریعت کے اخذ واستنباط کے مصادر: قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس واجتہاد تھے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے قاضی شریح کے نام کوفہ روانہ کیا تھا، ایسا ہی خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی عمل تھا کہ وہ جن مسائل میں قرآن وسنت میں کوئی نص نہیں پاتے تو صحابہ کرام میں سے اہم شخصیتوں کو جمع فرماتے، ان سے مشورہ کرتے اور ان کے اتفاق سے فیصلہ فرماتے، یہی بقیہ خلفاء راشدین کا طریقہ رہا۔

اس طرح عہد صحابہ میں بعض مسائل پر اتفاق میں حضرت ابو بکر صدیق ص کی کوشش کو بڑا دخل رہا، جیسے مانعین زکاۃ سے جہاد، نبی کریمؐ کے متروکات میں میراث کا جاری نہ ہونا، قرآن کی جمع وترتیب وغیرہ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تراویح باجماعت پر صحابہؓ کا اتفاق ہوا۔

اس وقت تک شراب نوشی کی حد متعین نہیں تھی، حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، تو بالآخر حضرت علیؓ کی رائے ''اسّی کوڑے'' پر فیصلہ ہوا، اور یہی شراب کی حد مقرر ہو گئی۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق رائے کی کوشش کے باوجود اتفاق نہیں ہو سکا، اور صحابہ کے درمیان اختلاف باقی رہا، اور بعد کے ادوار میں بھی وہ اختلاف منتقل ہوتا رہا ہے؛ البتہ صحابہ کرامؓ فقہی اختلاف کو مذموم نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ ایک دوسرے کی رائے کا پورا احترام کرتے تھے، اور بڑی ہی فراخ دلی کے ساتھ دوسروں کو اختلاف کرنے کا حق بھی دیتے تھے، اس طرح دلیل کی روشنی میں جو جس کی رائے پر عمل کرنا چاہتا کرتا، کوئی صحابی دوسرے کو اپنی رائے پر عمل کرنے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک موقع سے فرمایا کہ اگر میرے پاس اللہ یا اس کے رسول کا حکم ہوتا تو میں اس کو نافذ کر دیتا؛ لیکن میری بھی رائے ہے اور رائے میں سب شریک ہیں؛ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فیصلہ کو برقرار رکھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی مملکت کی وسعت اور عرب وعجم کے تہذیبی میل جول سے بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے جن کا حل قرآن وحدیث میں صراحۃً نہیں تھا؛ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد فوری خلافت کا مسئلہ پیش آیا، اس کی صراحت قرآن وحدیث میں موجود نہیں تھی، اجتہاد کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا، مختلف رائیں سامنے آئیں اور آخر میں ایک رائے پر سب کا اتفاق ہوا، اس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ صحابہ کے اجتہاد سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ نئے مسائل کے فقہی احکام مستنبط کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ پہلے قرآن میں حکم تلاش کیا جائے، اگر اس میں

نہ ملے، تو سنت رسول میں دیکھا جائے، اگر اس میں بھی نہ ملے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پچھلے اجماعی فیصلے دیکھے جائیں، یعنی اجماع صحابہ میں تلاش کیا جائے، اگر اتفاق سے اس میں بھی نہ مل سکے تو قیاس کیا جائے، یعنی شریعت کے مشابہ مسائل پر علت مشترکہ کی بنیاد پر قیاس کیا جائے؛ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط میں تحریر فرمایا :

"مسائل میں اشباہ وامثال کو پہچانو اور پھر ان کی روشنی میں ان کے بارے میں ایسی رائے قائم کرو جو تمہیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے قریب تر نظر آئے"۔(سنن دار قطنی:2/512، اعلام الموقعین:1/72)

قیاس کا مطلب گذر چکا ہے، جہاں تک اجتہاد کی بات ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب وسنت سے حکم شرعی مستنبط کرنے میں چند قیود وشرائط کے ساتھ پوری پوری کوشش کی جائے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

اول یہ کہ کتاب وسنت کی منصوص عبارت سے استخراج مسائل کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ کتاب وسنت کے منصوص مسائل سے بذریعہ قیاس استخراج مسائل کیا جائے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد کو حد قذف پر قیاس فرمایا، اس طور پر کہ جب کوئی شراب پیتا ہے تو نشہ میں مبتلا ہوتا ہے، پھر نشہ کی حالت میں بکواس شروع کرتا ہے اور اس میں لوگوں پر بہتان تراشی بھی کر گذرتا ہے، اس لئے جو سزا تہمت اندازی (قذف) کی ہے، یعنی اسّی (80) کوڑے، وہی شراب نوشی پر بھی دی جانی چاہیے؛ چنانچہ اسی کوڑے پر فیصلہ ہوا۔

صحابہ کرامؓ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جب قرآن وحدیث میں کسی نئے مسئلہ کا حل نہیں ملتا، اور نہ ہی اجماع اور قیاس کے ذریعہ اس کے حکم کا استخراج ممکن ہوتا تو مصلحت مرسلہ کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے، جیسا کہ عراق وشام کی فتوحات کے وقت مجاہدین کے درمیان زمینات کی تقسیم کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے انہیں بیت المال کی ملکیت قرار دیا؛ تاکہ عام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچے اور اس سے مزید رفاہی کام انجام دیئے جاسکیں۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ اور خاص کر کے حضرت عمرؓ نے بعض فیصلے شریعت کے عمومی مقاصد کی بنیاد پر کئے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں چوری کی حد کو موقوف کر دیا؛ کیوں کہ اس وقت لوگ اضطرار کی حالت میں تھے، اور شریعت کا مسلّمہ اصول ہے کہ اضطرار کی حالت میں چوری کرنے سے حد جاری نہیں ہوتی، اس لئے کہ انسان اپنے اختیاری افعال کے بارے میں اللہ کے یہاں جواب دہ ہے، نہ کہ اضطراری افعال کے بارے میں۔

بعض اوقات صحابہؓ نے دفع مفسدہ اور فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لئے فقہی فیصلے کئے ہیں، جیسے: اگر کوئی مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو شریعت کے اصول کے مطابق مطلقہ کو اس مرد کے متروکہ میں سے کچھ بھی نہ ملے؛ لیکن چوں کہ بعض غیر منصف مرد اسے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کا ذریعہ بناسکتے تھے، اسی لئے صحابہ نے ظلم کے دروازے کو بند کرنے کے لئے ایسی مطلقہ عورت کو بھی میراث کی مستحق قرار دیا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین طلاق ہی واقع قرار دیا؛ تاکہ بددین لوگوں کی بری نیت کا سدباب ہوسکے اور اللہ کی محرمات کی حفاظت ہوسکے۔

فقہی مسائل کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں فقہاء صحابہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اختلاف بے بنیاد نہیں ہے؛ بلکہ اس کے کچھ اسباب ووجوہ ہیں جو اس اختلاف کے پیچھے کار فرما رہے ہیں اور اس اختلاف میں بھی حق کی جستجو مطلوب تھی نہ کہ تنگ نظری، تعصب اور دوسروں کی مخالفت، واضح رہے کہ اختلاف صحابہ کے تجزیے سے اس کے مختلف اسباب سامنے آتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں :

(1) **لفظ میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال:** یعنی قرآن وحدیث کے کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معنی کے احتمال ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوا، جیسے قرآن نے مطلقہ عورت کی عدت تین "قروء" قرار دی ہے، قروء قرء کی جمع ہے، اس کے دو متضاد معنی آتے ہیں، ایک حیض دوسرے طہر؛ چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس سے حیض کا معنی مراد لیا، جب کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اس سے طہر مراد لیتے ہیں۔

(2) **حدیث کا عدم سماع:** یعنی ایک صحابی نے رسول اللہؐ سے حدیث سنی اور دوسرے صحابی نے حدیث نہیں سنی اور نہ ہی دوسرے واسطہ سے ان تک پہنچ سکی، ظاہر ہے کہ جن تک کسی مسئلہ کے بارے میں حدیث نہیں پہنچی تو انہوں نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ عام اصول کے مطابق غسل کرتے وقت خواتین کو سر کے بالوں کو کھولنے کا حکم دیا کرتے تھے؛ کیوں کہ غسل میں پانی کا پورے جسم تک پہنچنا ضروری ہے، اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ سر پر تین چلو پانی ڈالنے کو کافی سمجھتی تھیں، بالوں کے کھولنے کو ضروری قرار نہیں دیتی تھیں؛ اس لئے وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرتی تھی اور میں صرف اپنے سر پر تین چلو ڈال لیا کرتی تھیں۔ (دیکھئے: مسلم، حدیث نمبر: 331)

(3) **فعل کا حکم سمجھنے میں اختلاف:** بعض مرتبہ رسول اللہؐ کے کسی عمل کے منشا ومقصد کو متعین کرنے میں اختلاف رائے ہوا ہے، جیسے حج میں منی سے مکہ واپس ہوتے ہوئے وادی ابطح میں قیام کا حکم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے صحابہ حضورؐ کے اس عمل کو سنت قرار دیتے ہیں، جب کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے طبعی فعل قرار دیتے ہیں۔

(4) **سہو ونسیان:** مطلب یہ ہے کہ کوئی صحابی نبی کا کوئی عمل نقل کرے اور اس میں بھول کر غلط حکم لگادے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ نبی کریمؐ نے ماہ رجب میں عمرہ کیا؛ لیکن حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابن عمر نے یہ بات بھول کر کہہ دی ہے، حقیقت میں آپؐ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔ (بخاری، حدیث نمبر: 1776)

(5) **وہم:** حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ مطلقہ بائنہ عورت عدت میں نفقہ اور رہائش کی حقدار نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے سنا تو اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کی بات پر نہ معلوم کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی کتاب اللہ اور سنت رسول کو نہیں چھوڑ سکتا، حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا وہم ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ قرآن کی سورہ طلاق (آیت: 1) میں مطلقہ کے رہائش فراہم کرنے کی ہدایت موجود ہے۔

(6) **مزاج ومذاق اور طریقہ استنباط کا فرق:** بعض صحابہ کرام جیسے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا مزاج ومذاق حدیث کے ظاہری الفاظ پر قناعت کا تھا، جب کہ بعض دوسرے صحابہ کرام جیسے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ حدیث کے مقصد ومنشاء پر نظر رکھتے تھے اور قرآن ودین کے عمومی مزاج وطبیعت کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کا مزاج تھا، جیسے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پھر تو گرم پانی سے غسل کیا جائے تو اس سے بھی وضو واجب ہو جائے گا؟

(7) **ضبط کا اختلاف:** حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے: ”مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے وہم شمار کیا کرتی تھیں؛ کیوں کہ یہ قرآن کے حکم وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (سورہ فاطر:18) (ایک شخص پر دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں ہوگا) کے خلاف ہے۔ (دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر:3129)

(8) **حکم کی علت کے استخراج میں اختلاف:** جیسے بعض صحابہ کا موقف تھا کہ جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کی علت فرشتوں کی تعظیم ہے، اس لئے مومن اور کافر دونوں کے لئے کھڑا ہونا چاہیے، جب کہ بعض دوسرے صحابہ کا موقف تھا کہ یہ حکم موت کی ہولناکی کے باعث ہے۔

1.7.2 صغار صحابہ وتابعین کا عہد

اس دور میں صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ سے نکل کر عالم اسلام کے مختلف شہروں میں رہائش پذیر ہوگئے، اور علم دین کی نشرواشاعت میں مصروف ہوگئے 'لوگ بھی ان کے گرد کثرت سے جمع ہوگئے، اور ان سے خوب استفادہ کیا، یہاں تک کہ تابعین کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جو مرجع خلائق بن گئی۔

صحابہ کرامؓ کے دور دراز علاقوں میں پھیل جانے کی وجہ سے اجتماعی اجتہاد کی جگہ پر انفرادی اجتہاد کا غلبہ ہوگیا، اور دوسرے یہ کہ مختلف علاقوں کے رواج وعادات اور ہر شہر کے حالات اور کاروباری طریقے اور لوگوں کے فکری وعملی رجحانات مختلف تھے، جس کی وجہ سے اس اختلاف کا اثر فقہاء کے نقطۂ نظر پر پڑا، اور پہلے دور کے بمقابلہ اس دور میں اختلاف رائے کی کثرت ہوگئی۔

ویسے تو دور صحابہ میں ہی صحابہ کے دو طبقے پیدا ہو چکے تھے، ایک طبقہ اہل حدیث اور دوسرا طبقہ اہل رائے سے مشہور ہوا، اہل حدیث کا طبقہ قیاس برائے نام کرتا تھا، ان کی نگاہ قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ پر مرکوز ہوتی تھی، دوسرا طبقہ بھی قرآن وحدیث سے استدلال کرتا تھا، ظاہری الفاظ کے ساتھ معانی کا غواص تھا، استنباط مسائل میں شرعی احکام کے علل، اسباب، مقاصد اور مصالح کی بھی رعایت کرتا تھا، اور اصول وقوانین کی روشنی میں نئے مسائل کا حل تلاش کرتا تھا، ایسے لوگ زیادہ تر اہل عراق تھے، اور اہل حدیث زیادہ تر اہل حجاز تھے۔

صحابہ میں اہل حجاز کے اساتذہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ صحابہ کرام تھے، اور اہل عراق کے اساتذہ حضرت

علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جیسے فقہاء صحابہ تھے، اس دور میں اجتہاد کے دونوں طریقے زیادہ نمایاں ہوئے اور دونوں طریقوں کو خوب فروغ ملا، نیز اس دور میں فقہ اور حدیث کا فن ایک دوسرے سے ممتاز ہوا، فقہ و فتاویٰ میں مشغول رہنے والے فقہاء کہلائے، اور متن حدیث کی روایت اور اس کی سند کی تحقیق میں مصروف رہنے والے محدثین کہلائے۔

اس عہد میں بھی بنیادی طور پر اجتہاد واستنباط کا وہی طریقہ رہا جو اکابر صحابہ نے اختیار کیا تھا، البتہ ثانوی مراجع کا استعمال بھی وسیع پیمانہ پر شروع ہو گیا۔

اس دور میں فقہ اسلامی کا تعلق واقعاتی مسائل سے رہا، یعنی جو مسائل پیش آئے ان ہی کا حکم بتایا گیا، امکانی تفریعات اور مفروضہ احکام کا استخراج نصوص سے نہیں کیا گیا۔

1.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- لغوی اعتبار سے "فقہ" کا معنی کسی چیز کا اچھی طرح جاننا اور سمجھنا ہے، اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ابتدا میں فقہ کا اطلاق مکمل دین پر ہوتا تھا جس میں عقائد، عبادات، اخلاقی احکام اور معاملات سب شامل تھے، بعد میں یہ لفظ فقہی احکام کے ساتھ محدود ہو گیا، اس لحاظ سے فقہ کی تعریف اس طرح ہو گی: فقہ ایسا علم ہے جس میں ان شرعی احکام سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔
- فقہ اسلامی کا آغاز عہد رسالت میں ہوتا ہے، یہی دور آنے والے تمام ادوار کی اساس وبنیاد ہے، نقطۂ آغاز وحی الٰہی سے ہوتا ہے اور آپ کی وفات تک پوری شریعت مکمل ہو جاتی ہے۔
- آپ ﷺ کی وفات کے بعد پیش آنے والے نئے مسائل کے بارے میں بعض صحابہ کرام فتوی دیا کرتے تھے، فتوی دینے والے صحابہ دو طرح کے تھے، ایک ظاہر لفظ پر اکتفا کرتے تھے، دوسرے ظاہر لفظ کے ساتھ ساتھ درایت سے بھی کام لیتے تھے، مقاصد شریعت اور مصالح کی بنیاد پر بھی فتوی دیتے تھے، پہلی قسم کے صحابہ اصحاب حدیث سے معروف ہوئے، جیسے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ، دوسری قسم کے صحابہ اصحاب رائے سے مشہور ہوئے، ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، اور حضرت علیؓ وغیرہ ہیں، پہلے طریقہ کو اہل حجاز نے اپنایا دوسرے طریقے کو اہل عراق نے اختیار کیا، جس کے سرخیل بعد کے دور میں امام ابو حنیفہؒ بنے۔

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی سوالات کے جوابات

1. فقہ کے لغوی معنی بتائیں:

(a). جاننا / سمجھنا (b). بات چیت (c). کھولنا (d). تمام غلط

2. فقہ ظاہریہ کے بانی کون ہیں؟

(a). امام داؤد بن علی (b). امام جعفر صادق (c). امام ابو حنیفہ (d). امام مالک

3. اور اہل حجاز کے طریقہ فقہ کے سرخیل تھے:

(a). امام مالک بن انس (b). امام داؤد بن علی (c). امام ابو حنیفہ (d). امام جعفر صادق

4. اہل عراق کے طریقۂ فقہ کے امام و پیشوا تھے؟

(a). امام ابو حنیفہؒ (b). امام داؤد بن علی (c). امام مالک بن انس (d). امام جعفر صادق

5. امام ابن حزم اندلسی نے کس فرقے کو تقویت پہنچائی:

(a). حنفی (b). مالکی (c). جعفری (d). ظاہریہ

6. امام احمد بن حنبل کس کے شاگرد تھے؟

(a). ابن حزم اندلسی (b). امام شافعی (c). امام ابو حنیفہ (d). امام جعفر صادق

7. فقہی احکام کے مدار کتنے ہیں؟

(a). دو (b). دس (c). بارہ (d). آٹھ

8. فقہ اسلامی کا آغاز کب سے ہوا:

(a). اموی (b). عباسی (c). عہد رسالت (d). عہد خلافت راشدہ

9. امام داؤد بن علی کی وفات کب ہوئی:

(a). 270ھ (b). 280ھ (c). 150ھ (d). تمام غلط

10. اہل رائے کہاں کے لوگوں کو کہا جاتا تھا؟

(a). اہل مکہ (b). اہل مدینہ (c). اہل کوفہ (d). سب صحیح

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ کی لغوی تعریف بیان کیجیے۔
2. فقہ کی اصطلاحی تعریف پر نوٹ تحریر کیجیے۔
3. صغار صحابہ و تابعین کے عہد میں فقہ کا ذکر کیجیے۔
4. خلافت راشدہ کے عہد میں فقہ کا تذکرہ کیجیے۔
5. تشریع احکام کے بنیادی اصول کو بیان کیجیے۔

1.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ کی ضرورت و اہمیت پر مضمون لکھیے۔
2. فقہ کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالیے۔
3. عہد نبوی میں فقہ کے موضوع پر تبصرہ کیجیے۔

1.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
4. برصغیر میں علم فقہ : محمد اسحاق بھٹی
5. فتاوی دارالعلوم دیوبند (مقدمہ) : مرتب: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
6. فقہ اسلامی، اصول، خدمات اور تقاضے : ترتیب: مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اکائی 2: فقہ: تعارف آغاز وارتقا(حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 فقہائے صحابہ وتابعین

2.3 فقہ کے مراکز

2.3.1 مدینہ منورہ

2.3.2 مکہ مکرمہ

2.3.3 کوفہ

2.3.4 بصرہ

2.3.5 شام

2.3.6 مصر

2.3.7 یمن

2.4 دور وسطی کے مجتہدین وفقہاء

2.5 دور جدید میں فقہ اسلامی کے ماہرین

2.6 اکتسابی نتائج

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

2.0 تمہید

اس اکائی میں یہ واضح کیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ کے وصال کے بعد صحابہ کے دور میں نئے مسائل حل کرنے کے کیا طریقے تھے، ان حضرات کا اجتہاد اور استنباط مسائل کے سلسلے میں کیا منہج تھا؟ ان کے بعد دور تابعین اور عہد مجتہدین میں کیا نئے فقہی رجحانات پیدا ہوئے، اور یہ کہ بڑے بڑے شہروں میں فقہی مراکز قائم ہوئے، مجتہدین کے دور میں فقہی مسالک کی تشکیل عمل میں آئی، فقہ کے موضوع پر عمومی انداز کی اور خصوصی مسلکی رنگ میں نئی نئی کتابیں تصنیف ہوئیں، تقلید کا دور شروع ہوا اور ہر فقہی منہج کے حامل فقہاء نے اپنے اپنے مسلک کی تائید میں کتابیں تالیف کیں، ان سب سے واقفیت حاصل ہوگی اور اس پر بھی روشنی ڈالی جائے گی کہ دور وسطی اور دور جدید میں فقہی خدمات کس طرح انجام دی گئیں، اور فقہ مقارن کا رجحان اس دور میں کیسے ہوا؟ اور اس موضوع پر کون سی کتابیں لکھی گئیں، اس کے اسباب ووجوہات کیا تھے؟ ان دونوں ادوار میں کون سے فقہاء نے ممتاز کردار نبھایا۔ اس کے بارے میں پڑھیں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس بات کو جان سکیں کہ صحابہ کرام، تابعین اور مجتہدین کے دور میں فقہ کی کیا صورت حال تھی۔ عجمی تہذیب کا عربی تہذیب میں جب اختلاط ہوا تو زندگی کے بے شمار مسائل وجود میں آنے لگے تو ان حضرات نے کس طرح شرعی حل کا استنباط کرکے لوگوں کی رہنمائی کی۔ اس اکائی میں یہ بھی پڑھیں گے کہ اس وقت فقہی مراکز کہاں کہاں تھے اور کس حال میں تھے۔

2.2 فقہائے صحابہ و تابعین

جن مجتہدین صحابہ کرامؓ کے فتاوی محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں، ان کی تعداد (149) ہے، ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، علماء نے صحابہ سے منقول فتاوی کی تعداد کے لحاظ سے صحابہ کی تین قسمیں کی ہیں، مکثرین، متوسطین، اور مقلین:

☆ مکثرین سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے ہر ایک سے فتاوی کا ایک عظیم مجموعہ منقول ہے، ان کی تعداد سات ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ۔

☆ متوسطین سے صحابہ کی وہ جماعت مراد ہے جن میں سے ہر ایک صحابی سے فتاوی کا منقول مجموعہ چھوٹا سا ہو، یہ کل بیس صحابہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انسؓ۔

☆ مقلین وہ صحابہ ہیں جن سے منقول فتاوی کی تعداد بہت تھوڑی ہو، بعض سے تو صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں، ان کی تعداد ایک سو بائیس ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: حضرت ابو درداءؓ، حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ۔

جہاں تک فقہاء تابعین کی بات ہے تو ان کی تعداد بہت ہے، جن میں اہم اور مشہور یہ ہیں:

سعید بن المسیب مخزومیؒ، عروہ بن زبیرؒ، امام زین العابدینؒ علی بن حسینؒ، عبید اللہ بن عبد اللہ ؒ، سالم بن عبد اللہ، سلیمان بن یسارؒ، قاسم بن محمد ابو بکرؒ، نافع مولی ابن عمرؒ، ابن شہاب زہریؒ، امام ابو جعفر محمد باقر بن علیؒ، ابوزناد عبد اللہ بن ذکوانؒ، یحی بن سعیدؒ، ربیعہ الرائی بن عبد الرحمنؒ، مجاہد بن جبرؒ، عکرمہ مولی ابن عباسؒ، عطاء بن رباحؒ، ابوالزبیر محمد بن مسلمؒ، علقمہ بن قیس نخعیؒ، مسروق بن اجدعؒ، عبیدہ بن عمرو سلمانیؒ، اسود بن یزید نخعیؒ، شریح بن حارث کندیؒ، ابراہیم بن یزید نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، عامر بن شراحبیل شعبیؒ، ابوالعالیہ ریاحیؒ، حسن بن ابی الحسن بصریؒ، جابر بن زیدؒ، محمد بن سیرینؒ، قتادہ بن دعامہ، عبد الرحمن بن غنم اشعریؒ، ابوادریس خولانی، قبیصہ ابن ذؤیبؒ، مکحول بن ابی مسلمؒ، رجاء بن حیوۃؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، ابوالخیر مرثد بن عبد اللہ ؒ، یزید بن ابی حبیبؒ، طاؤس ابن کیسانؒ، وہب بن منبہؒ اور یحی بن کثیرؒ، نعمان بن ثابت ابو حنیفہ۔

یہ وہ تابعین ہیں جو اس دور میں لوگوں کو فتوی دیا کرتے تھے اور احادیث رسول بھی بیان کرتے تھے، یہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، اور فقہ و فتاوی اور روایت حدیث میں مشہور تھے۔

گذشتہ سطروں میں جن فقہاء صحابہ و تابعین کا ذکر آیا ہے ان میں سے چند اہم اور مشہور فقہاء کی سیرت اختصار کے ساتھ پیش کی جاتی ہے:

1. **حضرت عمر بن خطابؓ:** صاحب فراست اور صاحب رائے تھے، آپؓ جن مخصوص صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے ان میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے نزدیک زیادہ سمجھ بوجھ والے تھے، آپؓ کی موافقت میں وحی الہی کئی مرتبہ نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ایک خط لکھا، وہ خط جہاں آپ کے حسن انتظام کو نمایاں کرتا ہے، وہیں آپ کی وسعت علم کو بھی اجاگر کرتا ہے، اس خط کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کو اسلامی فیصلے کے لئے بنیادی اور رہنما اصول قرار دیا گیا۔

استنباط احکام میں آپ کو بڑا ملکہ حاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ قوت استنباط اور کار فتوی میں صحابہ کرام کے درمیان آپ کا اونچا مقام تھا اور سب میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، شریعت اسلامی کی روح، مصلحت اور اس کے مقصد سے آپ کا اجتہاد خوب ہم آہنگ رہا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے غلام ابولولؤہ کے ہاتھ 23ھ میں شہید ہوئے۔

2. **حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ:** رسول اللہ کے قریب ترین خادم خاص تھے، قرآن کے ماہر تھے، قضا اور فتوی دینے میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا، حضرت عمرؓ نے جب ان کو کوفہ معلم اور وزیر بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ سے ایک تاریخی جملہ فرمایا: ”میں نے عبد اللہ کی بابت اپنے اوپر تم لوگوں کو ترجیح دی“، مشہور تابعی ابراہیم نخعیؒ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے اتفاق رائے سے عدول نہیں کرتے تھے، جب دونوں کے درمیان اختلاف ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی رائے کو اختیار کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ”فقیہ فی الدین عالم بالسنۃ“ ہیں، یعنی ان کو دین میں بڑا تفقہ حاصل ہے اور وہ حدیث کے بڑے عالم ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اصحاب رائے فقہاء صحابہ میں سے تھے، جس مسئلہ میں نص نہیں ہوتی اس میں

توقف نہیں کرتے تھے بلکہ بذریعہ قیاس حکم کا استنباط کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ تھا، اسی طریقہ کو علقمہ بن قیس نخعیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے لیا، ان سے ابراہیم نخعیؒ نے، ابراہیم نخعیؒ سے حماد بن ابو سلیمانؒ نے اور حماد بن ابو سلیمانؒ سے امام ابو حنیفہؒ نے اخذ کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آخری عمر میں کوفہ سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تھے اور یہیں 32ھ میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں وفات پائی، طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

3. **حضرت علی بن ابی طالبؓ:** علم کا سمندر رتھے، اصحاب رائے فقہاء میں سے تھے، قرآن وسنت کے بڑے عالم تھے، رسول اللہؐ نے فرمایا: ”میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں، پس جو علم کا طالب ہو وہ علم کے دروازہ پر آئے“۔(مجمع الزوائد: 14/9)مزید آپؐ نے فرمایا:لوگوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت عمرؓ کے کسی فیصلے پر حضرت علیؓ نے ٹوکا کہ ایسے میں ایسا ہونا چاہیے، حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے کو قبول فرمایا، اور فرمایا: ”اگر علی نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا“۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: علی سنت کے بہت بڑے عالم ہیں، جب حضرت معاویہؓ تک حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا: ”ابن ابی طالب کی موت کے ساتھ علم وفقہ رخصت ہو گئے“، حضرت فضیل بن عیاضؒ کا بیان ہے: ”علی لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن وسنت کے جان کار تھے“۔

آپؓ عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھ 40ھ میں شہید ہوئے۔(اسد الغابۃ لابن الاثیر)

4. **حضرت زید بن ثابت انصاریؓ:** بڑے ذہین صحابی تھے، صرف سترہ دن میں سریانی زبان اور پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھی تھی، رسول اللہؐ کے خطوط لکھا کرتے تھے، کاتبین وحی میں سے ایک تھے، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ جمع قرآن کا کام انجام دیا ہے، مدینہ منورہ میں فتوی، قضا، قراءت اور علم فرائض کے امام اور مرجع خلائق تھے، اصحاب رائے فقہائے صحابہ میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ صحابہ میں سب سے بڑے عالم اور راسخ فی العلم (علم میں پختگی وگہرائی والے) تھے، 45ھ میں وفات پائی۔

5. **حضرت ابوہریرہ عبدالرحمن بن صخر دوسیؓ:** سب سے زیادہ احادیث رسولؐ آپ ہی سے مروی ہیں، اہل حدیث فقہاء میں سے تھے، آپ کثرت سے فتوی دینے والوں میں سے تھے، اہل مدینہ کا علم حدیث اور فقہ وفتاوی کا دارومدار جن صحابہؓ پر ہے ان میں سے ایک آپ بھی ہیں، آپ کی وفات 58ھ میں ہوئی۔

6. **حضرت عبداللہ بن عباسؓ:** ہجرت سے دوسال پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہؐ نے آپ کو دین کی فقاہت اور تاویل قرآن میں مہارت کی دعاء دی، تفسیر اور فقہ وفتاوی میں اہل مکہ کے علم کا مدار آپؓ ہی ہیں، ابو بکر محمد نے آپؓ کے فتاوی کو جمع کیا تو ان کی بیس جلدیں ہوئیں، آپ کی وفات 68ھ میں ہوئی۔

7. **حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ:** اہل حدیث فقہاء میں سے تھے، بہ کثرت فتوی دینے والوں میں سے تھے، بڑے متقی وپرہیز گار اور فتوی دینے میں شدت سے احتیاط پر عمل پیرا تھے۔ 73ھ میں وفات ہوئی۔

8. **ام المومنین حضرت عائشہؓ:** حضرت عائشہؓ کا ان مکثرین فقہ وفتاوی میں شمار ہے، اور جن کی طرف ہر طرح کے شرعی مسائل میں لوگ رجوع ہوا کرتے تھے۔(اعلام الموقعین:1/14-12,)

رسول اللہؐ کی خدمت میں وفود آیا کرتے تھے، وہ آپؐ سے سوالات کرتے تھے، اور آپؐ ان کے سوالات کے جوابات مرحمت فرمایا کرتے تھے، نیز لوگوں کے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ آپ کے جوابات اور فیصلے سنتیں اور محفوظ کرلیتی تھیں۔(موسوعۃ فقہ عائشۃ'ام المومنین، ص:83,82) نیز رسول اللہؐ نے حضرت عائشہؓ کو اپنے اور خواتین کے درمیان عورتوں سے متعلق مخصوص مسائل کی بابت استفسار کے لئے واسطہ بنایا تھا، اس طریقہ سے عورتوں سے متعلق فقہی مسائل میاں اور بیوی کے درمیان مشترک و مخصوص شرعی احکام پر انہیں عبور حاصل ہو گیا تھا، ویسے عمومی طور پر بھی فقہ اسلامی میں ان کو اس حد تک دسترس ہوگئی تھی کہ خلافت راشدہ کے دور میں تاحیات منصب فقہ وفتاوی پر فائز رہی ہیں۔(تاریخ الشریع الاسلامی: خضری بک، ص:125، موسوعۃ فقہ عائشہ ام المومنین، ص:78)

حضرت عائشہؓ نے محض حفظ فتاوی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ وہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے: "حضرت عائشہؓ سے زیادہ علم فرائض اور فقہ اسلامی سے آگاہ کسی اور کو نہیں پایا۔ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ تابعی کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے بڑی فقیہہ تھیں، لوگوں میں سب سے بڑی عالمہ تھیں، لوگوں میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔(موسوعۃ فقہ عائشہ ام المومنین)

9. **سعید بن مسیب:** خلافت فاروقی کے دوسرے سال پیدا ہوئے، ابتداء ہی سے حضرت عمرؓ کے فیصلے اور ان کے فقہی آراء کو حفظ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ان کو راوئ عمر کہا جانے لگا، اپنے فضل و کمال، تقوی و پرہیز گاری اور فقہ وفتوی میں گہرائی کی وجہ سے کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں، آپ کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا، مدینہ میں حال یہ تھا کہ جب کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوتا تو ہر کوئی دوسرے کے پاس بھیج دیتا، بالآخر سعید بن مسیبؒ کے پاس آتا اور وہ اس کا جواب دیتے، اس وقت صحابہ کی معتدبہ تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی اس کے باوجود وہ فتوی دیتے تھے، ظاہر ہے کہ ایسی جرأت کثرت علم اور دین میں بڑی فقاہت کی بنیاد پر ہی ہو سکتی ہے، آپ کی وفات ولید بن عبد الملک کے دور حکومت میں 94ھ میں ہوئی۔

10. **نافع مولی عبد اللہ بن عمرؓ:** مدینہ منورہ کے کبار فقہاء اور محدثین میں سے تھے، آپ کی وفات 117ھ میں ہوئی۔

11. **علقمہ بن قیس نخعی کوفیؒ:** رسول اللہؐ کی زندگی میں پیدا ہوئے، البتہ آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی، آپ کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کثرت روایت کی وجہ سے راوئ ابن مسعود کہا جاتا تھا، فضل و کمال اور تفقہ فی الدین کی وجہ سے فقہ کے امام تھے، بعض صحابہ کرامؓ بھی آپ سے آکر فتوی پوچھتے تھے، 61ھ یا 62ھ میں وفات پائی۔

12. **ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی کوفیؒ:** آپ کی جلالت علم، اور فقہ میں مہارت پر سب کا اتفاق ہے، شعبی کہتے ہیں: میں نے ابراہیم نخعیؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا، آپ کی وفات 96ھ میں ہوئی۔

13. **حسن بن ابی الحسن یسار بصریؒ:** حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت کے اواخر میں پیدا ہوئے، بڑے پایہ کے فقیہ تھے، دین

میں بصیرت اور اصابت رائے کی وجہ سے کہا گیا کہ اگر حسن بصریؒ جوانی میں صحابہ کرامؓ کا دور پاتے تو صحابہ بھی ان کے علم کے محتاج ہوتے، علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے ان کے فتاوے کو سات ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ بصرہ میں 110ھ میں وفات پائی۔

14. **عطاء بن ابی رباح مولی قریشؒ:** حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں: میں نے عطاء سے افضل نہیں دیکھا، حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے: اے اہل مکہ! تم لوگ میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تمہارے درمیان عطاء موجود ہیں، آپ کی وفات 114ھ میں ہوئی۔

15. **محمد بن سیرین مولی انس بن مالکؓ:** حضرت عثمانؓ کے دو خلافت کے اواخر میں پیدا ہوئے، بڑے فقیہ اور امام تھے، 110ھ میں وفات پائی۔

امام ابو حنیفہ بھی تابعین میں شمار ہوتے ہیں چونکہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ وغیرہ کو دیکھا ہے، اور وہ مشہور بھی ہیں۔

2.3 فقہ کے مراکز

خلافت راشدہ کے دور میں اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، اور نئی آبادیوں کا سلسلہ پھیلتا گیا اور عرب و عجم کی تہذیبوں نے مل کر ایک نئی تہذیب اور جدید طرز زندگی سے لوگوں کو روشناس کرایا، اور فکری و عملی رجحانات میں ایک انقلاب برپا کیا، جس کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھیں، اور حاجات انسانی میں تغیر واقع ہوا، نئے نئے مسائل جنم لینے لگے، صحابہ کرامؓ نے اس چیز کو محسوس کیا اور وہ مدینہ منورہ سے نکل کر مختلف دور دراز علاقوں اور شہروں میں پھیل گئے اور ہر ایک نے اپنی جگہ فقہ کا مرکز قائم کیا، اس طرح فقہ وافتاء کے بہت سے مراکز قائم ہوگئے؛ لیکن ان مراکز فقہ وافتاء میں اہم اور زیادہ مشہور سات تھے اور وہ یہ ہیں: مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن۔ درج ذیل سطور میں ان سات مراکز کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

2.3.1 مدینہ منورہ

عہد رسالت سے حضرت عثمانؓ کی شہادت تک مدینہ منورہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، علم و فن، لوگوں کی آمد و رفت اور اسلامی حکومت کے مختلف امور اور پالیسیاں طے ہونے کے اعتبار سے مدینہ ایک عظیم الشان مرکز تھا، یہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ موجود تھے، جن میں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ ان ہی صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کرنے والے تابعین درج ذیل ہیں: سعید بن مسیب مخزومیؒ (متوفی 94ھ)، ابو بکر بن عبد الرحمن مخزومیؒ (متوفی 94ھ)، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہؒ (متوفی 98ھ)، سلیمان بن یسارؒ مولی ام المومنین حضرت میمونہؓ (متوفی 107ھ)، نافع مولی عبد اللہ بن عمرؓ (متوفی 117ھ)، امام ابو جعفر محمد باقر بن علی بن حسینؓ (متوفی 114ھ)، یحی بن سعید

انصاریؒ(متوفی 146ھ)، عروہ بن زبیرؒ(متوفی 94ھ)،زین العابدین علی بن حسینؒ(متوفی 94ھ)، سالم بن عبداللہ بن عمرؒ(متوفی 106ھ)، قاسم بن محمد ابو بکر(متوفی 146ھ)، محمد بن مسلمؒ بن شہاب زہری(متوفی 124ھ)، ربیعہ الرائی بن ابوعبدالرحمن(متوفی 136ھ)، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان(متوفی 131ھ)-رحمہم اللہ- یہ حضرات حدیث وفقہ میں مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں اپنی نظیر آپ تھے۔

2.3.2 مکہ مکرمہ

رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو کچھ دنوں کے لئے مکہ کا معلم ومفتی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور یہاں زندگی کا آخری دور گذارا، اہل مکہ ان کے علم وفضل سے خوب مستفیض ہوئے، یہاں اصحاب افتاء تابعین میں سے مجاہد بن جبیرؒ(متوفی 103ھ)، عطاء بن ابی رباح(متوفی 114ھ)، عکرمہ مولی ابن عباسؓ(متوفی 107ھ)، ابوالزبیر محمد بن مسلم(متوفی 128ھ)اور عبدالعزیز بن محمد بن مسلم زنجی(رحمہم اللہ)زیادہ مشہور اور قابل ذکر ہیں۔

2.3.3 کوفہ

کوفہ اور بصرہ دونوں شہر حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آباد کئے گئے تھے، دراصل ان دونوں شہروں کی حیثیت فوجی چھاؤنیوں کی تھی، صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے ان کی طرف رخ کیا اور ان میں سے اچھی خاصی تعداد نے ان دونوں شہروں کو اپنا وطن بنالیا، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا معلم، مفتی اور وزیر مقرر کرکے بھیجا، آپ کوفہ میں دس سال مقیم رہے، یہاں کے باشندوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا۔

یہ بات معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بنے، حضرت علیؓ نے دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کرلیا، اس طرح کوفہ دارالخلافہ بن گیا، کوفہ 35ھ سے 40ھ تک حضرت علیؓ کا دارالخلافہ رہا، حضرت علیؓ سے بھی اہل کوفہ نے خوب استفادہ کیا، پھر ان دونوں کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے کوفہ کا علمی ماحول سرگرم رہا، اور یہاں فقہی مسائل کی خوب اشاعت ہوئی، کوفہ کے مجتہدین فقہاء اور مفتیان کی ایک لمبی فہرست ہے، جو حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت معاذؓ کے تربیت یافتہ شاگرد تھے، ان میں سے چند اہم ناموں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی(متوفی 62ھ)، مفتی مسروق بن اجدع(متوفی 63ھ)، معلم عراق عبیدہ بن عمرو سلمانیؒ(متوفی 92ھ)، فقیہ کوفہ عامر شعبیؒ(متوفی 95ھ)، حماد بن ابوسلیمان(متوفی 120ھ)، عبدالرحمن بن ابولیلی(متوفی 83ھ)، سعید بن جبیر(متوفی 95ھ)، عمرو بن شرحبیل(متوفی 104ھ)، ابراہیم بن یزید نخعیؒ(متوفی 95ھ)، قاضیٔ کوفہ شریح بن حارث کندیؒ(متوفی 78ھ)اور اسود بن یزید نخعیؒ(متوفی 95ھ)۔

2.3.4 بصرہ

بہت سے صحابہ کرام اس میں سکونت پذیر ہوگئے، اس شہر کے مجتہدین صحابہ میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت

انس بن مالکؓ خاص طور پر قابل ذکر اور شہرت کے حامل ہیں، ان کے بعد خود ان کے اور دیگر اجلہ صحابہ کے شاگرد بصرہ کے مسند فقہ وفتاوی پر فائز ہوئے، اور بڑی گرانقدر خدمت انجام دی، اور وہ یہ ہیں:

ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحیؒ (متوفی 90ھ) فقیہ بصرہ ابو شعثاء جابر بن یزیدؒ (متوفی 93ھ) حسن بن ابی الحسن یسار مولی زید بن ثابت بصریؒ (متوفی 110ھ) محمد بن سیرینؒ (متوفی 110ھ) اور قتادہ بن دعامہ سدوسیؒ (متوفی 118ھ)۔

2.3.5 شام

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں شام فتح ہوا تھا، امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کو شام کے معلم اور مفتی کی حیثیت سے روانہ فرمایا تھا، ان کے بعد خود ان حضرات صحابہ کے شاگرد، نیز حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے بے شمار شاگرد شام کے منصب فقہ وافتاء پر فائز ہوئے، جن میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

عبد الرحمن بن غنم اشعریؒ (متوفی 78ھ)، ابو ادریس خولانیؒ (متوفی 80ھ)، عمر بن عبد العزیزؒ (متوفی 101ھ)، قبیصہ بن ذویبؒ (متوفی 86ھ)، رجاء بن حیوہؒ (متوفی 112ھ) اور مکحول بن سلمہؒ (متوفی 113ھ)۔

2.3.6 مصر

مصر بڑا قدیم ملک ہے، اس کی تہذیب پرانی ہے، اپنے علم وفن میں پہلے سے مشہور ہے، حضرت عمرو بن عاصؓ کی قیادت میں مصر فتح ہوا تھا، اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت تھا، مصر فتح ہونے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ وہیں سکونت پذیر ہو گئے، آپ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ (متوفی 65ھ) جو خود بھی صحابی رسول ہیں وہاں کے مفتی بنے، ان کے بعد وہاں کے تابعین میں سے مفتی مصر ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ یزنیؒ (متوفی 90ھ) اور دوسرے مفتی مصر یزید بن حبیب مولی ازدؒ زیادہ مشہور ہوئے۔

2.3.7 یمن

یمن عہد رسالت میں ہی اسلامی ملک بن چکا تھا، رسول اللہؐ نے خود وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ عرصہ کے لئے بھیجا تھا، پھر حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا امیر و معلم اور قاضی و گورنر بنا کر روانہ کیا، اس طرح یمن کو فقہ وافتاء کے اہم اور مشہور مراکز میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے، تابعین میں طاؤس بن کیسانؒ (متوفی 106ھ) جو کہ فقیہ یمن سے معروف ہوئے وہب بن منبہؒ صنعانی (متوفی 114ھ) جو کہ یمن کے عالم و قاضی سے مشہور ہوئے، اور یحی بن ابی کثیرؒ مولی طئی (متوفی 129ھ) قابل ذکر ہیں۔

2.4 دور وسطی کے مجتہدین وفقہاء

دور وسطی کا آغاز چوتھی صدی ہجری کے اختتام کے بعد پانچویں صدی مطابق تیرہویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے، اور ختم (1009ھ) مطابق (1869ء) پر ہوتا ہے، یہاں سے دور جدید شروع ہوتا ہے۔ دور وسطی میں بہت سے مجتہدین وفقہاء پیدا

ہوئے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے ان میں سے چند نمایاں فقہاء کا نام ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

1. قاضی عبد الوہاب بن نصر بغدادیؒ مالکی (متوفی 422ھ): دبستان فقہ مالکی کے بڑے عالم وفقیہ تھے، ان کی تصنیفات بہت ہیں، ان میں سے ایک مدونہ کی شرح ہے۔

2. ابو الحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی حنفیؒ (متوفی 427ھ): اپنے زمانہ کے بڑے فقیہ تھے، آپ کی مشہور کتاب "المختصر للقدوری" ہے، اس کے علاوہ "التجرید" کے نام سے ضخیم کتاب تصنیف کی ہے، جس میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلافی مسائل کو جمع کر دیا ہے۔

3. شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد حلوانی بخاری حنفیؒ (متوفی 448ھ): اپنے زمانہ میں اہل بخاری کے امام تھے، ان کی مشہور کتاب "مبسوط" ہے۔

4. ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعیؒ (متوفی 450ھ) فقہ میں ان کو بڑی بصیرت تھی، ان کی فقہ میں حاوی، الاقناع اور الاحکام السلطانیۃ وغیرہ کتابیں ہیں۔

5. ابو عبد اللہ محمد بن علی دامغانیؒ (متوفی 478ھ): عراق میں احناف کی مسند فقہ وفتاوی ان پر ختم ہو گئی۔

6. شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسیؒ (متوفی 483ھ): فروعی مسائل میں مجتہد تھے، بڑے متکلم، مناظر اور اصولی مجتہد تھے، قید خانہ میں پندرہ ضخیم جلدوں میں مبسوط نامی کتاب کا زبانی املا کروایا، اس کے علاوہ فقہ میں شرح السیر الکبیر اور شرح مختصر الطحاوی بھی آپ کی شاہکار تصنیفات ہیں۔

7. علی بن محمد بزدویؒ (متوفی 482ھ): انہوں نے مبسوط کے نام سے گیارہ ضخیم جلدوں میں کتاب لکھی، امام محمدؒ کی کتاب الجامع الکبیر اور الجامع الصغیر کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔

8. امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ جوینی شافعیؒ (متوفی 487ھ): فقہ، اصول فقہ اور علم کلام میں پورے مشرق والوں کے امام تھے، فقہ میں ان کی بے نظیر تصنیف "نہایۃ، المطلب فی درایۃ المذھب" ہے۔

9. حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ شافعی (متوفی 505ھ): فقہ شافعی میں "البسیط" "الوسیط" "الوجیز" اور "الخلاصۃ" کتابیں تصنیف کی ہیں، مذہب شافعی میں یہ کتابیں بڑی اہم اور فقہ وفتاوی میں بڑے استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔

10. ابو الولید محمد بن محمد بن رشد قرطبی مالکیؒ (متوفی 525ھ): اندلس اور مغرب میں اپنے وقت کے فقہ میں امام تھے، ان کی مشہور تصنیف "کتاب المقدمات" ہے۔

11. طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاریؒ حنفی (متوفی 542ھ): فتاوی کی مشہور کتاب "خلاصۃ الفتاوی" کے مصنف ہیں، فروعی مسائل میں مجتہد تھے۔

12. ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی (متوفی 587ھ): فقہ میں گہرائی وگیرائی اور مجتہدانہ شان کی وجہ سے ملک العلماء کا لقب

پایا، ان کی مشہور کتاب "بدائع الصنائع" ہے، جو ہندوستان اور مصر سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

13. فخر الدین حسن بن منصور اور جندی فرغانی حنفیؒ (متوفی 592ھ): قاضی خاں سے مشہور ہیں، فروعی مسائل میں مجتہد ہیں، فقیہ النفس اور بڑے امام ہیں، فتاوی میں ان کی کتاب "فتاوی قاضی خاں" سے مشہور ہے، اور کئی فقہ کی کتابوں کی شرحیں بھی لکھی ہیں، جن میں "شرح الجامع الصغیر" اور "شرح الزیادات" زیادہ مشہور ہیں۔

14. علی بن ابو بکر بن عبد الجلیل فرغانیؒ مرغینانی صاحب ہدایہ (متوفی 593ھ): فقہ و فتاوی میں اپنے وقت کے امام وفقیہ تھے، ہدایہ کے علاوہ "مختارات النوازل" اور "کتاب التجنیس والمزید" وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات ہیں۔

15. محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد مالکیؒ (متوفی 595ھ): ابن رشد الحفید سے مشہور ہیں، ان کی شاہکار تصنیف "بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" ہے۔

16. افتخار الدین عبد المطلب بن فضل عباسی بلخی حلبیؒ (متوفی 616ھ): ان کی شرح "الجامع الکبیر" مشہور ہے، اور یہ حلب میں فقہ حنفی کے امام سمجھے جاتے تھے۔

17. ابو القاسم عبد الکریم بن محمد قزوینی رافعی شافعیؒ (متوفی 623ھ): مسند امام شافعی کے شارح ہیں، امام غزالی کی مشہور کتاب "الوجیز" کی شرح لکھی ہے، بعض لوگوں نے اس کا نام "الشرح الکبیر" اور بعض نے "فتح العزیز" ذکر کیا ہے۔

18. محی الدین ابو زکریا یحی بن شرف نوویؒ شافعی (متوفی 676ھ): اپنے زمانہ کے بڑے محدث وفقیہ تھے، حدیث وفقہ میں مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں، ان ہی میں سے ایک کتاب "المجموع شرح المھذب" ہے، جو کافی مشہور ومقبول ہے۔

19. ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفیؒ (متوفی 710ھ): ان کو خاتم مجتہد المذہب (مذہب حنفی میں آخری مجتہد) کہا جاتا ہے، محدث، مفسر، فقیہ اور اصولی تھے، ان کی مشہور کتاب "کنز الدقائق" ہے۔

20. تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ حنبلیؒ (متوفی 728ھ): مختلف علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے، آپ کی تصنیفات بہت ہیں، فقہ میں الفتاوی الکبری، یا مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ 36 ضخیم جلدوں میں ہے۔

21. محمد بن ابی بکر شمس الدین بن قیم جوزیہؒ (751ھ 691ھ): آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے مایہ ناز شاگرد، ان کے علمی سرمایہ کے وارث اور اپنی ذات میں ایک امت کے درجہ کے حامل تھے، آپ کی تالیفات مختلف علوم میں ہیں، جن میں مشہور تصنیفات یہ ہیں: "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" اور "علام الموقعین"۔

22. ابو محمد عثمان بن علی فخر الدین زیلعی حنفیؒ (متوفی 743ھ): بڑے فقیہ تھے، "کنز الدقائق" کی شرح "تبیین الحقائق" لکھی، جو کہ مقبول ومشہور ہے اور معتمد شرح سمجھی جاتی ہے۔

23. محمد بن عبد الواحد کمال الدین ابن ہمام حنفیؒ (متوفی 761ھ): فقہ اور اصول فقہ کے امام تھے، ان کی بہت سی تصانیف ہیں، ان میں سے ایک فتح القدیر ہے جو کہ ہدایہ کی شرح ہے، شرح مکمل نہیں کر سکے، کتاب الوکالہ تک پہنچے تھے کہ زندگی وفا نہیں

کر سکی، قاضی زادہ افندی نے "نتائج الأفکار" کے نام اس کا تکملہ لکھا، یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ مطبوعہ ہیں۔

24. ابو الضیاء خلیل بن اسحاق کردی مصری مالکیؒ (متوفی 776ھ): فقہ میں مختصر ابن حاجب کی مبسوط شرح لکھی، جس کا نام "التوضیح" رکھا۔

25. محمد بن احمد بن موسی بدر الدین عینی حنفیؒ (متوفی 855ھ): بڑے محدث وفقیہ تھے، فقہ میں ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے ہدایہ کی شرح "البنایۃ" اور کنز کی شرح "رمز الحقائق" ہے۔

26. شیخ الاسلام زکریا انصاری شافعیؒ (متوفی 926ھ): فقہ اور حدیث میں ان کی تالیفات بہت ہیں، ان میں سے فقہ میں "منہاج الطلاب" اور "أسنی المطالب فی شرح روض الطالب" ہیں۔

27. ابراہیم بن محمد حلبیؒ (متوفی 956ھ): ان کی تصنیفات بہت ہیں، ان میں سے مشہور کتاب "ملتقی الابحر" ہے جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، اور بعض شرحوں کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

28. زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفیؒ (متوفی 969ھ): انہوں نے کنز کی مبسوط شرح لکھی، جس کا نام "البحر الرائق" رکھا، یہ کتاب ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر طبع ہو چکی ہے۔

29. شہاب الدین احمد بن محمد بن حجر ہیتمی شافعیؒ (متوفی 995ھ): علوم عقلیہ اور نقلیہ دونوں کے ماہر تھے، علم فقہ کے سمندر تھے، ان کی مشہور کتاب "تحفۃ المحتاج شرح المنہاج للنووی" ہے۔

30. ابو الحسن نور الدین علی اجہوری مالکیؒ (متوفی 1066ھ): ان کی فقہ میں مشہور کتاب "مواہب الجلیل فی تحریر ما حواہ مختصر الخلیل" ہے۔

31. ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن علی خرشی مالکیؒ (متوفی 1101ھ): مختلف علوم میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، اپنے زمانہ میں مذہب مالکی کے شیخ اور فقہ وفتاوی میں مرجع خلائق تھے، انہوں نے مختصر خلیل کی ایک نفیس شرح لکھی۔

32. ابو الحسن نور الدین علی بن احمد عدوی مالکیؒ (متوفی 1189ھ): مختلف کتابوں پر بڑے مفید حواشی لکھے۔

33. محمد بن علی شوکانی صنعانیؒ (1250ھ، 1173ھ): آپ پہلے زیدی مذہب پر تھے، جب کتاب وسنت پر عبور حاصل ہوا اور علم اصول فقہ اور اجتہاد واستنباط احکام کے طریقے سے آگاہ ہو گئے تو خود مجتہد بن کر ابھرے، علم کا چرچا ہوا، یہاں تک کہ یمن کے قاضی بنے اور تادم حیات اس منصب پر فائز رہے۔ آپ کی تصنیفات دو سو سے اوپر ہیں، جن میں مشہور "نیل الأوطار"، "ارشاد الفحول" اور "فتح القدیر" ہیں، ان کی فقہ کا خلاصہ ان کی کتاب "السیل الجرّار المتدفق علی حدائق الرائز ھار" میں جمع ہے، فقہ میں مختلف موضوعات پر بھی دیگر کئی رسائل ہیں، ان میں سے "رسالۃ فی الطلاق"، "طیب النشر فی المسائل العشر" اور "رسالۃ فی أسباب سجود السہود" ہیں۔

34. محمد امین بن عابدین دمشقی حنفیؒ (متوفی 1252ھ): اپنے زمانہ میں مذہب حنفی کے امام تھے، فقہ میں آپ کی مشہور

اور شاہکار کتاب "ردالمحتار علی الدر المختار" ہے، اور "رسائل ابن عابدین" کے نام سے آپ کے فقہی مقالات کا مجموعہ بھی موجود ہے۔

2.5 دور جدید میں فقہ اسلامی کے ماہرین

فقہ اسلامی کے ارتقا کے سلسلہ میں دور جدید کا نقطۂ آغاز تیرہویں صدی ہجری کے اواخر 1285ھ مطابق 1869ء کو قرار دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ خلافت عثمانیہ کے دور میں "مجلۃ الاحکام العدلیہ" کی ترتیب جب عمل میں آئی تو فقہ اسلامی کی خدمت کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا، اور ایک نئی بیداری آئی، سلطنت عثمانیہ ترکی نے وزیر انصاف کی صدارت میں اکابر فقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور انہیں حکم ہوا کہ فقہ حنفی کے مطابق دفعہ وار مجموعہ قوانین اسلام مرتب کریں، چنانچہ یہ کام 1285ھ مطابق 1869ء شروع ہوا اور 1293ھ مطابق 1876ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ "مجلۃ الاحکام العدلیہ" کے نام سے موسوم ہوا، جس میں کل دفعات (1851) ہیں، بعض مسائل کو چھوڑ کر تمام تر مسائل فقہ حنفی کے راجح اقوال پر مبنی ہیں، بعض مسائل میں احوال زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے ضعیف اقوال کو بھی قبول کیا گیا ہے۔

شیخ احمد بن عبد اللہ قاری نے حنبلی مذہب کے مطابق مجموعہ قوانین اسلام مرتب کیا، اس کا نام "مجلۃ الاحکام الشرعیۃ علی مذہب الامام احمد بن حنبلؒ" رکھا، یہ مجموعہ (2384) دفعات پر مشتمل ہے، جسٹس عبد القادر عودہ شہید نے اسلام کے فوجداری قانون کا انسانی خود ساختہ قانون سے موازنہ کرتے ہوئے "التشریع الجنائی فی الاسلام مقارنا بالقانون الوضعی" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی، اِدھر برصغیر میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن پاکستان نے "مجموعہ قوانین اسلام" کے نام سے چھ جلدوں میں ایک کتاب مرتب کی، ہندوستان میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے زیر نگرانی ہندوستانی علماء کی کمیٹی کے ذریعہ پرسنل لاء سے متعلق "مجموعہ قوانین اسلام" مرتب ہوا، جس میں (529) دفعات ہیں، جو نہایت اہم ہیں۔

1962ء میں حکومت مصر نے فقہی انسائیکلوپیڈیا کا منصوبہ بنایا، اب تک "موسوعۃ جمال عبد الناصر فی الاسلام" کے نام سے سولہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، وزارت اوقاف کویت کی طرف سے 1966ء میں "الموسوعۃ الفقہیۃ" کے منصوبہ کو منظوری ملی، پینتالیس جلدوں میں یہ کام مکمل ہوا، اس کا اردو ترجمہ بھی مکمل ہو چکا ہے، جس کی بارہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر رواس قلعہ جی کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے الف بائی ترتیب پر صحابہ و تابعین کے کئی فقہی انسائیکلوپیڈیا تیار کئے۔

اب ہم اس تمہید کے بعد دور جدید میں فقہ اسلامی کے ماہرین کے تذکرے کی طرف آتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس دور کے تمام فقہاء کا احاطہ مشکل ہے، ان میں سے بعض نمایاں شخصیات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

(1) علامہ عبد الحی لکھنوی (1264ھ - 1304ھ): آپ بڑے ذہین و فطین اور قوی الحافظہ تھے، ایک بڑے محدث ہونے کے ساتھ بڑے پایہ کے فقیہ بھی تھے، آپ کی تصنیفات (115) ہیں، جن میں اہم ترین شرح وقایہ کی شرح "السعایہ" ہے، شروح وحواشی کے علاوہ مسائل فقہ سے متعلق تقریباً چوالیس رسالے ہیں، اس کے علاوہ "نفع المفتی والسائل" بزبان عربی، "مجموعۃ الفتاوی"

بزبان فارسی اور فتاوی عبدالحی (ایک جلد) بزبان اردو ہیں، عالم اسلام کے مشہور محقق شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے آپ کی کتابوں کو اپنی خصوصی تحقیق کا موضوع بنایا اور ان کی متعدد کتابوں کو ایڈٹ کر کے شائع کیا۔

(2) مولانا سید محمد نذیر حسین (1805ء–1902ء): آپ کی اہم ترین خدمت فتاوی نذیریہ (2 جلدیں) ہے، یہ آپ کی عمر بھر کے فتاوے اور علمی مقالات کا عمدہ ترین شاہکار ہے۔

(3) نواب صدیق حسن خان (1248ھ م 1832ء- 1323ھ م 1908ء): اپنے زمانہ کے بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے، آپ کی تالیفات بہت ہیں، ان میں فقہ کے موضوع پر "البنیا ن المرصوص من بیان ایجاز الفقه المنصوص" ہے۔

(4) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (1244ھ م 1829ء- 1323ھ م 1908ء): علامہ انور شاہ کشمیری آپ کو "فقیہ النفس" کہتے تھے اور علامہ ابن عابدین شامی (صاحب ردالمحتار) پر فائق قرار دیتے تھے۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ ایک جلد میں چھ سو آٹھ (608) صفحات پر مشتمل شائع ہوا تھا، ان کے بقیہ متفرق فتاوی بھی اب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی تحقیق کے ساتھ "باقیات فتاوی رشیدیه" کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔

(5) عبدالرحمن شربینی شافعی (متوفی 1326ھ م 1908ء): اصولی، فقیہ شافعی مصری اور یگانۂ روزگار تھے، اور بڑے محقق عالم تھے، فقہ میں آپ کی کتاب "حاشية البهجة فی فقه الشافعية" ہے۔

(6) احمد بک حسینی (1332ھ م 1913ء- 1271ھ م 1854ء): مختلف علوم میں ماہر تھے، فقہ اور اصول فقہ آپ کا خاص موضوع رہا ہے، چنانچہ کتاب الام للامام الشافعی کی صرف عبادات کے باب کی شرح چوبیس جلدوں میں بنام "رشد الأنام" لکھی، اس کے علاوہ "بهجة المشتاق فی بیان حکم زکاة الأوراق" وغیرہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

(7) مولانا محمد انوار اللہ فاروقی (1264ھ - 1336ھ): محدث، فقیہ، اصولی، متکلم اور محقق تھے، حیدرآباد دکن کے سرکاری قاضی بھی ایک زمانہ تک رہ چکے ہیں، آپ کی تالیفات مختلف موضوعات پر ملتی ہیں، فقہ میں "حقیقۃ الفقہ" اور "مسئلہ ربا" ہیں۔

(8) مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ (1275ھ - 1347ھ، 1928ء) اپنے زمانہ کے بلند پایہ فقیہ تھے، دارالعلوم دیوبند کے شعبہ افتاء کی خشت اول ہیں، مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی تحریر کے مطابق کم و بیش سوا لاکھ فتاوی آپ کے قلم سے جاری ہوئے، البتہ جن فتاوی کا ریکارڈ موجود ہے وہ 37561 ہیں۔

(9) مولانا مفتی رکن الدین بن محمد قاسم (متوفی 1347ھ): حدیث و فقہ اور خاص طور پر فتوی نویسی میں بڑا ملکہ تھا، ایک ممتاز مفتی اور عظیم فقیہ سے جانے جاتے تھے، آپ کے فتاوے کا مجموعہ تین جلدوں میں فتاوی نظامیہ کے نام سے شعبہ نشر و اشاعت جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔

(10) محمد بخیت بن حسین مطیعی حنفی (1271ھ 1854ء- 1354ھ 1935ء): مصر کے ایک بڑے فقیہ اور وہاں کے سرکاری مفتی تھے، اسکندریہ کے محکمہ شرعیہ کے صدر اور مصر کے شہر اسیوط کے قاضی رہ چکے ہیں، آپ کی تالیفات بہت ہیں، جن میں

چند فقہ کے موضوع پر ہیں، ان ہی میں سے "ارشاد العباد فی الوقف علی الأولاد" اور "القول الجامع فی الطلاق"، "القول الکافی فی التصویر الفوتو غرافی" اور دیگر فتاوی ہیں۔

(11) مولانا اشرف علی تھانویؒ (1271ھ 1854ء - 1354ھ 1935ء): ہمہ جہت صلاحیتوں کے حامل تھے، مفسر، محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ایک کامیاب واعظ اور پیر طریقت تھے، برصغیر میں حکیم الامت کے لقب سے جانے جاتے ہیں، مختلف اسلامی علوم میں تقریباً ایک ہزار تصنیفات چھوڑی ہیں، ان ہی میں سے "امداد الفتاوی" (6 جلدیں) "الحیلة الناجزة" اور آپ کے علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ "بوادر النوادر" (2/ جلدیں) ہیں۔

(12) احمد ابراہیم (1291ھ م 1874ء - 1364ھ 1945ء): فقہی مذاہب کے درمیان تقابلی مطالعہ میں ممتاز تھے، آپ کی چند تالیفات ملتی ہیں، ان میں سے "أحکام الاحوال الشخصیة فِي الشریعة الاسلامیة"، "النفقات" اور "الوصایا" مشہور ہیں۔

(13) مولانا عبد الصمد رحمانی (1300ھ - 1393ھ): آپ شرعی علوم میں دسترس رکھتے تھے، فقہی مسائل اور اصولوں پر گہری نظر تھی، آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں، فقہ میں "کتاب الفسخ والتفریق"، "کتاب العشر والزکاة" اور "آداب القضاء" زیادہ مشہور و مقبول ہیں۔

(14) شیخ ابوزہرہ (1316ھ م 1897ء - 1395ھ - 1974ء): ان کا اصل کارنامہ موجودہ حالات اور ترقی پذیر دنیا میں احکام شریعت کی تطبیق اور افراد سازی ہے، آپ نے مختلف موضوعات پر لکھا ہے، فقہ کے موضوع پر "کتاب الاحوال الشخصیة" اور "احکام التركات والمیراث" قابل ذکر ہیں۔

(15) احمد عبد المجید ہریریؒ (1324ھ م 1906ء - 1404ھ 1984ء): مصر کے مفتی رہ چکے ہیں، اسی طرح موسوعہ فقہیہ کویت کی کمیٹی کے صدر بھی تھے، آپ کی زیادہ تر تصنیفات فقہ ہی کے موضوع پر ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں: "نظام الحکم فی الاسلام" "نظام القضاء فی الاسلام" اور "نظام الزکاة فی الاسلام"۔

(16) حسنین محمد حسنین مخلوف (1308ھ م 1890ء - 1410ھ م 1990ء) شرعی قاضی اور مصر کے مفتی عام تھے "هیئة کبار العلماء" اور "مجمع البحوث الاسلامیه ازہر" کے ممبر بھی رہے ہیں، آپ کی مختلف تصنیفات ہیں، ان میں سے "الرفق بالحیوان فی الشریعة الاسلامیة"، "المواریث فی الشریعة الاسلامیة" اور "فتاوی شرعیه وبحوث اسلامیه" ہیں۔

(17) عبد اللہ بن عبد الخالق المشد (1321ھ م 1903ء 1411ھ م 1990ء): بڑے فقیہ اور اصولی تھے اور مختلف فقہی کمیٹیوں کے ممبر تھے، کسی ایک فقہی مذہب پر فتوی نہیں دیتے تھے، بعض فقہی مسائل میں جمہور علماء سے ہٹ کر ان کا اپنا اجتہاد بھی ہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں سے "فی فقه الحنفیة المقارن" اور "تہذیب کتاب الهدایة فی الفقه الحنفی" ہیں۔

(18) جادالحق علی جادالحق(1335ھ م1917ء-1416ھ م1996ء): مصر کے مفتی عام اور وزیر اوقاف ہونے کے ساتھ ساتھ جامعہ ازہر مصر کے شیخ بھی تھے، حق گو اور شریعت کے معاملہ میں گرمجوش اور بے باک تھے، آپ کی تالیفات کئی ہیں، ان میں سے اہم ترین "أحكام الشريعة فی مسائل طبية للأمراض النسائية" ہے۔

(19) مفتی کفایت اللہ دہلوی(1875ء-1953ء) آپ علوم وفنون کے جامع تھے، فقہ وفتاوی میں آپ کو خاص امتیاز حاصل تھا، مفتی اعظم تھے، آپ کی اہم اور مقبول کتاب تعلیم الاسلام(4/حصے) کم عمر بچوں کے لئے ہے، اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں، ان میں زیادہ مشہور آپ کے فتاوی کا مجموعہ "کفایت المفتی"(8/جلدیں) ہے اپنے خاص، سہل مختصر اور جامع اسلوب افتاء میں ممتاز تھے۔

(20) مولانا مفتی محمد شفیع(1314ھ-1396ھ (مفتی اعظم پاکستان سے معروف ہیں، آپ کے قلم سے تقریباڈیڑھ لاکھ فتاوے جاری ہوئے ہیں، ان میں مختصر فتوی کا مجموعہ "امداد المفتيين " کے نام سے ایک جلد میں(896)صفحات پر مشتمل شائع ہوچکا ہے، اور آپ کے چوالیس فقہی رسائل کا مجموعہ جواہر الفقہ(7/جلدیں) کے نام سے مکتبہ دارالعلوم، کراچی اور دیگر مطابع سے شائع ہوا ہے۔

(21) شیخ احمد بن محمد زرقا شامی حنفیؒ(متوفی 1357ھ) اپنے زمانہ کے ایک بڑے حنفی فقیہ تھے، فتوی میں علماء اور عوام کے لئے مرجع تھے، آپ کی مشہور تصنیف "شرح القواعد الفقهية" ہے جس میں فقہی جزئیات بہت ہیں۔

(22) شیخ احمد ابراہیم حسینی مصری (متوفی 1364ھ 1945-ء): آپ اہل سنت والجماعت کے فقہی مذاہب کے علاوہ زیدیہ، امامیہ، اباضیہ اور ان مجتہدین صحابہ وتابعین کے فقہی مذاہب سے بھی آگاہ تھے جن کی پیروی کرنے والے اب دنیا میں نہیں رہے، فقیہ النفس اور اصولی تھے، انہوں نے مسلکی تعصب سے اٹھ کر فقہی تحقیقات پیش کی ہیں، ڈاکٹر عبدالفتاح ابوغدہ کا بیان ہے کہ شیخ احمد ابراہیم کی چھوٹی بڑی کتابیں ملاکر(30) سے اوپر ہوتی ہیں، ان میں مشہور ومقبول یہ ہیں: "أحكام الأحوال الشخصية فی الشريعة الاسلامية" اور "أحكام الوقف والمواريث"۔

(23) محمد بن حسن حجوی(متوفی:1367ھ 1291-ھ): مغرب اقصی کے امام وفقیہ اور اصولی تھے، آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی تعداد(99) تک پہنچتی ہے، جن میں سب سے زیادہ اہم اور مقبول کتاب "الفكر السامي فی تاريخ الفقه الاسلامی" چار جلدوں میں ہے اور فقہ کے موضوع پر دوسری اور کتابیں بھی ہیں۔

(24) عیسی بن یوسف بن احمد مَنُّون مقدسی شافعی(1376ھ 1306-ھ م1889ء): فقیہ اصولی تھے، آپ کی کل آٹھ تصنیفات ہیں ان میں "رسالة فی مناسک الحج" "رسالة فی حكم قتل المرتد" اور "تكملة المجموع شرح المهذب" ہے جو مکمل نہیں ہوسکی۔

(25) ابوالوفاء سید محمود شاہ بن مبارک حنفی افغانیؒ(1395ھ 1310-ھ): بڑے محدث، فقیہ اور محقق تھے، کہا جاتا ہے

کہ دکن میں مذہب حنفی کی مسند ان پر ختم ہو گئی، انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ "مجلس احیاء المعارف النعمانیة" حیدرآباد دکن میں قائم کی، جہاں سے فقہ حنفی کی بہت ساری کتابیں تحقیق کے بعد شائع ہوئیں، خود ان کی تحقیق وحواشی کے ساتھ کئی کتابیں یہاں سے طبع ہوئیں، ان ہی میں سے چند یہ ہیں: "کتاب الأصل للامام محمد"، "کتاب الجامع الکبیرللاما م محمد"، "کتاب اختلاف أبی حنیفة وابن أبی لیلی"، "مختصر الطحاوی فِی فقه الحنفیة"، "کتاب النفقات للخصاف" اور "شرح الزیادات للسرخسی"۔

(26) مولانا محمود حسن گنگوہیؒ(1417ھ 1325-ھ): آپ نے اپنے قلم سے کوئی کتاب نہیں لکھی، آپ کے اہل مجلس علماء نے آپ کے نتائج افکار، خلاصہ تحقیقات، رسائل، خطوط، ملفوظات اور فتاوی کی ترتیب کا کام انجام دیا؛ چنانچہ آپ کے فتاوی کا مجموعہ 18/ جلدوں میں شائع ہوا، تمام جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد سات ہزار سات سو تیرہ ہے۔

(27) شیخ مصطفی احمد زرقاء حنفی(1907ء-1999ء): وہ بے مثال فقیہ اور یگانۂ روزگار تھے، حقیقت میں وہ بیسویں صدی عیسوی میں فقہ اسلامی اور اصول فقہ کے ایک اہم ستون تھے، آپ نے "الموسوعة الفقهية" یعنی فقہی انسائیکلوپیڈیا کویت کا منصوبہ پیش کیا اور آپ کی تحریک ونگرانی میں کام شروع ہوا، آپ کی اہم ترین تصنیفات یہ ہیں: "الفقه الاسلامی فِی ثوبه الجدید"، "أحکام الأوقاف" "عقد التامین وموقف الشریعة منه"، "المدخل الفقهِی العام" اور "المدخل فِی القوانین المدنیة"۔

(28) مفتی نظام الدین اعظمی(1328ھ 1910-ء-1420ھ م2000ء): آپ اختراعی ذہن کے حامل تھے، فقہ میں نئے مسائل حل کرنے کا اچھا ملکہ تھا، اس پر آپ کے فتاوے شاہد ہیں، آپ کے بعض اہم فتاوی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے" منتخب نظام الفتاوی" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں، آپ کے فتادی مختلف فقہی ابواب میں تقسیم کرکے دیوبند سے بھی 7-6 جلدوں میں شائع ہوئے ہیں، اس کا نام بھی نظام الفتاوی ہے، اس کے علاوہ مزید حدیث وفقہ اور نحو وصرف پر بھی آپ کی کتابیں ہیں۔

(29) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی(1937ء-2002ء): اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پایاں فقہی بصیرت عطا فرمائی تھی، جو فقہ وفتاوی میں آپ کی کئی جہتوں سے خدمات ہیں، ان میں ایک اسلام کے عدالتی قوانین سے متعلق آپ کی تصنیف "اسلامی عدالت" ہے جو (740) دفعات پر مشتمل ہے، آپ کے فتاوی کا مجموعہ "فتاوی قاضی" کے نام سے ایک جلد میں طبع ہو چکا ہے، فضاء کے موضوع پر قاضی محمد بن اسماعیل اشفور قانی کی کتاب، "صنوان القضاء و عنوان الافتاء" پر آپ نے تحقیقی کام کیا، جو تحقیق کے بعد 4 جلدوں میں کویت سے شائع ہوئی۔

مذکورہ بالا اکابر فقہاء کے علاوہ اور بھی فقہاء ہیں جن میں سے بعض دنیا سے جا چکے ہیں اور بعض بقید حیات ہیں، ان میں قابل ذکر لوگ یہ ہیں:

اسلامی فقہ (3/ جلدیں) کے مصنف مولانا مجیب اللہ ندویؒ، فتاوی رحیمیہ(10/ جلدیں) کے مصنف مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ، احسن الفتاوی(8/ جلدیں) کے مصنف مفتی رشید احمد (پاکستان)، فتاوی رضویہ اور دیگر کتابوں کے مصنفمولانا احمد رضا خان بریلوی، فتاوی امارت شرعیہ (2/ جلدیں) کے مصنفین مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مفتی محمد عباس پھلواروی اور دیگر مفتیان، فتاوی مظاہر

علوم کے مصنف مولانا خلیل احمد سہارنپوری، آپ کے مسائل اور ان کا حل (9/ جلدیں) کے مصنف مولانا یوسف لدھیانوی، احکام ومسائل (2/ جلدیں) کے مصنف سید احمد قادری، علم الفقہ کے مصنف مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، فتاوی ندوۃ العلماء کے مصنفین مولانا مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا ناصر علی اور مولانا نیاز احمد ندوی، نامور اور فقیہ اور ماہر معاشیات مولانا محمد تقی عثمانی، شام کے نامور فقیہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، شام ہی کے مشہور فقیہ اور درجنوں فقہی انسائیکلوپیڈیا کے مصنف ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، عالم عرب کے مشہور فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوطی، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، ڈاکٹر عبدالمحسن ترکی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور القواعد الفقهيه کے مصنف ڈاکٹر علی احمد ندوی۔

2.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے۔

- تمام صحابہ کرام فتوی نہیں دیتے تھے، فتویٰ دینے دینے کے اعتبار سے صحابہ کے مختلف درجے ہیں، مکثرین، متوسطین اور مقلین ہیں، مکثرین میں سر فہرست حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ ہیں، متوسطین میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ، اور مقلین میں حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت ابو درداءؓ وغیرہ ہیں۔
- فقہاء صحابہ میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ ہیں، فقہاء تابعین میں سعید بن مسیبؒ، نافعؒ، علقمہؒ، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، عطا بن ابی رباحؒ، اور محمد بن سیرینؒ زیادہ مشہور ہیں۔
- تیسری صدی ہجری میں ظاہری مسلک کا ظہور ہوا، جس کے بانی امام داؤد بن علی متوفی 270ھ تھے، انہوں نے قیاس کا انکار کیا اور ظاہری قرآن پر عمل کرنے کو ترجیح دی۔
- جہاں تک دور وسطی کے مجتہدین وفقہاء کی بات ہے تو اس دور میں ان کی بڑی تعداد ہے، تاہم ان میں نامور شخصیات یہ ہیں: قاضی عبدالوہاب مالکی، ابوالحسن احمد بن محمد قدوری، شمس الائمہ حلوانی، ابوالحسن علی بن محمد ماوردی، ابوعبداللہ علی دامغانی، شمس الائمہ سرخسی، علی بن محمد بزدوی، امام الحرمین جوینی، امام غزالی وغیرہ۔

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. علماء نے صحابہ سے منقول فتاوی کی تعداد کے لحاظ سے صحابہ کی کتنی قسمیں کی ہیں۔

(a). تین (b). پانچ (c). آٹھ (d). ایک

2. ابولؤلؤ کس کا غلام تھا؟

(a). حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (b). حضرت عمرؓ (c). حضرت ابو بکرؓ (d). حضرت عثمانؓ

3. حضرت عمرؓ نے کس کو کوفہ کا معلم اور وزیر بنا کر بھیجا۔

(a). حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (b). حضرت ابو بکرؓ (c). حضرت زید بن ثابتؓ (d). امام ابو حنیفہؒ

4. حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات کس کے عہد میں ہوئی؟

(a). عہد عثمانی (b). عہد صدیقی (c). عہد فاروقی (d). تمام غلط

5. کس صحابی رسول نے صرف سترہ روز میں سریانی زبان سیکھی؟

(a). حضرت زید بن ثابتؓ (b). امام ابو حنیفہؒ (c). امام شافعیؒ (d). تمام غلط

2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فقہی مرکز کوفہ پر نوٹ لکھیے۔
2. فقہی مرکز مدینہ منورہ پر روشنی ڈالیے۔
3. مکہ اور بصرہ کے مراکز کا جائزہ لیجیے۔
4. مصر اور یمن مراکز پر اپنی معلومات قلمبند کیجیے۔
5. دور جدید میں فقہ کے تین ماہرین کا تعارف پیش کیجیے۔

2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. صغار صحابہ و تابعین کے عہد میں فقہ پر تفصیل سے مضمون لکھیے۔
2. دور وسطی کے مجتہدین و فقہاء پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
3. دور جدید میں فقہ کے آٹھ ماہرین کا جائزہ لیجیے۔

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
4. برصغیر میں علم فقہ : محمد اسحاق بھٹی
5. فتاوی دارالعلوم دیوبند (مقدمہ) : مرتب: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
6. فقہ اسلامی، اصول، خدمات اور تقاضے ترتیب: مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اکائی 3: فقہ کے بنیادی مصادر کا اجمالی تعارف

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر کا تعارف

3.3 کتاب اللہ کی تعریف

3.4 سنت رسول اللہ ﷺ

3.5 اجماع کا مفہوم

3.6 قیاس

3.7 اکتسابی نتائج

3.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

3.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

3.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

اس اکائی میں ہم فقہ کے بنیادی مصادر: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کے بارے میں پڑھیں گے، ان چاروں مصادر کی لغوی اور اصطلاحی تعریفیں کی جائیں گی، پھر مختلف دلائل سے ثابت کیا جائے گا کہ وہ فقہ کے بنیادی مصادر کیسے ہیں، ان کی مثالیں بھی ذکر کی جائیں گی، پھر قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط کے مناہج اور طریقے پر روشنی ڈالی جائے گی۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ وطالبات یہ جان سکیں کہ فقہ اسلامی کا بنیادی سرچشمہ اور مصدر قرآن وحدیث ہے اور فقہ، قرآن وحدیث سے ماخوذ احکام ومسائل کا نام ہے۔ اسی طرح اس اکائی سے یہ بھی واقفیت ہوگی کہ اجماع اور قیاس کی تعریف کیا ہے اور اجماع اور قیاس کے شرائط کیا ہیں، اور ان مصادر سے کس طرح مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

3.2 فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر کا تعارف

فقہ اسلامی کے چار بنیادی مصادر ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔ ان چاروں مصادر میں سے اولین مصدر کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے۔ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اب ہم ان چاروں مصادر کا تعارف پیش کرتے ہیں:

کتاب اللہ یعنی قرآن کریم شریعت اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے، اور اسلامی نقطہ نظر سے قران کریم انسانی زندگی کے لئے مکمل ترین دستور حیات ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے مسائل کا حل بیان کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" (انعام:38)، (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی،) دوسری جگہ ارشاد ہے: "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" (نحل:89)، (ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے)۔

امام شافعی فرماتے ہیں: "ليست تنزل بأحد من أهل دين الله نازلة إلا وفي كتاب الله الدليل على سبيل الهدى فيها" (الرسالۃ، (تحقیق: احمد) یعنی اللہ کے دین والوں کو کوئی بھی مسئلہ پیش آتا ہے، تو اس کی رہنمائی اللہ کی کتاب میں موجود ہوتی ہے جس سے وہ رہنمائی حاصل کر لیتا ہے۔

نیز قرآن کریم محفوظ ترین کتاب ہے، جس کے حرکات وسکنات تک محفوظ ہیں اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (حجر:9)، (ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ" (فصلت: 42)، (جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ نازل کردہ ہے حکمتوں والے اور خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے)۔

قرآن کا اہم مقصد لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور ضلالت وگمراہی سے ہدایت کی طرف بلانا ہے اور لوگوں کے عقائد واعمال کی درستگی کے ساتھ ساتھ اچھی اور پاکیزہ چیزوں کا حکم دینا ہے اور گندی چیزوں اور بے حیائی سے روکنا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ" (آل عمران:۱۳۸) (یہ تمام انسانوں کے لیے وضاحت اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "يَأْمُرُهم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ" (جزء:8، اعراف:157)، ((وہ رسول) نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں)۔

3.3 کتاب اللہ کی تعریف

کتاب اللہ سے مراد وہ کتاب ہے، جو عربی زبان میں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی جانب سے نازل ہوئی ہیں وہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے، جو سورہ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور سورہ ناس پر ختم ہوتی ہے۔

اس تعریف سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1۔ پچھلے انبیاء کی کتابیں قرآن نہیں کہلائیں گی، کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ پر نازل نہیں ہوئی ہیں، نہ وہ عربی زبان میں ہیں اور نہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی ہیں۔

2۔ حدیث بھی کتاب اللہ میں داخل نہیں ہوگی، اس لئے کہ حدیث میں الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں اور معانی اللہ کی جانب سے۔

3۔ قرآن کریم کے ترجمہ کو بھی قرآن نہیں کہیں گے، اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے۔

قرآن کریم کے مضامین:

قرآن کریم میں جو مضامین مذکور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان مضامین کو پانچ عناوین کے تحت جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

1۔ تذکیر باحکام اللہ: یعنی اللہ تعالی کے احکام کو یاد دلانا۔

اس کے تحت عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاست سے متعلق قرآن کے احکام آتے ہیں۔

2۔ مخاصمہ: اس سے مراد بین المذاہب مکالمہ ہے، یعنی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مکالمہ اور ڈائیلاگ کا منہج اور طریقہ کار کیا ہو۔

3۔ تذکیر بآلاء اللہ: یعنی بندوں پر اللہ تعالی کے جو انعامات اور احسانات ہیں، ان کی یاددہانی۔

4۔ تذکیر بایام اللہ: یعنی ماضی میں جو حوادث وواقعات ہوئے ہیں اور مختلف قوموں کے ساتھ جو نشیب وفراز آئے ہیں ان کے قصص وحکایات کے ذریعہ تذکیر۔

5۔ تذکیر بالموت ومابعد الموت: یعنی موت اور موت کے بعد کے واقعات کے ذریعہ تذکیر اور یاددہانی۔

قرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ کے ذکر کے بعد اب ہم قرآن کریم میں جو احکام سے متعلق آیتیں ہیں ان سے متعلق ضروری

تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔

آیات احکام کا تعارف :

احکام "حکم" کی جمع ہے، حکم کے معنی لغت میں علم و فہم اور فیصلہ کرنے کے آتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں حکم وہ ہے جس سے انسان کے اعمال کا وہ وصف متعین ہو، جس کو شریعت نے بیان کیا ہے۔ مثلاً کسی عمل کو واجب و فرض یا حرام و مکروہ قرار دینا۔

ابوزہرہ نے ابن الحاجب کے حوالہ سے حکم کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی ہے:

الحكم بأنه خطاب الشارع المتعلق بأفعال المكلفين بالاقتضاء أو التخيير أو الوضع۔

(حکم شارع کا وہ خطاب ہے جو مکلف کے افعال سے متعلق ہو، خواہ طلب ہو، یا اختیار ہو یا کسی چیز کے لیے شرط کے طور پر ہو)۔

آیات احکام اور ان کے اقسام:

قرآن میں جو احکام کی آیات ہیں بنیادی طور پر انہیں چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ عبادات: یعنی وہ آیات احکام جن میں صرف اللہ تعالی کے حقوق بیان کئے گئے ہیں، ان کو مختصر الفاظ میں عبادات کہا جاسکتا ہے، اس میں طہارت، نماز، زکاۃ، روزہ، قربانی حج اور نذر کے احکام داخل ہیں، ان چیزوں سے متعلق بنیادی ہدایات قرآن میں موجود ہیں۔

2۔ معاملات: یعنی قرآن کریم کی وہ آیات جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں، ان کو ہم معاملات سے تعبیر کرسکتے ہیں، مثلاً تجارت، وغیرہ سے متعلق احکام۔

3۔ وہ احکام، جن میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور معاملات کا بھی مثلاً نکاح و طلاق، حدود و تعزیرات، قصاص وغیرہ سے متعلق احکام کی آیات۔

4۔ تدبیر مدن: وہ احکام جو حکومتوں کے نظم و نسق سے متعلق ہیں۔

آیات احکام کی تعداد:

قرآن کریم میں آیات احکام کی تعداد کتنی ہے، اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے:

1۔ علامہ ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ آیات احکام کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔

2۔ نواب صدیق حسن خاں کی رائے یہ ہے کہ آیات احکام کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔

3۔ امام غزالی اور امام رازی کی رائے یہ ہے کہ آیات احکام کی تعداد پانچ سو ہے۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں: آیات احکام کی تعداد پانچ سو ہے، امام غزالی اور امام رازی کی رائے بھی یہی ہے۔

4۔ علامہ ابن العربی، عزبن عبد السلام اور امام شوکانی وغیرہم کا خیال یہ ہے کہ اگر آیات کا صحیح سے تتبع کیا جائے تو احکام کی آیتیں پانچ سو سے بہت زیادہ ہوں گی۔

ابن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں جن آیتوں سے احکام کا استنباط کیا ہے، ان کی تعداد آٹھ سو چوسٹھ (۸٦۴) ہے۔

ائمہ کرام کے درمیان اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جن حضرات نے آیات احکام سے مراد صرف ان آیات کو لیا ہے، جن سے اصولی احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان کے نزدیک آیات احکام کی تعداد انتہائی کم ہو گئی ہے اور جن حضرات نے اصولی احکام کے ساتھ ان آیات کو بھی شامل کیا ہے، جن میں احکام کا صراحۃً ذکر ہے تو ان کے نزدیک اس کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے، علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: "ولعل مرادہم المصرح به"۔ (شاید ان کی مراد صریح آیتیں ہیں) اور جن لوگوں نے صریح آیتوں کے ساتھ قصص وامثال، وعظ وتذکیر ہر قسم کی آیتوں سے مسائل کا استنباط کیا ہے، ان کے نزدیک آیات احکام کی تعداد کافی زیادہ ہو جاتی ہیں۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: "لا يغتر بما يزعمه، بعض اہل العلم من أنه يكفى الاطلاع على تفسير آيات مخصوصة مسميا لها بآيات الأحكام، فإن القرآن جميعه - حتى قصصه وأمثاله لا يخلو من فوائد متعلقة بالأحكام الشرعيه ولطائف لا يأتى الحصر عليها، لها مدخل فى الدين"۔

(اہل علم میں سے جن حضرات نے کچھ مخصوص آیتوں کی تفسیر پر مطلع ہونے کو کافی قرار دیا ہے، جس کو آیات احکام کا نام دیا ہے، اس سے دھوکہ میں آنا مناسب نہیں ہے، یہ دراصل لوگوں کی ذہانت وفطانت پر مبنی ہے کہ وہ کس طرح آیتوں سے مسائل کا استنباط واستخراج کرتے ہیں۔ اس لیے کہ پورا قرآن حتی کہ قرآن میں مذکور قصے اور مثالیں بھی شرعی احکام سے خالی نہیں ہے)۔

شیخ عبد الوہاب خلاف نے عبادات کے علاوہ دیگر شعبہائے زندگی سے متعلق آیات احکام کی تعداد اس طرح لکھی ہے:

احوال شخصیہ یعنی فیملی لاز کے بارے میں ستر آیات ہیں — قانون شہریت سے متعلق ستر آیات ہیں

احکام جرم وسزا، جیسے فوجداری قانون سے متعلق تیس آیات — عدالتی نظام یعنی قانون مرافعات سے متعلق تیرہ آیات ہیں

دستوری قوانین یعنی حکومت اور رعایا سے متعلق دس آیات — اقتصادی قوانین یعنی مالی احکام سے متعلق دس آیات

بین الاقوامی تعلقات سے متعلق پچیس آیات

آیات احکام کا اسلوب:

قرآن مجید میں جو احکام کی آیتیں ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے لیے درج ذیل اسلوب کو اختیار کیا ہے:

1۔ اللہ تعالیٰ نے "امر" کا لفظ کا استعمال کیا ہے: جیسے: "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِىْ الْقُرْبَىٰ" (سورہ نحل: 90)۔ (اللہ انصاف اور بھلائی اور قرابت والوں کو دینے کا حکم فرماتا ہے)۔

2۔ اللہ تعالی نے "امر" کا صیغہ استعمال کیا ہے، جیسے: "وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً" (بنی اسرائیل:34)۔ (اور پورا کرو عہد کو، بے شک عہد کی پوچھ ہو گی)

3۔ کہیں کسی کام کے فرض ہونے کے بارے میں اللہ تعالی نے خبر دیا ہے: جیسے "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى" (بقرہ:178) (اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے)۔

4۔ اللہ تعالی نے کسی کام کے خیر اور نیکی ہونے کی اطلاع دی ہے، جیسے: "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلاَحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ" (بقرہ:220) (آپ سے یتیموں کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے ان کے کام کو سنوارنا نیکی کا کام ہے)۔

5۔ کسی فعل کو شرط کی جزا کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے جیسے: "وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ"۔ (بقرہ:280) (اور اگر (کوئی مقروض) تنگ دست ہو تو آسانی پیدا ہونے تک گنجائش دینی چاہیے)۔

6۔ اللہ تعالی نے کسی کام پر ثواب یا اچھے جزا کا وعدہ کیا ہے: جیسے "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ همْ فِي صَلاَتِهِمْ خَاشِعُونَ" (مومنون:1)۔ (کامیاب ہو گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں)۔

اسی طرح کسی چیز سے روکنے اور منع کرنے کے لیے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں درج ذیل اسلوب اختیار کیا ہے:

1۔ اللہ تعالی نے تحریم کا لفظ استعمال کیا ہے: جیسے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" (مائدہ:3)۔ (تمہارے اوپر مردار حرام کیا گیا ہے)۔

2۔ نہی کا لفظ استعمال کیا ہے، جیسے: "وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ" (نحل:90)۔ (بے حیائی اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے)۔

3۔ نہی کا صیغہ استعمال کیا ہے جیسے: "وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (بقرہ:195)۔ (اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

4۔ کسی کام کے ترک کرنے اور چھوڑنے کے لئے امر کا صیغہ استعمال کیا ہے، جیسے: "وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا" (بقرہ:278)۔ (اور چھوڑ دو جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے)۔

3.4 سنت رسول اللہ ﷺ

فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی مصدر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

سنت کا لغوی مفہوم: لغت میں سنت کے معنی طریقہ، ضابطہ اور عادت وغیرہ کے ہیں۔

فقہ کی اصطلاح میں "سنت" کا اطلاق اس حکم پر ہوتا ہے، جو فرض یا واجب کے مقابلہ میں ہو۔

محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریر کو کہتے ہیں۔

اقوال سے مراد آپ ﷺ کے ارشادات ہیں، جیسے آپ نے ارشاد فرمایا: "انما الاعمال بالنیات" عمل کا دارومدار نیت پر ہے ،یعنی انسانوں کے اعمال پر ثواب یا گناہ نیتوں کے لحاظ سے مرتب ہو گا۔

افعال سے مراد وہ اعمال ہیں، جن کو آپ ﷺ نے اپنے ارادہ و اختیار سے انجام دیا ہو، جیسے جب آپ قمیص پہنتے تو دائیں طرف سے پہنتے۔ آپ بیٹھ کر پانی پیتے، بیٹھ کر پیشاب کرتے وغیرہ۔

اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ کسی صحابی نے کوئی بات کہی ہو، یا کوئی عمل کیا ہو اور آپ ﷺ کے علم میں وہ آیا ہو اور آپ نے اس پر نکیر نہ کی ہو، بلکہ اس پر خاموشی اختیار کی ہو، مثلاً حضرت عمرو بن العاص کو ایک موقع پر جب کہ شدید ٹھنڈک تھی، غسل کی ضرورت پیش آگئی، تو انہوں نے غسل کے بجائے تیمم کر لیا، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی، آپ مسکرائے اور خاموش رہے۔ گویا آپ نے اس کو صحیح قرار دیا۔

نبی ﷺ کی سنت اسلامی احکام کے ثبوت کے لئے دوسرا مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

سنت کے بنیادی مصدر ہونے کے دلائل:

سنت کے بنیادی مصدر ہونے کا ثبوت قرآن کریم کے درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

1۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (نساء:80) (جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔ اس آیت میں رسول کی اطاعت کو اللہ تعالی نے اپنی عین اطاعت قرار دیا ہے۔

2۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ (نساء:59) (اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے علما و حکام کی اطاعت کرو)۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے مستقل طور پر رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے

دوسرے دلائل وہ آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ در حقیقت اللہ کی جانب سے القا ہوتا تھا، مثلاً اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (نجم:3.4) (نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کرتے ہیں، یہ تو وحی ہے، جو ان پر اتاری جاتی ہے)

3۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر:7) (اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رک جایا کرو)

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" (مائدہ:67) (اے پیغمبر! آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب آپ پر اتاری گئی ہے، اسے پہنچاتے رہئے، اگر آپ نے یہ نہیں کیا تو آپ نے پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا)۔

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جو کچھ لوگوں تک پہنچایا خواہ وہ قرآن کی شکل میں ہو یا سنت کی شکل میں وہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔

اور ان تمام آیتوں کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ سنت رسول اللہ کی اتباع اور اس کی اطاعت و فرماں برداری واجب ہے۔

سنت کے اقسام:

سند کے لحاظ سے سنت کی تین قسمیں ہیں: 1۔ متواتر 2۔ مشہور 3۔ خبر آحاد

متواتر: متواتر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے لے کر کتاب میں لکھے جانے تک ہر زمانے میں روایت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان لوگوں کا اس روایت کے سلسلہ میں جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃ ممکن نہ ہو۔

تواتر کی دو قسمیں ہیں: 1۔ تواتر لفظی 2۔ تواتر معنوی

تواتر لفظی یہ کہ متن حدیث کو ہر زمانے میں اتنے لوگ روایت کریں، جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃ ممکن نہ ہو، جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ حدیث متواتر لفظی ہے، اس حدیث کو 98 صحابہ نے نقل کیا ہے۔

تواتر معنوی: یہ ہے کہ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حدیث کے کسی مضمون کو ہر زمانے میں اتنے لوگ روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃ ممکن نہ ہو، جیسے، نماز کے رکعتوں کی تعداد، نصاب زکاۃ، حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا ختم ہو جانا، وغیرہ

متواتر حدیثوں کا ثبوت قطعی اور یقینی ہوتا ہے، اس سے علم یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور متواتر حدیثوں کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ الا یہ کہ کوئی مناسب تاویل کرنے والا ہو۔

مشہور: وہ حدیث ہے، جس کو حضور ﷺ سے ایک یا دو صحابی نے روایت کی ہو، یا کسی صحابی سے ایک یا دو شخص نے روایت کی ہو، لیکن اس کے بعد اس حدیث کو اتنے لوگ روایت کریں، کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔ مثلاً انما الاعمال بالنيات (اعمال کا دارومدار نیت پر ہے) اس حدیث کو حضور ﷺ سے صرف حضرت عمر نے نقل کیا ہے اور حضرت عمر سے صرف حضرت علقمہ نے نقل کیا ہے، لیکن حضرت علقمہ سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔

حدیث مشہور کا حکم: مشہور حدیث سے علم طمانینت کا حصول ہوتا ہے، یعنی اس حدیث کے صحیح ہونے پر دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور حدیث مشہور سے قران کریم کے عمومی حکم کو خاص کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مطلق حکم میں کوئی قید لگائی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم نے وصیت کے مسئلہ میں ایک مطلق حکم ذکر کیا ہے، من بعد وصية يوصى بها او دين (اس نے جو وصیت کی ہو، اس کو پورا کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی جتنے مال میں چاہے وصیت کر سکتا ہے، لیکن حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فالثلث والثلث كثير" (ایک تہائی اور ایک تہائی زیادہ ہے) اس حدیث میں حضور ﷺ

نے وصیت کے زیادہ سے زیادہ مقدار کو ایک تہائی (ثلث) کے ساتھ مقید کر دیا ہے، لہذا قرآن کریم کے مذکورہ مطلق حکم کو اس حدیث سے مقید کر دیا گیا ہے، اور زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کی وصیت کی اجازت ہو گی۔

خبر واحد: خبر واحد ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کو حضور اکرم ﷺ سے ایک یا دو شخص نقل کرے، لیکن ہر دور میں اتنے لوگ روایت نہ کریں، جن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عادۃ ممکن نہ ہو۔ (دوسرے الفاظ میں: اس حدیث میں حدیث مشہور کے شرائط نہ پائے جائیں)۔

اکثر حدیثیں خبر واحد ہی ہیں۔

خبر واحد کی مثال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك"۔ (اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو مسواک کا حکم دیتا)۔

خبر واحد کا حکم: خبر واحد سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، علم قطعی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے، یعنی اگر وہ حدیث کسی مسئلہ کے وجوب سے متعلق ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہو گا اور اگر وہ خبر واحد کسی عمل کے استحباب سے متعلق ہو تو اس پر عمل کرنا مستحب ہو گا۔

البتہ خبر واحد سے عقیدے کے مسئلے ثابت نہیں ہوں گے، اس لئے کہ اعتقادی مسائل کے ثبوت کے لئے علم قطعی و یقینی کی ضرورت ہے۔

خبر واحد کے شرائط:

ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں صحیح حدیث کے شرائط پائے جائیں، نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک راوی کے ثقہ اور عادل ہونے کے علاوہ یہ بھی شرط ہے کہ اس راوی کا عمل اس روایت کے خلاف نہ ہو۔ امام مالک نے خبر واحد کو قبول کرنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ خبر واحد اہل مدینہ کے عمل کے مخالف نہ ہو۔

قرآن کریم کا ہر ہر حرف قطعی السند اور متواتر ہے، البتہ قرآن کریم کے الفاظ کی دلالت اپنے معانی پر کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی اور حدیث سے اس کے معنی کو قطعیت حاصل ہوتی ہے۔

دلالت قطعیہ کی تعریف: دلالت قطعیہ یہ ہے کہ اس کلام کی ایک ہی معنی مراد متعین ہو دوسرے معنی کا احتمال اور گنجائش نہ ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (نساء: 11)۔ (اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے، تمہاری اولاد کے بارے میں لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصے ہیں)۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی کے مقابلہ دوگنا ہے، اس کلام کی دلالت اپنے معنی پر قطعی ہے۔

دلالت ظنیہ کی تعریف: دلالت ظنیہ یہ ہے کہ کلام میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو۔

مثلاً اللہ کا ارشاد ہے: "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ" (بقرہ: 228)۔ (اور جن عورتوں کو طلاق دے

دی گئی ہے،وہ تین قروتک رکی رہیں)۔

اس آیت میں "قروء" کا اپنے معنی پر دلالت ظنی ہے، کیونکہ قروء سے مراد حیض بھی ہو سکتا ہے اور طہر بھی۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے قروء سے مراد حیض لیا ہے، جبکہ امام شافعی نے اس سے مراد طہر لیا ہے۔

قرآن کریم کے عمومی حکم کو خاص کرنے کی مثال یہ ہے کہ میراث کے سلسلہ میں اللہ تعالی نے عمومی حکم دیا ہے: **یوصیکم اللہ فی اولادکم** (اللہ تم لوگوں کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے) اس آیت کے عمومی حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اولاد کو میراث میں حصہ ملے گا، لیکن میراث کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: القاتل لایرث یعنی قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں ہو گا، لہذا اگر کسی لڑکے نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے، تو اس کے مال میں اس قاتل لڑکے کو حصہ نہیں ملے گا، اور وہ وارث نہیں ہو گا۔ چنانچہ حدیث سے قرآن کریم کے مذکورہ بالا آیت کے عموم کو خاص کر دیا گیا۔

احکام کے استنباط کے مناہج:

قرآن کریم عربی زبان میں ہے، اس لیے قرآن کریم سے مسائل واحکام کو مستنبط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان کے قواعد، اسلوب بیان، طرز تعبیر، لفظ کا اپنے معنی ومفہوم پر دلالت وغیرہ سے واقفیت بھی ہو، تاکہ متکلم کے کلام کو کماحقہ سمجھا جاسکے، اور اس سے احکام ومسائل کو اخذ کیا جاسکے۔ چونکہ یہ قواعد عربی زبان وادب کے اسالیب، طرز تعبیر، الفاظ کی ساخت اور الفاظ کے اپنے معنی ومفہوم پر دلالت وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ان قواعد کو عربی زبان کے ماہرین نے بنیادی طور پر چار قسموں میں تقسیم کیا ہے:

1۔ وضع کے اعتبار سے　　2۔ اپنے معنی میں استعمال کے اعتبار سے

3۔ معنی کے ظہور ووضاحت کے اعتبار سے　　4۔ الفاظ کے معنی پر دلالت کے اعتبار سے

لفظ وضع کے اعتبار سے: لفظ کس قسم کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس اعتبار سے اس کی چار قسمیں ہیں:

1۔ عام، 2۔ خاص، 3۔ مشترک، 4۔ مؤول۔

1۔ عام: عام کا مفہوم: عام وہ لفظ ہے جو کثیر اور غیر محدود افراد کو بہ طور استغراق شامل ہونے کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے "الرجال" یعنی دنیا کے تمام مرد۔

عام کا حکم: عام کے حکم کے سلسلہ میں حنفیہ وشافعیہ کی رائیں مختلف ہیں:

حنفیہ کے نزدیک عام کا حکم: حنفیہ کے نزدیک عام اپنے تمام افراد پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے، اور کسی بیان کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**" (بقرہ:234)۔ (تم میں سے جس کی وفات ہو جائے اور وہ بیوی چھوڑے، تو وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں چار مہینہ دس دن)۔ اس آیت کے اندر بیوہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں گی، تو یہ حکم تمام بیوہ عورتوں کے لیے ہو گا، خواہ اس کے ساتھ شوہر نے

صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، بہر حال اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

شافعیہ کے نزدیک عام کا حکم: شافعیہ کے نزدیک عام کی دلالت اپنے افراد پر ظنی ہے، قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ جتنے بھی عام ہیں، اس کے حکم سے کچھ افراد کو خاص کیا ہی جاتا ہے، "ما من عام إلا وخصص" لہٰذا عام کی دلالت اپنے افراد پر ظنی ہو گی۔

شافعیہ وحنفیہ کے اس اختلاف کا اثر اس صورت میں ظاہر ہو گا، جب قرآن کریم میں کوئی حکم عام ہو اور کوئی ایسی حدیث جو خبر واحد ہو، اس کے معارض ہو، تو حنفیہ کے نزدیک عام کے حکم کو خبر واحد کے ذریعہ خاص کرنا جائز نہیں ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک عام کی دلالت چونکہ اپنے افراد پر ظنی ہوتی ہے، اس لیے خبر واحد کے ذریعہ اس کے بعض افراد کو خاص کر لینا درست ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ" (انعام: 121)۔ (ان جانوروں کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، یہ گناہ کا کام ہے)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ تمام جانور جن کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، ان کا کھانا حرام ہے، خواہ ان کو ذبح کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو، جب کہ حضورؐ کا ارشاد ہے: "المسلم يكفيه إسمه" (مسلمان کا نام ہی کافی ہے) یعنی اگر مسلمان جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو کھانا درست ہے۔ شافعیہ مذکورہ آیت کے عموم کو اس حدیث کی وجہ سے خاص کرتے ہیں، لہٰذا شافعیہ کے نزدیک اگر مسلمان اللہ کا نام نہ لے تو بھی ذبیحہ کا کھانا جائز ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک کھانا حرام ہے۔

2۔ خاص: خاص وہ ہے جو ایک یا ایسے کثیر شی پر دلالت کرے جو محدود ہو، جیسے محمد، یا ایم اے کے طالب علم۔

خاص کا حکم: خاص اپنے معنی و مفہوم پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے، یعنی وہ مزید وضاحت کا محتاج نہیں ہوتا اور نہ کسی دوسرے معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر لفظ خاص مطلقا مذکور ہو گا تو حکم بھی مطلق ہو گا، اِلا یہ کہ مقید کرنے والی کوئی دوسری دلیل و قرینہ موجود ہو۔ اگر خاص امر کے صیغہ سے مذکور ہو تو حکم پر عمل کرنا ضروری ہو گا، اور اگر نہی کے صیغہ سے مذکور ہو گا تو اس کا کرنا حرام ہو گا۔

خاص کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ" (اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔

اس آیت سے یہ حکم معلوم ہوا کہ دس مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے، نہ دس سے کم نہ دس سے زیادہ، اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

خاص کی اقسام: لفظ خاص یا تو مطلق مذکور ہو گا، یا اس کے ساتھ کوئی قید بھی مذکور ہو گی، یا اس لفظ سے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے گا یا کسی کام سے منع کیا جائے گا، اس طرح خاص کی چار قسمیں ہوئیں: 1۔ مطلق، 2۔ مقید، 3۔ امر، 4۔ نہی۔

1۔ مطلق کی تعریف: مطلق اپنے مدلول و مفہوم پر بلا کسی قید کے دلالت کرتا ہے، جیسے کتاب، مرد، وغیرہ۔

مطلق کا حکم: مطلق اپنے اطلاق پر قائم رہتا ہے، اِلا یہ کہ اس کے مفہوم کو قید کرنے والی کوئی دلیل موجود ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" یعنی اگر کوئی شخص رمضان میں روزہ نہیں رکھ سکا، تو اتنے ہی دنوں اس کی قضا کرنا ہے، ایام کا لفظ چونکہ مطلق مذکور ہے، اس لیے مسلسل رکھے یا غیر مسلسل، دونوں درست ہے۔

2۔ مقید کی تعریف: مقید وہ لفظ ہے، جس کے ساتھ کسی صفت یا اضافت کا ذکر کر دیا جائے یا اس کے ساتھ شرط لگا دی جائے، یا غایت (انتہا) ذکر کر دی جائے۔

صفت کی قید کی مثال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ" (ایک مومن رقبہ (غلام یا باندی) آزاد کرنا ہے) اس حکم میں مومن کی صفت لگا کر حکم کو مقید کر دیا گیا)۔

شرط کی قید کی مثال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ" (جو شخص (کھانا یا کپڑا) نہ پائے تو وہ تین دن روزہ رکھے) یعنی کوئی شخص قسم کھا کر توڑ دے تو وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو کپڑا دے اگر ان دونوں کی قدرت نہ ہو تو پھر تین دن روزہ رکھے۔ مذکورہ مثال میں تین روزہ رکھنے کے لیے شرط لگا دی گئی کہ کھانا اور کپڑا کی قدرت نہ ہو۔

مقید کا حکم: مقید کا حکم یہ ہے کہ حکم کے ساتھ جو قید ذکر کی گئی ہے، اس کی رعایت ضروری ہے۔

3۔ امر کی تعریف: خاص کی تیسری قسم "امر" ہے، امر کا مفہوم یہ ہے کہ جزم اور قطعیت کے ساتھ کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے اور حکم دیا جائے، چاہے امر کے الفاظ سے ہو، جیسے "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ" (نماز قائم کرو) یا جملہ خبر کا ہو، لیکن مقصود مطالبہ ہو، جیسے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ" (طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں)۔

امر کا حکم: امر کا صیغہ وجوب کو بتانے کے لیے آتا ہے، یعنی جس چیز کا مطالبہ کیا جائے اس کا کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ موجود ہو، جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ یہاں وجوب کے لیے نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اباحت کے لیے ہو گا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا" (جب احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کرو) احرام سے پہلے شکار مباح ہے، اس لیے احرام کے بعد بھی مباح ہو گا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں امر اباحت کے لیے ہے۔

یا اگر قرینہ استحباب کا ہو یا کسی اور چیز کا قرینہ ہو تو وہ مراد ہو گا۔

4۔ نہی کی تعریف: نہی وہ لفظ ہے، جس کے ذریعہ کسی چیز سے جزم اور قطعیت کے ساتھ روکا گیا ہو، یا تو نہی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"، (آپس کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ) یا نہی کا لفظ ہی ذکر کیا گیا ہو، جیسے: "وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ" (اللہ تعالیٰ روکتا ہے بے ہودہ اور گندی باتوں سے)، اس آیت میں "ینہی" کا لفظ استعمال کر کے روکا گیا ہے، یا امر کے صیغہ سے روکا گیا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَذَرُوا الْبَيْعَ" (اذان کے وقت خرید و فروخت چھوڑ دو)۔

نہی کا حکم: نہی اصل میں منع کی ہوئی چیز کی حرمت کو بتلاتی ہے، سوائے اس کے کہ کوئی قرینہ ہو جس سے معلوم ہو کہ یہاں نہی کے ذکر سے حرمت مقصود نہیں ہے، جیسے: "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا" (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو نہ پھیریئے)۔ ظاہر ہے کہ بندہ خدا کو حکم تو نہیں دے سکتا، معلوم ہوا کہ یہاں نہی اپنے اصلی معنی میں نہیں، بلکہ دعا اور درخواست کے لیے ہے۔

3- مشترک کا مفہوم: مشترک وہ لفظ ہے جو دو یا اس سے زیادہ معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے "عین" اس کے درج ذیل معانی ہیں: 1۔ آنکھ، 2۔ پانی کا چشمہ، 3۔ ذات، 4۔ جاسوس، 5۔ سونا۔ "عین" کا لفظ ان تمام معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ لیکن مشترک کی دلالت ان تمام معانی پر علی سبیل البدل ہے، یعنی بیک وقت تمام معنی مراد نہیں ہوں گے بلکہ استعمال کے وقت ایک ہی معنی مراد ہو گا۔

مشترک کا حکم: مشترک لفظ اگر قرآن کریم میں مذکور ہو یا احادیث میں ہو تو دیگر قرائن اور علامت کے ذریعہ اس کے کسی ایک معنی کو ترجیح دی جائے گی۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ" (طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین قروء)، مذکورہ آیت میں قروء کا ذکر ہے۔ قروء کا ایک معنی حیض ہے اور دوسرا معنی طہر ہے۔ حنفیہ نے دیگر قرائن کی بنیاد پر حیض کے معنی کو راجح قرار دیا ہے، جبکہ شافعیہ نے طہر کے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔

4۔ مؤول کا مفہوم: مشترک کے مختلف معنوں میں سے جس کسی ایک معنی کو ترجیح دیدی جائے تو اس کو مؤول کہتے ہیں۔

وضاحت کے لحاظ سے لفظ کی قسمیں:

لفظ کا معنی و مفہوم بادی النظر میں لفظ ہی سے سمجھ میں آجائے، اس لحاظ سے لفظ کی چار قسمیں ہیں: 1۔ ظاہر، 2۔ نص، 3۔ مفسر، 4۔ محکم۔

1۔ ظاہر کا مفہوم:

ظاہر وہ لفظ ہے، جس کی مراد بغیر کسی قرینہ کے خود لفظ ہی سے سمجھ میں آجائے، حالانکہ وہ لفظ اس غرض کے لیے نہ لایا گیا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔ اس آیت کا مقصد سود اور تجارت کے درمیان فرق بیان کرنا ہے کہ دونوں ایک نہیں ہے، کیونکہ کفار دونوں کو ایک ہی کہا کرتے تھے، لیکن اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیع جائز ہے اور سود حرام ہے، جبکہ کلام کے ذکر کا مقصد یہ نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ ظاہر ہے۔

ظاہر کا حکم: ظاہر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ البتہ اس لفظ میں گنجائش ہوتی ہے کہ ظاہر مفہوم مراد نہ لیا گیا ہو۔

2۔ نص کا مفہوم : نص وہ ہے جو کلام کا اصل مقصود ہو، اور اپنے مفہوم پر دلالت کرنے میں ظاہر سے بھی زیادہ واضح ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ" (نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگے دو دو سے تین تین سے چار چار سے)۔ اس آیت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چار عورتوں ہی تک نکاح کی اجازت ہے، اسی حکم کو بتانے کے لیے اس آیت کو ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا تعداد نکاح کے بیان کے اعتبار سے یہ آیت نص ہے۔

نص کا حکم: نص پر عمل کرنا واجب ہے۔ البتہ حنفیہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک اس میں بھی تاویل اور نسخ کی گنجائش ہے، جبکہ بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ نص میں تاویل اور نسخ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

3۔ مفسر کا مفہوم : مفسر وہ لفظ ہے جو اپنے معنی و مفہوم پر اس وضاحت کے ساتھ دلالت کرے کہ کسی تاویل و تخصیص کی گنجائش نہ رہے، جیسے تہمت لگانے والوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً" (ان کو اسی کوڑے لگاؤ)۔ اس آیت میں "ثَمَانِينَ" (اسی) بالکل واضح ہے، اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

مفسر کا حکم: مفسر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس میں تاویل وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک اس میں نسخ کا احتمال تھا، لیکن اب وہ احتمال بھی ختم ہو گیا۔

4۔ محکم: محکم وہ لفظ ہے جس کا معنی و مفہوم حد درجہ واضح ہو، اس میں نہ تو تاویل و تخصیص کی گنجائش ہو، اور نہ ہی نسخ کا احتمال ہو، جیسے محدود فی القذف (یعنی وہ شخص جس نے کسی پاکدامن عورت یا مرد پر زنا کا الزام لگایا ہو، اور اس کو ثابت نہ کر سکا ہو جس کی پاداش میں اس کو اسی کوڑے لگائے گئے ہوں) کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا"۔ (اور ان کی گواہی کبھی بھی مت قبول کرو)۔

محکم کا حکم: محکم پر عمل کرنا واجب ہے۔

لفظ کی اپنے معنی و مفہوم پر دلالت کے اعتبار سے اقسام:

لفظ کی اپنے معنی و مفہوم پر دلالت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

1۔ عبارۃ النص، 2۔ اشارۃ النص، 3۔ دلالۃ النص، 4۔ اقتضاء النص۔

یہ تقسیم حنفیہ کے لحاظ سے ہے، دوسرے فقہاء نے ایک قسم کا مزید اضافہ کیا ہے اور وہ ہے: مفہوم المخالفۃ۔

1۔ عبارۃ النص کا مفہوم : جس معنی و مفہوم کو بیان کرنے کے لیے لفظ ذکر کیا گیا ہے، وہ عبارۃ النص ہے، یعنی نفس عبارت ہی سے وہ معنی و مفہوم سمجھ میں آجائے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔ اس عبارت سے دو باتیں سمجھ میں آئیں: پہلی بات یہ ہے کہ بیع اور ربا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، ایک نہیں ہے جیسا کفار مکہ سمجھتے تھے۔ جبکہ دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ بیع حلال ہے اور ربا حرام ہے۔

ان دونوں احکام کے لیے یہ آیت عبارۃ النص ہوئی۔

2۔ اشارۃ النص کا مفہوم : جو معنی و مفہوم لفظ سے معلوم ہو، لیکن لفظ اس معنی کو بیان کرنے کے لیے نہ لایا گیا ہو، بلکہ لفظ کے اشارہ سے وہ بات سمجھ میں آتی ہو، اس کو اشارۃ النص کہتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"، (جس شخص کے لیے بچہ جنا گیا ہے اسی کے ذمہ ہے ان عورتوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق)۔ اس آیت کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت بچہ کے باپ پر واجب ہو گی اور اسی حکم کو بتانے کے لیے اس آیت کو ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا یہ عبارۃ النص ہوئی، لیکن باپ کو اس آیت میں "مولود لہ" (جس کے لیے بچہ جنا گیا ہے) کہا گیا ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ بھی ہو گیا کہ بچہ کا

نسب باپ سے ثابت ہو گا نہ کہ ماں سے۔ یہ حکم اشارۃ النص سے سمجھ میں آئی، اسی طرح اشارۃ النص سے یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ چونکہ بچہ باپ ہی کا ہے، لہٰذا جب بچہ ہی باپ کا ہے تو بچہ کا مال بھی باپ کا ہو گا، لہٰذا اگر باپ ضرورت مند ہو تو باپ کا نفقہ بیٹے کے اوپر واجب ہو گا، اور اگر باپ بیٹا کا مال چرا لے، تو اس کو سارق (چور) نہیں کہا جائے گا۔

3۔ دلالۃ النص کا مفہوم : دلالۃ النص کو بعض فقہاء مفہوم الموافقۃ بھی کہتے ہیں۔ دلالۃ النص وہ حکم ہے جو لفظ میں مذکور ہو، مگر وہ لفظ سے بلا کسی غور و فکر کے سمجھ میں آجاتا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا" (والدین کو اُف نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کو "اُف" کہنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن آیت سے یہ حکم بھی معلوم ہو گیا کہ والدین کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا اور تکلیف دینا بھی حرام ہے۔ کیونکہ جب "اُف" کہنا حرام ہے جو کہ معمولی لفظ ہے، تو گالی گلوچ کرنا اور تکلیف دینا جو کہ اُف سے حد درجہ بڑھا ہوا ہے، بدرجہ اولیٰ حرام ہو گا۔ یہ حکم آیت کے دلالۃ النص سے سمجھ میں آیا۔

4۔ اقتضاء النص کا مفہوم : اقتضاء النص کلام میں ایسی زیادتی کو کہتے ہیں، جس کے بغیر کلام کا مفہوم ہی درست نہ ہو سکے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ"، (تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے)۔ ان چیزوں کے حرام ہونے کا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا کھانا اور استعمال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا کلام اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ "مَيْتَة" سے پہلے "أكل" کو پوشیدہ مانا جائے، تاکہ کلام کا مفہوم صحیح ہو سکے۔

3.5 اجماع کا مفہوم

فقہ اسلامی کا تیسرا بنیادی مصدر اجماع ہے۔ اجماع کا لغوی مفہوم: اجماع کا معنی لغت میں اتفاق کے ہیں۔

اجماع کا اصطلاحی مفہوم: شریعت کی اصطلاح میں اجماع کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی بھی زمانے میں مسلم مجتہدین کا کسی حکم شرعی سے متعلق اتفاق کر لینا "اجماع" کہلاتا ہے۔

اس تعریف سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں :

1 - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اجماع نہیں ہو سکتا۔

2 - عام مسلمانوں کا کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا اجماع نہیں کہلائے گا۔

3 - کسی مسئلہ پر مجتہدین کی اکثریت اتفاق کر لے تو اس کو بھی اجماع نہیں کہا جائے گا۔

اجماع کے حجت ہونے کے دلائل:

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے :وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سبیل مومنین (مومنین کے راستہ) کے علاوہ کسی اور راستہ کے اختیار کرنے پر وعید سنائی ہے، معلوم ہوا کہ سبیل مومنین کی اتباع واجب اور ضروری ہے اور یہی اجماع ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں بشارت دی ہے کہ امت محمدیہ ضلالت اور گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"امتی لاتجتمع علی ضلالۃ۔(میری امت ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتی ہے)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: ید اللہ علی الجماعۃ۔(اللہ کی مدد اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے)۔ معلوم ہوا کہ جس مسئلہ پر مجتہدین کا اتفاق ہو جائے اللہ کی نصرت اس کے ساتھ ہے۔

4 -حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے:ما رأہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن(جس کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے)۔

اجماع کے اقسام۔اجماع کی دو قسمیں ہیں: 1- اجماع قولی 2- اجماع سکوتی

اجماع قولی کا مفہوم: اجماع قولی کو اجماع صریح بھی کہتے ہیں۔ اجماع قولی یہ ہے کہ امت کے تمام مجتہدین کسی رائے کے قبول کرنے پر اتفاق کا اظہار کریں۔ تمام فقہاء اجماع قولی کے حجت ہونے پر متفق ہیں اور تمام فقہاء نے اجماع قولی کو حجت قطعیہ قرار دیا ہے۔ جیسے صحابہ کا اجماع ہے کہ دادی کو میراث میں چھٹا حصہ ملے گا۔

اجماع سکوتی کا مفہوم: اجماع سکوتی یہ ہے کہ کوئی مجتہد کسی رائے کا اظہار کرے اور یہ رائے معروف ہو، لیکن اس پر کوئی نکیر نہ کرے اور سکوت اختیار کریں۔ اجماع سکوتی کے حجت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1 -اجماع سکوتی امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

2 -دوسری رائے یہ ہے کہ اجماع سکوتی بھی اجماع ہے، لیکن اس کا مرتبہ اجماع صریح سے کم ہے۔

3 -تیسری رائے یہ ہے کہ اجماع سکوتی حجت ہے، لیکن اس کو اجماع نہیں کہیں گے۔

اجماع سکوتی کی مثال: حضرت عمرؓ نے ایک حاملہ کو زنا کی حد میں جلد یعنی کوڑا کا سزا جاری کرنا چاہی، حضرت معاذ نے حضرت عمر کے اس فیصلہ پر نکیر کی اور فرمایا :ان یک لک السبیل علیہا فلک السبیل علی ما فی بطنہا۔

اس عورت کو سزا دینے کا حق ہے لیکن اس کے حمل کو سزا دینے کا کیا حق ہے؟

حضرت معاذ کے اس قول پر دوسرے صحابہ کے خاموشی اختیار کی، گویا حضرت معاذ کے قول کی تائید کی۔

اجماع سکوعی کے معتبر ہونے کے شرائط :

1 -اس مجتہد کی رائے اس زمانے کے دیگر مجتہدین تک پہنچ چکی ہو۔

2 -اس مجتہد کی رائے کے اظہار کے بعد اتنا زمانہ گزر چکا ہو جس میں دیگر مجتہدین اس رائے پر غور وخوض کر سکیں۔

3 -وہ مسئلہ اجتہادی ہو، یعنی اس مسئلہ میں کوئی نص قطعی موجود نہ ہو، اگر اس مسئلہ میں کوئی نص (قرآن وحدیث) موجود ہو اور

اس کے خلاف کوئی مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرے اور دوسرے مجتہدین خاموش رہیں تو ان کی خاموشی تائید نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ دیگر مجتہدین نے اس رائے کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔

کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے؟

ایسے مجتہدین کا اجماع معتبر ہے جو فقہی مسائل اور ان کے دلائل سے مکمل واقفیت رکھتے ہوں، احکام کو مستنبط کرنے کے مناہج سے واقف ہوں۔

اجماع کے مصادر:

اجماع کسی نہ کسی شرعی دلیل پر منعقد ہوتا ہے۔

1- اجماع کا پہلا مصدر قرآن کریم ہے۔ 2 - اجماع کا دوسرا مصدر سنت ہے۔

3 - قیاس 4 - مصلحت

قیاس اور مصلحت کے اجماع کی بنیاد ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ قیاس اور مصلحت اجماع کی بنیاد نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہ قیاس کی وجہیں اور علتیں مختلف ہوسکتی ہیں، اور فقہاء کی رائے بھی مختلف ہوسکتی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ قیاس اور مصلحت اجماع کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اس لئے کہ قیاس شرعی دلیل ہے، اور اس کی بنیاد نصوص پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا قیاس پر اجماع کا مطلب نص پر ہی اجماع ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ اگر قیاس کی علت منصوص ہو یا علت بالکل واضح ہو تو قیاس اور مصلحت اجماع کی بنیاد بن سکتی ہے اور اگر ان کی بنیاد نصوص پر نہ ہو یا علت واضح اور ظاہر نہ ہو، بلکہ علت خفی ہو تو پھر یہ اجماع کی حجت نہیں بنیں گی۔

قرآن کے اجماع کی بنیاد اور مصدر ہونے کی مثال یہ ہے کہ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان میں ایک ماں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (نساء:23)(تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں)۔

اس آیت کی بنیاد پر جدہ (دادی، نانی) سے نکاح کے حرام ہونے پر اجماع منعقد ہوا۔ کیونکہ امہات کی اصل "جدات" ہی ہیں۔

حدیث کے اجماع کا مصدر ہونے کی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: "لاتنكح المرأة على بنت اختها ولا تنكح المرأة على عمتها" (مصنف عبد الرزاق) (کسی عورت سے اس کی بھتیجی کی زوجیت میں رہتے ہوئے نکاح نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی کی زوجیت میں رہتے ہوئے نکاح کیا جائے گا)۔

اس حدیث کی بنیاد پر اجماع ہے کہ کسی بھی دو محرم عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

جن فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قیاس اجماع کا مصدر بن سکتا ہے وہ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حد قذف (زنا کی تہمت لگانے کی سزا) پر قیاس کرتے ہوئے حد خمر (شراب پینے کی سزا) مقرر کی۔ اور جن فقہاء نے مصلحت کو بھی اجماع کا مصدر تسلیم کیا ہے وہ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم کے ضیاع کے اندیشہ سے صحابہ کرام نے قرآن کریم کی جمع و تدوین پر متفق ہوئے۔

3.6 قیاس

فقہ اسلامی کا چوتھا اور آخری بنیادی مصدر قیاس ہے۔

قیاس کا لغوی مفہوم: قیاس کے معنی لغت میں ناپنے اور اندازہ کرنے کے ہیں۔

قیاس کا اصطلاحی مفہوم: فقہ اسلامی کی اصطلاح میں غیر منصوص مسئلہ اور واقعہ پر علت کے مشترک ہونے کی بنا پر منصوص مسئلہ کا حکم لگانا۔

قیاس کے دلیل شرعی ہونے کے دلائل:

قیاس کے شرعی دلیل ہونے کے سلسلہ میں متعدد قرآن واحادیث ہیں۔

1 - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فاعتبروا یا أولی الأبصار (حشر:2) (اے آنکھیں رکھنے والو عبرت حاصل کرو)۔

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں اعتبار سے مراد قیاس ہے۔

2 - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا: اگر قرآن وحدیث میں کسی واقعہ سے متعلق کوئی حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟ حضرت معاذ نے فرمایا: "أجتہد رأی" (میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا)۔

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کیا ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی روایت ہے: جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال یا رسول اللہ ان أمی ماتت و علیہا صوم شہر أفأقضیت عنہا، فقال: لو کان علی أمک دین أکنت قاضیہ عنہا ۔ قال: نعم قال: فدین اللہ أحق أن یقضی" (صحیح مسلم حدیث:1148)۔

(ایک شخص رسول اللہؐ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری والدہ انتقال کر گئی ہے اور ان کے ذمہ ایک مہینہ کا روزہ ہے، کیا میں ان کی جانب سے ادا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر تمہاری والدہ کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا تم ان کی جانب سے ادا کرنے والے ہوتے، اس نے عرض کیا، ہاں، تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کا قرض ادا کئے جانے کے زیادہ مستحق ہے)۔

اس حدیث میں حضورؐ نے اللہ کے قرض کو بندے کے قرض پر قیاس کیا ہے۔

قیاس کے ارکان: قیاس کے چار ارکان ہیں: 1 - اصل 2 - فرع 3 - حکم 4 - علت

اصل: سے مراد وہ مصدر ہے جو حکم کو بیان کرتا ہے یعنی جو نصوص قرآن وحدیث میں مذکور ہو، یا اجماع سے ثابت ہو، جیسے جائز،

حرام، فرض وغیرہ۔ اصل کو مقیس علیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

فرع: اس واقعہ کو کہتے ہیں جس کا حکم نص میں صراحۃ مذکور نہ ہو۔ فرع کو مقیس بھی کہتے ہیں۔

حکم: وہ صفت ہے جس کا ذکر نص میں ہوتا ہے اور اس کو غیر منصوص واقعہ میں منتقل کیا جاتا ہے۔

علت: وہ خاص سبب ہے جو اصل اور فرع دونوں میں موجود ہوتا ہے، اور اسی کی وجہ سے وہ خاص حکم اصل سے فرع میں منتقل کیا جاتا ہے۔

3.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔
- آپ نے قرآن کریم کے مضامین اور آیات احکام کے بارے میں معلومات حاصل کیں، سنت کے مفہوم اور سنت کے شرعی دلائل کے بارے میں واقفیت ہوئی، اجماع اور قیاس کا مفہوم، ان کے اقسام اور شرائط وغیرہ سے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔

3.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اجماع کا وجود حضور ﷺ کے زمانے ہو چکا تھا؟

(a). ہاں (b). نہیں

2. اجماع اور قیاس میں سے اولیت کس کو حاصل ہے؟

(a). اجماع (b). قیاس (c). دونوں صحیح (d). دونوں غلط

3. قرآن کی آیتیں قطعی اللفظ ہیں؟

(a). درست جواب (b). ظنی اور قطعی دونوں ہیں (c). ظنی ہیں (d). تمام غلط

4. فقہ کا دوسرا بنیادی مصدر کیا ہے؟

(a). قرآن (b). اجماع (c). قیاس (d). سنت

5. فرع کس کا رکن ہے؟

(a). اجماع (b). سنت (c). قیاس (d). ان میں سے کوئی نہیں

6. کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے؟

(a). عوام کا (b). محدثین کا (c). صوفیاء کا (d). فقہاء مجتہدین کا

7. اجماع کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). دو (b). تین (c). چار (d). چھ

8. سند کے لحاظ سے سنت کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). تین (b). چار (c). پانچ (d). چھ

9. کیا قیاس اجماع کی بنیاد بن سکتا ہے؟

(a). بن سکتا ہے (b). نہیں بن سکتا ہے (c). فقہاء کے مابین اختلاف

10. حدیث متواتر سے کونسا علم حاصل ہوتا ہے؟

(a). علم ظنی (b). علم یقینی (c). ان میں سے کوئی نہیں

3.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. خبر واحد کا تعارف کرایئے اور مثال سے واضح کیجیے۔
2. دلات قطعیہ اور دلالت ظنیہ کو واضح کیجیے۔
3. اجماع کے حجت ہونے کے دلائل ذکر کیجیے۔
4. قیاس کے ارکان کا تعارف کرایئے۔
5. سنت کے اقسام کو مثالوں کے ساتھ لکھیے۔

3.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. کتاب اللہ فقہ اسلامی کا بنیادی مصدر ہے دلائل سے واضح کیجیے۔
2. سنت کے حجت ہونے پر روشنی ڈالیے۔
3. اجماع کے تعارف پر ایک مضمون لکھیے۔

3.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی تدوین وتعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. آسان اصول فقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فن اصول فقہ کی تاریخ : ڈاکٹر فاروق حسن

اکائی 4: فقہ کے ثانوی مآخذ کا اجمالی تعارف

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 ثانوی مصادر

4.2.1 استحسان

4.2.2 مصالح مرسلہ

4.2.3 عرف وعادت

4.2.4 استصحاب

4.2.5 سابقہ شریعت

4.2.6 قول صحابی

4.2.7 سدّ ذرائع

4.3 کلیدی الفاظ

4.4 اکتسابی نتائج

4.5 نمونے کے امتحانی سوالات

4.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

4.0 تمہید

انسانی زندگی کا دائرہ وسیع ہے، اور آئے دن زندگی میں نئے نئے انقلابات آتے رہتے ہیں، اس لئے انسان کو دینی اور دنیاوی معاملات کے بارے میں حلال وحرام اور جائز وناجائز معلوم کرنے کے لئے فقہ کی بے حد ضرورت ہے، قرآن وحدیث میں متعین ومفصل اورواضح احکام کی تعداد محدود ہے، زیادہ تر اصولی اور کلی نوعیت کے احکام ہیں جن کی روشنی میں انسانی زندگی کے روزمرہ مسائل کے احکام معلوم کئے جاسکتے ہیں، اسی کا نام فقہ ہے۔ اور فقہ کی اہمیت ایک لفظ میں یہی ہے کہ انسانی زندگی فقہ کے بغیر حکم الٰہی پر قائم نہیں رہ سکتی۔ فقہی احکام کے استنباط کے لئے کچھ اصول وقواعد کی ضرورت پڑتی ہے، جن کے ذریعہ عملی زندگی کے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، استنباط کرنے والوں کو "مجتہدین فقہاء" کہا جاتا ہے، اور استنباط کے عمل کو "اجتہاد" کہا جاتا ہے، یہ اصول وقواعد دو طرح کے ہیں: بنیادی مصادر اور ثانوی مصادر۔ اس اکائی میں سب سے پہلے فقہ کے ثانوی مصادر کیا ہیں اس پر روشنی ڈالی جائے گی اور اس کے معنی ومفہوم اور مراجع کا تعارف کیا جائے گا۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ اس بات سے واقف ہو جائیں کہ ثانوی مصادر کیا ہیں، اور ان مصادر و مآخذ سے عملی احکام کس طرح دریافت کیے جاتے ہیں۔ نیز ثانوی مآخذ کون کون سے ہیں اس بات کا جائزہ لے سکیں گے۔

4.2 ثانوی مصادر

دوسرے درجہ کے مصادر ومآخذ، جن سے شرعی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے، اس قسم کے مآخذ متعدد ہیں، لیکن ان میں زیادہ مشہور سات ہیں، اور ثانوی مصادر سات ہیں:

1. استحسان 2. مصالح مرسلہ 3. عرف وعادت 4. استصحاب
5. سابقہ شریعت 6. قول صحابی 7. سد ذرائع

ان سے استدلال کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں بعض مآخذ ایسے ہیں جو بعض فقہاء کے نزدیک معتبر اور حجت ہیں اور دوسرے فقہاء کے یہاں وہ حجت نہیں ہیں' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

4.2.1 استحسان

لغت میں استحسان کے معنی کسی چیز کو اچھا سمجھنے، اس کی طرف مائل ہونے اور اس کے چاہنے کے ہیں، اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ قرآن، سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑ دینا۔

استحسانی مسائل سب سے زیادہ حنفی کتب فقہ میں ہیں، اور وہ سب عام طور پر اسی نوعیت کے ہیں کہ ان کے ذریعہ کسی مشکل

ودشواری کو دفع کیا گیا ہے، مثلاً کنویں میں اگر نجاست گر جائے تو شریعت نے پاکی کا جو عام اصول بتلایا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ محض پانی نکال دینا کنویں کی پاکی کے لئے کافی نہ ہو؛ بلکہ کنویں کی دیواریں اور نیچے کی سطح بھی پانی سے دھودی جائے؛ لیکن کنویں کی تطہیر کے مسئلہ میں اس عام اصول سے بڑی دشواری کا سامنا ہوتا؛ اسی لئے اس دشواری سے بچانے کے لئے استحساناً پانی نکال دینے کو کافی قرار دیا گیا۔

حجیت استحسان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہے، امام شافعی اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حجت نہیں ہے، یہی ظاہریہ، معتزلہ اور علماء شیعہ کا مذہب ہے؛ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں؛ کیوں کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے جس استحسان کی حجیت کا انکار کیا ہے اس سے مراد وہ استحسان ہے جس کی بنیاد محض عقل ورائے، ہوس پرستی اور خواہش نفس ہو، جس کے پیچھے کوئی شرعی دلیل نہ ہو، اور حنفیہ وغیرہ اس طرح کے استحسان کے قائل نہیں ہیں، استحسان کی حجیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (زمر:55)

(تمہارے رب کی طرف سے جو احکام تمہاری طرف نازل کئے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین احکام کی پیروی کرو)۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے''۔(مسند احمد' حدیث نمبر:3600، تحقیق احمد محمد شاکر)۔

4.2.2 مصالح مرسلہ

لغوی اعتبار سے مصلحت ''نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے'' کو کہتے ہیں، یہ مصلحتیں تین قسم کی ہیں:

1. مصالح معتبرہ: یعنی وہ مصلحتیں جنہیں شریعت نے معتبر سمجھا ہے، مثلاً جان، مال، دین، عقل اور نسل کی حفاظت سے متعلق سارے احکام، جیسے دین کی حفاظت کے لئے جہاد، جان کی حفاظت کے لئے قصاص، عقل کی حفاظت کے لئے شراب نوشی کی حد، نسل کی حفاظت کے لئے حد زنا وقذف اور مال کی حفاظت کے لئے چوری کی حد۔
2. مصالح ملغاۃ: یعنی وہ مصلحتیں جنہیں شریعت نے لغو قرار دیا ہے، جیسے: حق وراثت میں مرد وعورت کے درمیان مساوات۔
3. مصالح مرسلہ: یعنی ایسی مصلحتیں جن کے متعلق شریعت نے نہ معتبر ہونے کی وضاحت کی ہو اور نہ ہی انہیں لغو کہا ہو، اس میں وہ تمام مصلحتیں آئیں گی جن کی شریعت نے نہ ترغیب دی ہو اور نہ ہی انہیں برا سمجھا ہو، اور یہ کسی بھی زمانہ میں پیش آسکتی ہیں، جیسے: جمع وتدوین قرآن کی مصلحت، جمعہ کے دن مزید ایک اذان کا اضافہ، جیلوں کی تعمیر اور خلافت فاروقی میں تقسیم وظائف وغیرہ کی مصلحت۔

عبادت میں مصالح مرسلہ کا اعتبار نہیں ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، کیوں کہ عبادت امور تعبدی وتوقیفی میں سے ایک ہے، جن میں رائے واجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی ہے، البتہ معاملات کے باب میں مصالح مرسلہ کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے؛ تاہم جمہور مالکیہ اور حنابلہ اسے حجیت تسلیم کرتے ہیں، حنفیہ مصالح مرسلہ کو استحسان کے راستے سے قبول کرتے ہیں، یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

4.2.3 عرف وعادت

لغت میں عرف کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے، مانوس، مستحسن، معیاری چیز، اعتراف، صبر اور تسلسل، اصطلاحی تعریف اس کی یہ ہے: لوگوں کا قول یا فعل جو کہ ان کے درمیان مانوس، متعارف ہو اور ان میں اس کا رواج ہو، عرف کو عادت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

عرف اپنی وضع کے اعتبار سے کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی عملی، اور اپنی وسعت ودائرہ کے اعتبار سے کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی خاص اور شرعی نقطۂ نظر کے اعتبار سے کبھی عرف صحیح ہوتا ہے اور کبھی فاسد۔

عرف قولی کی مثال لفظ "ولد" ہے جسے عرف میں مذکر اولاد پر بولا جاتا ہے مؤنث پر نہیں، گو لغت میں نر ومادہ دونوں طرح کی اولاد پر اطلاق ہوتا ہے، عرف عملی کی مثال عام لوگوں کے لئے بنائے گئے غسل خانوں میں داخل ہونا ہے، جس میں ٹھہرنے کی مدت متعین نہیں ہوتی اور نہ ہی پانی کے استعمال کی مقدار کی تعیین ہوتی ہے۔

عرف عام وہ قول یا فعل ہوتا ہے جو کہ دنیا کہ تمام شہروں میں یا اکثر شہروں میں لوگوں کے درمیان رواج پذیر ہو، جیسے استصناع (سامان بنانے کا آرڈر دینا)، عرف خاص لوگوں کا وہ قول یا فعل ہے جو کسی خاص ملک یا شہر یا طبقہ میں رائج ہو، جیسے تاجروں کے درمیان کسی عیب کا قابل فسخ یا مبیع کے واپس کرنے کا حق رائج ہو جائے۔

عرف خواہ قولی یا عملی، عام ہو یا خاص، معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نص کے خلاف نہ ہو، اکثر مقامات پر مروج ہو اور لوگوں کی اکثریت اس سے واقف ہو، جس مسئلہ میں عرف کو حجت بنایا جارہا ہو، ضروری ہے کہ عرف اس مسئلہ سے پہلے موجود ہو اور معاملہ کے فریقین نے عرف کے خلاف صراحت نہ کر دی ہو۔

عرف کی حجیت پر متعدد آیات واحادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (نساء:6)

(یتیم کے ولی کے لئے رخصت دی گئی ہے کہ اگر وہ فقیر ہو تو معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے)۔

یہاں معروف کا معنی عرف ورواج ہی ہے، اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بخل کی شکایت کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم اس کے مال سے بغیر اس کی اجازت کے اتنا لے لو جتنا معروف طریقہ سے تمہارے اور تمہارے بیٹوں کے لئے کافی ہو جائے"۔ (بخاری، حدیث نمبر:5359)

عرف کی تبدیلی کا اثر شرعی نصوص پر مرتب نہیں ہوتا ہے، ہاں جب کسی نص میں عرف کو حکم کی علت قرار دیا گیا ہو تو عرف کے بدلنے سے حکم مختلف ہو گا، اسی طرح ابتدا ہی سے جو احکام عرف پر مبنی ہوں تو عرف کے بدل جانے سے وہ احکام بھی بدل جائیں گے، جیسے:

پہلے خرید و فروخت کے ساتھ شرط لگانا ممنوع تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؛ لیکن اب عرف میں سامانوں کی خرید و فروخت میں ایک سال یا اس سے کم یا بیش مدت تک مرمت کی ذمہ داری بیچنے والے پر ہو گی، یہ شرط ہوتی ہے، اور اس شرط کی وجہ سے فریقین کے درمیان کوئی نزاع بھی پیدا نہیں ہوتی ہے، تو چونکہ حدیث میں ممانعت کی علت نزاع تھی، اب وہ علت باقی نہیں رہی، اس لئے عرف کے مطابق اس شرط پر عمل درست ہو گا۔

4.2.4 استصحاب

لغت میں استصحاب "ساتھ طلب کرنے اور اس کے تسلسل" کو کہتے ہیں۔

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ شرعی دلیل نہ ملنے کے وقت جو چیز جس حالت میں پہلے تھی اس کو اسی طرح اسی حالت میں زمانہ حال یا مستقبل میں باقی سمجھنا جب تک کہ اس کو بدلنے والی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی کام جائز تھا تو اسے اس وقت تک جائز ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ مل جائے، اور اگر کوئی کام ممنوع تھا تو اسے اس وقت تک ممنوع ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے جواز کی کوئی دلیل نہ مل جائے۔

استصحاب بھی ایک شرعی مصدر ہے، جب کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی ہے تو آخر میں استصحاب کو بنیاد بناتے ہوئے اس مسئلہ کا حکم نکالا جاتا ہے، اور وہ اس طرح سے کہ عبادات اور جنسی تعلقات کے ابواب کے چھوڑ کر معاملات اور دیگر اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے، جیسا کہ قرآن نے ایک سے زائد مقامات پر ذکر کیا ہے کہ تمام چیزوں کو اللہ نے انسانوں کے مفاد کے لئے پیدا کیا ہے، پس جو چیز اصل کے اعتبار سے حلال یا حرام ہو تو اس کے بارے میں اسی طرح حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل مُغیِّر (بدلنے والی) نہ مل جائے۔

جہاں تک استصحاب کی حجیت اور اس کے استعمال کی بات ہے تو اکثر اصولیین اس کو مطلق حجت تسلیم نہیں کرتے ہیں، جب کہ جمہور مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ استصحاب کو مطلق حجت تسلیم کرتے ہیں، یعنی نفی اور اثبات دونوں کے حق میں اسے حجت مانتے ہیں، اور جمہور متاخرین حنفیہ صرف دفع استحقاق اور نفی میں اسے حجت تسلیم کرتے ہیں، اثبات اور استحقاق میں حجت قرار نہیں دیتے ہیں، مثلاً کوئی آدمی بقید حیات لاپتہ ہو گیا تو اس کا سارا مال محفوظ کر دیا جائے گا، وراثت میں تقسیم نہیں ہو گا؛ کیوں کہ وہ زندہ تھا تو زندہ ہی سمجھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی وفات کی خبر یقینی ذرائع سے معلوم ہو جائے، اس کے بعد اس کے مال میں وراثت بھی جاری ہو گی اور وہ خود بھی دوسرے مورث میت کے مال میں وارث نہیں ہو گا، چونکہ اب اس کے انتقال میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا' اور میت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، یہ احناف کا مذہب ہے، جمہور فقہاء مالکیہ وغیرہ کے نزدیک وارث ہو گا۔

4.2.5 سابقہ شریعت

آخری نبی حضرت محمدؐ سے پہلے بھی انبیاء ورسل دنیا میں آئے ہیں، سب کا کام ایک ہی رہا ہے اور وہ اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانا،

اس طرح تمام پیغمبروں کے ذریعہ جو دین اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے، وہ ایک ہی دین ہے، اخلاقی واعتقادی اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے؛ اس لئے کہ سب کا سرچشمہ ایک ہی ذات باری تعالیٰ کی ہے؛ البتہ عملی احکام میں فرق رہا ہے، مختلف شریعتوں میں مختلف عملی احکام رہے ہیں، کیوں کہ انسانی تمدن کے مرحلہ بہ مرحلہ ارتقا کا تقاضا یہی تھا، پہلی قسم کے احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطہ وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ کو (مع ان سب کے) اتباع کا حکم دیا تھا (اور ان کی قوموں کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا"۔ (الشوریٰ:12)

اور دوسری قسم کے احکام کے بارے میں ارشاد ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (مائدۃ:48) تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی)۔

اس پس منظر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گذشتہ شریعتوں کے احکام کی کیا حیثیت ہوگی، ہمارے اوپر اس کی پیروی لازم ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو کس حد تک ہوگی؟ اس حقیقت سے سابقہ شریعتوں کے احکام کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ احکام جن کا قرآن وحدیث میں کوئی ذکر نہیں، اس قسم کے احکام اس امت میں بالاتفاق قابل عمل نہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کے لئے شریعت کے درجہ میں نہیں ہیں۔

دوسری قسم: وہ احکام جن کا ہماری شریعت یعنی قرآن وحدیث میں ذکر آیا ہے، اور ساتھ میں یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ احکام سابقہ امت کے لئے تھے، اس امت میں باقی نہیں ہیں، بلکہ منسوخ ہوچکے ہیں، جیسے: سجدہ تعظیمی کرنا، مال غنیمت کو حرام سمجھنا، آنت کے اوپر کی چربی کی حرمت وغیرہ، بالاتفاق اس قسم کے احکام پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

تیسری قسم: وہ احکام جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں اور یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ احکام اس امت کے لئے بھی لازم ہیں، بلا اختلاف فقہاء اس شریعت میں بھی اس قسم کے احکام پر عمل لازم ہوگا، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرۃ:183)

(تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے)۔

چوتھی قسم: وہ احکام جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے، اور یہ بتایا گیا کہ پچھلی قوموں پر یہ احکام لازم تھے؛ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس امت کے لئے یہ احکام باقی ہیں یا نہیں؟ جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (مائدہ:45)

(تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ، پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں)۔

اس چوتھی قسم کے احکام کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں، ایک قول جمہور احناف، مالکیہ، بعض شوافع اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، یہی روایت حنابلہ کے یہاں راجح ہے، اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اس امت کے لئے یہ احکام اسی طرح باقی اور مشروع ہیں جس طرح پہلے لوگوں کے لئے تھے، اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ احکام اس امت کے لئے باقی نہیں ہیں۔

لیکن یہ اختلاف عملی اعتبار سے کوئی زیادہ اہم نہیں، کیوں کہ عملاً شاید ہی کسی مسئلہ میں اس کی وجہ سے اختلاف رہا ہو، نیز اس قسم کے احکام کا ذکر دوسری جگہ مل جاتا ہے، مثلاً قصاص کا ہی مسئلہ ہے، اس کے متعلق جو احکام گذشتہ آیت میں بتلائے گئے ہیں یہ تمام احکام قرآن کی دوسری آیت اور متعدد احادیث سے ثابت ہیں اور اس امت کے لئے بھی مشروع ہیں، اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی' لہٰذا آپؐ انہیں کے طریقہ کی پیروی کیجئے'' (الانعام:90)، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شریعت میں جس مسئلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو اور اس سلسلہ میں پچھلی شریعت کے اتباع سے بھی نہ روکا گیا ہو اس امت کے لئے بھی شروع ہوں گے۔

4.2.6 قول صحابی

''صحابی'' اس شخص کو کہتے ہیں جس نے نبی کریم اسے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور پھر ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوا ہو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہؐ سے براہ راست اس دین کو حاصل کیا، ایک زمانہ تک آپؐ کے زیر تعلیم وتربیت رہے ہیں، ان کے سامنے وحی الٰہی نازل ہوئی؛ اس لئے وہ دین کے مزاج ومذاق، شرعی احکام کے مصالح ومقاصد سے زیادہ واقف تھے، وہ تمام کے تمام عادل، مخلص، خداترس اور معتبر افراد تھے، ان کی صداقت وعدالت اور ثقاہت کی تصدیق خود قرآن وحدیث نے کی ہے، اس لئے ان کے اقوال اور آراء کی خاص اہمیت ہے، ان کے اقوال، فتاوی، فیصلے اور آثار ہم تک پہنچے ہیں، سوال یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ یہ ہمارے لئے حجت ہیں یا نہیں؟ اگر حجت ہیں تو کیا مطلق حجت ہیں یا اس میں تفصیل ہے؟ آپ یہ ذہن نشیں کرلیں کہ جن مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وآراء اور آثار وفتاوی منقول ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

1. صحابی کی وہ بات جو عقل واجتہاد سے اخذ نہیں کی جاسکتی لازماً اس کی بنیاد قرآن وحدیث ہی پر ہوگی، اس لئے علماء کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے، کیوں کہ یقیناً انہوں نے یہ بات رسول اللہؐ سے سن کر ہی بیان کی ہوگی۔

2. صحابی کے جس قول پر اجماع ہوچکا ہو علماء اسے شرعی حجت قرار دیتے ہیں، اسی طرح صحابی کا وہ قول جس کے خلاف کسی اور صحابی کا قول معلوم نہ ہو، جب کہ وہ قول صحابہ کے درمیان عام اور مشہور ہوا؛ لیکن کسی صحابی نے اس کے خلاف کوئی نکیر نہیں فرمائی، گویا یہ اجماع سکوتی ہے، اس لئے یہ بھی حجت ہے۔

3. وہ مسائل جن میں اجتہاد اور رائے کی گنجائش ہے، جن کے بارے میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ملتے ہیں، اور ان میں بہت سے اقوال میں باہم تعارض بھی نظر آتا ہے اس قسم کے حجت ہونے میں علماء کے کئی نقاط نظر ہیں، شوافع اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حجت نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ ہم صرف کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل پر عمل کے پابند ہیں، جہاں تک قیاس واجتہاد کی بات ہے تو اس میں صحابہ اور دوسرے مجتہدین سب برابر ہیں، جیسا کہ خود صحابہ نے بعض مسائل میں تابعین کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے، اور صحابہ کے اقوال کے خلاف تابعین کی آراء موجود ہیں، اگر صحابی کا قول غیر صحابی پر حجت ہوتا تو کسی تابعی کے لئے اس کی مخالفت کی گنجائش نہ ہوتی۔

حنفیہ، مالکیہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حجت ہے، وہ کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے کوئی حکم نہ ملنے کی صورت میں قیاس کرنے کے بجائے ان متعارض اقوال صحابہ کے درمیان تطبیق کا عمل انجام دیتے ہیں یا ایک کو دوسرے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں، اگر کسی وجہ سے تطبیق یا ترجیح ممکن نہ ہو تب ان اقوال صحابہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور قیاس کرتے ہیں، بہر حال حجت ماننے کی صورت میں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ نے حضرات صحابہ کو سب سے بہتر نفوس قرار دیا ہے، اور ان کی خاص صفت اچھی باتوں کا حکم دینا بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ امر بالمعروف کا قبول کرنا واجب ہے، نیز بہر حال صحابہ کی رائے ہماری رائے سے بہتر ہے، اور وہ اس لئے کہ وہ نزول وحی کے زمانہ میں موجود تھے، تشریع احکام کی حکمت اور اسباب نزول سے اچھی طرح واقف تھے، اور ایک طویل عرصہ تک رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے، ان تمام وجوہات کی بنا پر ان کی آراء کو دوسروں کی آراء پر بڑی فضیلت حاصل ہے، اس لئے اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دینا یقینا افضل ہو گا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحابہ کے اقوال وآثار کے نقل کرنے کا زیادہ اہتمام حدیث کی دو کتابوں میں کیا گیا ہے، ایک مصنف ابن ابی شیبہ میں اور دوسری مصنف عبد لرزاق میں، موجودہ دور میں ابو عبد اللہ سید بن کسروی حسن نے اپنے علم ودانست اور اپنی تحقیق کے مطابق تمام آثار صحابہ کو "موسوعۃ آثار الصحابۃ" کے نام سے تین جلدوں میں جمع کر دیا ہے، جس میں 9195 آثار ہیں۔

4.2.7 سدّ ذرائع

لغوی اعتبار سے "سد" کا معنی روکنا اور بند کر دینا ہے، اور "ذرائع" وسائل کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ کسی بھی چیز تک پہنچا جا سکے خواہ وہ نفع بخش ہو یا ضرر رساں، اور شرعی نقطۂ نظر سے حلال ہو یا حرام، سد ذرائع سے مراد ان وسائل کا انسداد ہے جو معصیت، نقصان، اور مفاسد تک پہنچاتے ہوں، جیسے: عورتوں کی طرف دیکھنا حرام ہے؛ کیوں کہ یہ زنا کا پیش خیمہ ہے، لوگوں کے راستے میں کنواں کھودنا یا ان کے کھانوں میں زہر ڈالنا ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ افعال نقصان کا ذریعہ ہیں۔

علماء نے "ذریعہ" کی چار قسمیں کی ہیں:

1. جس کی وضع ہی کسی مفسدہ کے لئے ہو جس کی وجہ سے وہ مفسدہ کا ذریعہ یقینا بنے گا، جیسے تاریکی میں گھر کے دروازہ کے پیچھے کنواں کھودنا، جس کی طرف جانے والا یقینا کنواں میں گرے گا، یہ ذریعہ بالاتفاق حرام ہے۔

2. وہ جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو، اس سے کسی مفسدہ کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو؛ لیکن اکثر وہ مفسدہ کا سبب بن جاتا ہو، اور اس کا مفسدہ اس کی منفعت و مصلحت سے بڑھ کر ہو، تو وہ سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہو گا، جیسے حربیوں سے ہتھیار فروخت کرنا، فتنہ کے زمانہ میں اسلحہ بیچنا اور شراب بنانے والے سے انگور بیچنا، اصل کے اعتبار سے ہتھیار اور انگور کی خرید و فروخت جائز ہے؛ لیکن مذکورہ صورت میں ناجائز و حرام ہے۔

3. جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو، کبھی کبھی اس سے مفسدہ بھی پیدا ہو جاتا ہو، مگر اس کی مصلحت اس کے مفسدہ سے بڑھ کر ہو، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، جیسے خوردنی اشیاء کا فروخت کرنا جو عموماً لوگوں کے لئے ضرر رساں نہیں ہوتی ہیں۔

4. وہ جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو لیکن اس کو بہ کثرت مفسدہ کا وسیلہ بنالیا جاتا ہو، جیسے ادھار خرید و فروخت جو بہ کثرت سود کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

چوتھی صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنابلہ اور مالکیہ اس صورت میں بھی ذریعہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اور احناف اور شوافع ایسے ذریعہ کو مباح کہتے ہیں، اس لئے کہ بیع میں اصل جائز اور مباح ہونا ہے، مفسدہ کے وقوع کا احتمال ہے، یقین یا غالب گمان نہیں اور حکم کا مدار احتمال پر نہیں ہوتا ہے بلکہ یقین اور غالب گمان پر ہوتا ہے۔

4.3 کلیدی الفاظ

مصادر، مصدر کی جمع	:	سرچشمہ، دلیل شرعی
مآخذ	:	اخذ کرنے کی جگہ، دلیل شرعی
استنباط	:	استخراج کرنا نتیجہ نکالنا
ضمناً	:	کسی کے ضمن و تابع
مصالح	:	مفادات، فائدے
تعبدی	:	عبادت سمجھنا
توفیقی	:	اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا
مغیر	:	بدلنے والا
متعارض	:	باہم ایک دوسرے سے ٹکرانے والا
استصناع	:	سامان بنانے کا آرڈر دینا

4.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ثانوی مصادر: یہ متعدد ہیں، ان کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں سات مصادر مشہور ہیں۔
- استحسان: جس میں قرآن، حدیث یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر کے شریعت کی آسانی کو اختیار کیا جاتا ہے۔
- مصالح مرسلہ: یعنی ایسی انسانی مصلحتیں جن کے متعلق شریعت نے معتبر یا نامعتبر ہونے کی وضاحت نہ کی ہو۔
- عرف وعادت: یعنی جو عرف وعادت شریعت سے متصادم نہ ہو اس کا اعتبار کرنا اور شریعت کے جو احکام عرف پر مبنی ہوں، ان میں عرف کے بدل جانے سے تبدیلی لانا۔
- استصحاب: یعنی کسی چیز کی سابقہ حیثیت جواز وعدم جواز کو زمانہ حال و مستقبل میں برقرار رکھنا۔
- سابقہ شریعت: یعنی پچھلی قوموں کے جو احکام قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ انھیں کے ساتھ خاص تھے' ان کا اس امت کے لئے بھی واجب العمل ہونا۔
- قول صحابی: یعنی قیاسی مسائل میں صحابہ کے اقوال وآثار اور ان کے فتاوی کو حجت تسلیم کرنا۔
- سد ذرائع: یعنی معصیت، نقصان اور مفاسد تک پہونچانے والے راستوں کو بند کرنا یعنی شرعاً ان کو بھی ممنوع قرار دینا۔

4.5 نمونے کے امتحانی سوالات

4.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. استحسان کے معنی بتائیں؟

(a). کسی چیز کو اچھا سمجھنا (b). برا سمجھنا (c). دونوں غلط (d). دونوں صحیح

2. مصالح مرسلہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

3.(a) 5.(b) 10.(c) (d). تمام غلط

3. مصلحت کے لغوی معنی بتائیں؟

(a). نفع حاصل کرنا (b). نقصان کرنا (c). خراب کرنا (d). تمام صحیح

4. سابق شریعتوں کے احکام کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). چار (b). دس (c). ایک (d). نو

5. جن مسائل میں صحابہ کرام کے اقوال و آراء اور آثار و فتاوی منقول ہیں، اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). تین (b). دس (c). آٹھ (d). تمام غلط

6. علماء نے سد ذرائع میں "ذریعہ" کی کتنی قسمیں بتائیں ہیں؟

(a). چار (b). پانچ (c). دس (d). بارہ

7. مشہور ثانوی مصادر کتنے ہیں؟

(a). سات (b). چار (c). دو (d). ایک

8. کسی چیز کی سابقہ حیثیت جواز و عدم جواز کو زمانہ حال و مستقبل میں برقرار رکھنا؟ اسے کیا کہتے ہیں۔

(a). استصحاب (b). استحسان (c). قول صحابی (d). تمام غلط

9. قرآن، سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑ دینا؟ اسے کیا کہتے ہیں۔

(a). استحسان (b). قول صحابی (c). سابقہ شریعت (d). تمام صحیح

10. جس نے نبی کریمؐ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور پھر ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوا ہو، اسے کیا کہتے ہیں؟

(a). تابعین (b). تبع تابعین (c). صحابی (d). مفسر قرآن

4.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. استحسان کا مختصر تعارف کرایئے۔
2. سابقہ شریعتوں کے احکام کی چاروں قسمیں بیان کیجیے۔
3. مصالح مرسلہ پر نوٹ لکھیے۔
4. استحصاب پر بحث کیجیے۔
5. سد ذرائع کا معنی و مفہوم اور احکام کا جائزہ لیجیے۔

4.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. سابقہ شریعت پر تفصیل سے روشنی ڈالئے۔
2. صحابی کی تعریف کرتے ہوئے صحابی کے قول کی شرعی حیثیت واضح کیجیے۔
3. عرف وعادت کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد اس کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالئے۔

4.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
4. برصغیر میں علم فقہ : محمد اسحاق بھٹی
5. فتاوی دارالعلوم دیوبند (مقدمہ) : مرتب: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 5: فقہ بدلتے حالات میں

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 بدلتے مسائل

5.3 اجتہاد کی روایت

5.4 اجتماعی اجتہاد کے مراکز

5.5 چند معاصر مسائل اور فقہاء کے رجحانات

5.6 کلیدی الفاظ

5.7 اکتسابی نتائج

5.8 نمونہ امتحانی سوالات

5.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

اس اکائی میں بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں چند مسائل پیش کئے جائیں گے، اور یہ بتایا جائے گا کہ اجتہاد کا دروازہ اپنی چند شرائط کے ساتھ ہر زمانہ میں کھلا ہے، ہر زمانہ میں زمانہ کے مسائل کو حل کرنے کی اہلیت رکھنے والے علماء پیدا ہوتے رہیں گے، نیز اجتماعی اجتہاد کے مراکز کا تعارف بھی پیش ہوگا، اور ان مراکز میں حل ہونے والے مسائل میں سے چند نمونے بھی پیش ہوں گے، ساتھ ہی ان میں فقہاء کے جدید رجحانات کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد طلبہ کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ زمانہ و حالات کی تبدیلی سے کس طرح فقہی مسائل میں تبدیلی ہوتی ہے؟ اور کیا اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا؟ وہ یہ بھی جانیں گے کہ ہندوستان میں اجتماعی اجتہاد کے مراکز کہاں کہاں ہیں۔ ان سب سے واقف ہوں گے۔

5.2 بدلتے مسائل

بعض فقہی مسائل میں بعض وجوہات کی بنیاد پر تبدیلی آتی رہتی ہے، عام طور پر اخلاقی انحطاط، فساد زمانہ، سیاسی حالات کی تبدیلی، مقامات کی تبدیلی، عرف اور تعامل کی تبدیلی، معاشی نظام میں تبدیلی اور نئے وسائل کی پیدائش سے بعض احکام و مسائل میں از سر نو غور و فکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان میں تغیر آتا ہے۔

اصولی طور پر کفار کی طرف سے مسلمانوں کے لئے امیر کی تولیت اور ان کا انتخاب درست نہیں؛ بلکہ مسلمانوں میں ارباب حل و عقد کی طرف سے ہوگی؛ لیکن جب سیاسی حالات بدل جائیں تو فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور ان کو انتشار اور بکھراؤ سے بچانے کے لئے ان حالات میں کافر کی طرف سے بھی کوئی امیر متعین کر دیا جائے تو وہ قابل قبول ہوگا۔

ووٹ کی ایک حیثیت توکیل کی ہے، اس اعتبار سے ووٹ سے منتخب شخص کا عمل ووٹ دینے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے، ہندوستان یا اس جیسے جمہوری ممالک میں علماء نے مسلمانوں کے لئے ووٹ دینے کو ضروری قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ایک جمہوری ملک میں ووٹ ایک بہت بڑی طاقت ہے؛ اس لئے بحیثیت شہری اپنے حقوق کی وصولیابی کے لئے اور سرگرم سیاسی نمائندوں میں سے زیادہ قابل اعتبار نمائندہ کا انتخاب خود اپنے مفاد میں ہے، اور اس کے لئے وقت دینا ایک قومی ذمے داری ہے۔

ناپاک چیزوں کی خرید و فروخت اصل میں جائز نہیں ہے؛ لیکن بعد میں تعامل ہو گیا کہ بعض ناپاک چیزوں کی بھی خرید و فروخت کی جانے لگی، تو فقہاء نے اس کی اجازت دے دی؛ کیوں کہ قدیم زمانہ میں ناپاک چیزوں سے انتفاع کی صورت دریافت نہیں ہوئی تھی، اس لئے ناپاک چیزوں کی خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا، اب جب کہ بعض ناپاک چیزوں سے انتفاع ممکن ہو گیا تو اسکی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا، جیسے جانوروں اور انسانوں کے فضلات زمین کی کھاد کے لئے اور اس کی قوت پیداوار کو بڑھانے کے لئے کارآمد ہیں اور لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے۔ اسی بنیاد پر شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑوں کی خرید و فروخت جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ لوگوں کے انتفاع کا باضابطہ ذریعہ ہیں، حالاں کہ قدیم فقہاء کے یہاں ان کی خرید و فروخت درست نہیں تھی؛ کیوں کہ ان کے یہاں یہ چیزیں قابل انتفاع نہیں سمجھی جاتی تھیں اور متاخرین کے یہاں وہ تعامل کی وجہ سے قابل انتفاع ہو گئیں، اس لئے انہوں نے اس کی بیع کی اجازت دیدی۔ اسی طرح آج کل مشینوں کی

خرید پر وارنٹی دی جاتی ہے کہ ایک سال اسکی مرمت کی وارنٹی ہوگی، اصولی اعتبار سے یہ ایسی بیع ہے جس میں مرمت کی گارنٹی کی شرط لگی ہوئی ہے، اور ایسی بیع فاسد ہوتی ہے؛ لیکن تعامل کی وجہ سے اس معاملہ کو فقہاء نے درست قرار دیا ہے۔

نئے وسائل کی پیدائش کی وجہ سے شکلیں بدل جاتی ہیں، ان کی وجہ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، جیسے: سانپ کے چمڑے کی دباغت کا مسئلہ ہے، پہلے زمان میں ایسی مشینیں نہیں تھیں کہ باریک چمڑے کی دباغت ہو سکے، آج ایسے چمڑے کی دباغت ہوتی ہے، ایسی مشینیں آگئی ہیں کہ بھینس وغیرہ کے موٹے چمڑے کی کئی کئی تہیں کر دی جاتی ہیں اور باریک چمڑے کی دباغت بڑی آسانی سے ہو جاتی ہے، لہذا سانپ کے چمڑوں کی خرید و فروخت درست ہوگی؛ کیوں کہ اس کی دباغت ممکن ہو چکی ہے، قدیم زمانہ میں ممکن نہیں تھی اس لئے اس کی خرید و فروخت بھی درست نہیں تھی۔ پوسٹ مارٹم اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ انسانی احترام و شرافت کے مغائر ہے؛ لیکن جرائم کی تحقیق کے لئے فقہاء نے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے، پہلے زمانہ میں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جرائم کی تحقیق ممکن نہیں تھی۔ قرآن نے لباس و پوشاک کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ رکھی ہے (بقرۃ: 233) البتہ مقدار اور نوعیت متعین نہیں کی اور نہ اس کو مکمل طور پر متعین کرنا ممکن ہی ہے، لہذا یہ حالات، مقامات، عرف و تعامل اور موسموں کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور اس کی نوعیت میں تبدیلی آتی رہے گی۔

5.3 اجتہاد کی روایت

اجتہاد کی روایت شروع اسلام سے ہی چلی آرہی ہے اور اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا، گو اب اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم نئے مسائل کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا، قرآن و حدیث کی نصوص محدود ہیں، زندگی کے مسائل لا محدود ہیں، لا محدود کو محدود کے ذریعہ منضبط اور مقید نہیں کیا جاسکتا، سوائے اس کے کہ اجتہاد کیا جائے، اسی وجہ سے فقہاء نے جزوی اجتہاد کو روا رکھا ہے تاکہ ہر زمانہ میں نت نئے مسائل کا حل پیش کیا جاسکے۔ اسلام اپنے اندر قیامت تک آنے والے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور صنعتی انقلاب کے دور میں بھی اسلام لوگوں کی رہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، یہ دعوی اسی وقت کیا جاسکتا ہے اور درست ہوگا جبکہ اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے، مطلب یہ ہے کہ اسلام کے اندر ایسے اصول و قواعد اور کلی احکام ہیں کہ جن کی روشنی میں ہر طرح کے نئے مسائل کا حل ممکن ہے، اسی اساس پر آج نئے مسائل حل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت تک حل ہوتے رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی موقعوں پر اجتہاد کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ آپ کے اجتہاد کی تائید وحی سے ہو جاتی تھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے روزے سے متعلق ایک خاتون کے سوال کا جواب اجتہاد سے اس طرح دیا کہ اللہ کا دَین زیادہ قابل ادائیگی ہے (بخاری، حدیث نمبر: 1953)، دیکھئے آپ ﷺ نے دَین پر روزہ کو قیاس کیا۔

بعض صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد کیا ہے، آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں تو اجتہاد کیا ہی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو خود اجتہاد کرنے کی اجازت دی تھی بلکہ مزید دعا بھی فرمائی، اسی طرح غزوہ بنو قریظہ کے موقع سے

بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ کرنا واضح مثال ہے۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے خوب اجتہاد کیا، حضرت عمرؓ کے یہاں اجتماعی اجتہاد کا مرکز تھا، آپ کے بعد صحابہ کرام مختلف دور دراز شہروں میں پھیل گئے اور وہاں اپنی اپنی فقہ و فتاوی کے مراکز قائم کئے اور نئے مسائل میں اجتہاد کیا، ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس سلسلے کو قائم رکھا، اس طرح بہت سے فقہی مسالک وجود میں آئے۔

5.4 اجتماعی اجتہاد کے مراکز

یقیناً سائنسی ترقی سے جہاں بہت سی سہولتیں انسان کو فراہم ہوئیں وہیں مشکلات بھی پیدا ہوئیں، خاص طور پر بیسویں صدی میں دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن گئی، صنعتی انقلاب نے زندگی کا رخ بدل دیا، اور آئے دن نت نئے مسائل اسلام کے لئے چیلنج بن کر سامنے آنے لگے: معاشی اور اقتصادی امور میں نئی ترقیات نے نئے مسائل پیدا کر دئے، دوسری طرف ایسے جامع علماء کا فقدان ہو گیا جو علم و تحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کر سکیں اور جن کا تنہا فتوی بھی مسلم معاشرہ میں قابل قبول ہو۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی غور و فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور اصحاب فقہ و فتاوی اور باہمی تبادلہ خیال کے ذریعہ ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ اور فکری شذوذ سے پاک ہو۔ تاکہ امت کی صحیح سمت رہنمائی ہو سکے، اس پس منظر میں اجتماعی غور و فکر کا رجحان پیدا ہوا اور اس عہد میں خوب پروان چڑھا، جس میں مختلف فقہی مذاہب سے استفادہ کرتے ہوئے درپیش مشکلات کا شرعی حل پیش کرنے کی کوششیں کی گئیں، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی کانفرنس منعقدہ 1384ھ میں مجمع الفقہ الاسلامی کے قیام کی تجویز ڈاکٹر مصطفی زرقاء نے پیش کی جو مقبول ہوئی اور مجمع کی تشکیل عمل میں آئی، اس مجمع کے تحت دسیوں فقہی سیمینار ہو چکے ہیں اور بہت سے نئے مسائل زیر بحث آچکے ہیں، ان خطوط پر 1983ء میں (O.I.C) جدہ کے تحت فقہ اکیڈمی کی تشکیل ہوئی، اس اکیڈمی کے 14 سے زائد سیمینار ہوئے ہیں اور کئی درجن مسائل زیر بحث آئے ہیں، اسی مقصد کے تحت پاکستان میں مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد یوسف بنوری وغیرہ نے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کی بنیاد رکھی تھی، اسی طرح یورپ میں "یوروپی افتاء کونسل" قائم ہے، جس کا مرکز آئرلینڈ ہے اور جس کا مقصد نئے مسائل کو حل کرنا ہے، اسی مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ہندوستان میں بھی دار العلوم ندوۃ العلماء نے مجلس تحقیقات شرعیہ قائم کیا، جمعیۃ علماء ہند نے ادارۃ المباحث الفقہیۃ کی بنیاد رکھی، اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا قائم فرمائی۔ ان اداروں کے علاوہ اور بھی متعدد ادارے قائم ہوئے ہیں۔

☆ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ:

اس کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ہیں، جس کی تاسیس 1381ھ مطابق 1963ء میں عمل میں آئی، اس کے ناظم یکے بعد دیگرے مولانا محمد تقی امینی اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی رہ چکے ہیں، ان دونوں حضرات کے بعد مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب مقرر ہوئے۔

اجتماعی غور و فکر کی شکل میں زمانہ شناس، بالغ نظر اور فقہی بصیرت کے حامل علماء کو جمع کرنا اور لوگوں کے سامنے نئے مسائل کا

شرعی حل پیش کرنا اور فقہی مشکلات میں ان کی رہنمائی کرنا مجلس کے قیام کا بنیادی مقصد تھا، چنانچہ اس عظیم مقصد کے لئے پورے ملک سے مختلف مکاتب فکر کے چیدہ باکمال فقہاء، ماہرین فقہ علماء اور دانشوران سے مجلس تشکیل دی گئی، جن میں بنیادی ارکان مجلس اس طرح تھے: مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، مولانا فخر الدینؒ، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ، مولانا عمران خان ندویؒ، مولانا ابو للیث اصلاحی ندویؒ، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مولانا اویس نگرامی ندویؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا رضا احمد انصاریؒ، مولانا تقی امینیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمنؒ، مولانا اسحاق سندیلوی ندوی، مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا شاہ عون احمد قادریؒ، مولانا مجیب اللہ ندویؒ، مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

مجلس کی بحث و تحقیق کا طریقہ کار یہ تھا کہ مجلس کے ذمہ داران سب سے پہلے ان نئے مسائل کی فہرست تیار کرتے جن کا شرعی حل دریافت کرنا مطلوب تھا، پھر ان میں سے کسی ایک مسئلہ کا انتخاب عمل میں آتا اور اس کی جزوی و ذیلی تفصیلات سوالات کی شکل میں تمام اراکین کے پاس بھیج دی جاتیں، اس کے بعد جب تمام اراکین کی طرف سے اس کے جوابات جمع ہو جاتے، تو تمام اراکین مجلس جمع ہوتے اور اس مسئلہ سے متعلق دئے گئے جوابات کی روشنی میں اجتماعی غور و فکر کرتے، دلائل کی تنقیح ہوتی اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد کسی ایک نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی، پھر اس کے بعد ایک اجتماعی فیصلہ کے طور پر اس کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ یہی اجتماعی فیصلہ فقہ کی اصطلاح میں اجتماعی اجتہاد کہلاتا ہے۔

مجلس کے چند فیصلے: مجلس نے جدید مسائل کے لئے جو اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اختیار کیا تھا، اس کے مطابق چار مسائل پر غور و خوض ہو سکا اور اجتماعی فیصلے منظر عام پر آسکے، گرچہ یہ سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، البتہ جن مسائل کی بابت فیصلے ہوئے وہ اپنے زمانے کے بڑے اہم تھے، اور فیصلے بھی بڑے معتدل و متوازن ہوئے، اس طرح اس مجلس نے آنے والے علماء کے لئے اجتماعی اجتہاد کی راہ دکھائی اور ہندوستان میں اجتماعی غور و فکر کی ایک نئی روایت قائم ہوئی، جن مسائل کے متعلق فیصلے ہوئے ہیں وہ یہ تھے: انشورنس کا مسئلہ، رؤیت ہلال کا مسئلہ، نس بندی کا مسئلہ اور سرکاری قرضوں کا مسئلہ۔

☆ادراۃ المباحث الفقہیۃ :

جمعیۃ علماء ہند انگریزوں سے مقابلہ کے لئے 1919ء میں قائم ہوئی، اس جمعیۃ نے مفتی محمد میاں صاحبؒ کی تحریک پر ادارۃ المباحث الفقہیۃ کی بنیاد 1970ء میں رکھی، اور مفتی محمد میاں صاحبؒ ہی اس کے نگراں و ذمہ دار تاحیات رہے، اور اپنے زمانہ میں رؤیت ہلال اور حق تصنیف کی بیع وغیرہ موضوعات پر غور و فکر کرنے کے لئے علماء کو جمع فرمایا، آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ تھم سا گیا، پھر مولانا اسعد مدنیؒ کی مسلسل تحریک پر مجلس عاملہ نے اپنی ایک تجویز کے ذریعہ 1990 میں ادارۃ المباحث الفقہیۃ کو دوبارہ بحال کیا، اور اجتماعی غور و فکر کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور چار فقہی سیمینار ہوئے، اور وہ اس طرح:

پہلا سیمینار: سہ روزہ مورخہ 24-22/ رجب 1411ھ م 10-8/ فروری 1991ء بعنوان: غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں، دیوبند میں منعقد ہوا۔

دوسرا سیمینار: دوروزہ مورخہ 21-22/ جمادی الاولیٰ مطابق 29-28/ نومبر 1991ئ، بعنوان: اسلامی نظام قضاء اور ہندوستان، دیوبند ہی میں منعقد ہوا۔

تیسرا سیمینار: سہ روزہ مورخہ 9-7/ 1993ء کو مدراس میں منعقد ہوا، مرکزی موضوع "شیئرز وایکسپورٹ" تھا۔

چوتھا سیمینار: دوروزہ دیوبند میں مورخہ 25-24/ اکتوبر 1994ء کو بعنوان "دوسرے مسلک پر فتوی اور عمل کے حدود وشرائط" منعقد ہوا۔

☆اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا:

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ہندوستان کے ممتاز اہل علم کے ساتھ لے کر 1989ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، کی بنیاد رکھی، اور وسیع سطح پر نئے پیدا ہونے والے فقہی مسائل پر غور وفکر کے لئے ایک عظیم الشان پلیٹ فارم مہیا کیا، جس نے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے اہم فقہاء اور ارباب افتاء کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس کے بائیس فقہی سیمینار ہو چکے ہیں، ان سیمیناروں میں مختلف فقہی ابواب کے تحت متعدد موضوعات زیر بحث آئے ہیں، وہ فقہی ابواب اور ان کی تعداد اس طرح ہے:

(الف) اصولی مسائل:4، (ب) عبادات:28، (ج) معاشرتی مسائل:17 (د) معاشی مسائل:28، (5) میڈیکل مسائل:13، (و) جدید آلات وذرائع:3، (ز) متفرقات:6، اصولی مسائل کے تحت اہم موضوعات یہ ہیں "شریعت میں ضرورت وحاجت کی رعایت اور اس کے حدود"، شریعت میں عرف وعادت کا اعتبار اور اس کے اصول وقواعد وغیرہ، عباداتی مسائل کے تحت اہم موضوعات اس طرح ہیں: انقلاب ماہیت اور طہارت ونجاست اور حلت وحرمت پر اس کا اثر"، "پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ"، "روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال"، سماجی مسائل کے تحت اہم موضوعات کس طرح ہیں: "فون، ریڈیو کانفرنسنگ اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح"، "مسلم وغیر مسلم تعلقات" اور "نشہ آور اشیاء اور ان کے شرعی احکام" وغیرہ، معاشی مسائل کے تحت اہم موضوعات اس طرح ہیں: "جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود معاملات"، کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت"، "کمپنیوں کے مشیرزے بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ وغیرہ طبی مسائل کے تحت اہم موضوعات اس طرح ہیں: "اعضاء کی پیوندکاری" کلوننگ، ایڈز، جینیٹک ٹسٹ، ڈی این اے ٹسٹ، یوتھینزیا اور پلاسٹک سرجری وغیرہ ان کے علاوہ متعدد اہم موضوعات ہیں ان موضوعات سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ اکیڈمی نے کتنے اہم اور تازہ ترین موضوعات کو اپنے بحث وتحقیق کا موضوع بنایا ہے اور اس سلسلہ میں کامیابی کے ساتھ تجاویز پاس کی ہیں۔

ان سیمیناروں میں جن جزئیات پر بحث ہوئی ہے، ان میں بحیثیت مجموعی 35 مسائل پر فیصلے کئے گئے ہیں، یہ فیصلے سیمیناروں کی ترتیب پر بھی اور فقہی ترتیب پر بھی شائع ہو چکے ہیں، ان سیمیناروں میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں ان کی تعداد 3055 ہے، اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جن اہل علم اور افتاء نے شرکت کی ہے، مجموعی طور پر ان کی تعداد 1186 ہے، بیرون ملک سے سیمینار میں شرکت کرنے والے فضلاء کی تعداد 52 ہے، جن کا تعلق دنیا کے بیس ملکوں سے ہے، اب تک ان سیمیناروں کے مقالات پر مشتمل 77 مجموعے شائع

ہو چکے ہیں، جو بحیثیت مجموعی 46388 صفحات پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ متعدد مجلات کے عربی و انگریزی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں، نیز تجاویز عربی، انگریزی اور فارسی کے علاوہ ہندوستان کی اکثر اہم مقامی زبانوں میں بھی طبع ہو چکی ہیں۔

فقہی سیمینار اور اس کا طریقہ کار: اس سلسلہ میں سب سے پہلا مرحلہ سیمینار کے لئے زیر بحث آنے والے موضوعات کے انتخاب کا ہوتا ہے، اس کے لئے سیمینار میں شریک ہونے والے شرکاء سے آئندہ سیمینار کے موضوعات کے لئے تحریری رائے لی جاتی ہے، اب تک مختلف سیمیناروں میں جو عنوانات آئے ہیں ان کی مکمل فہرست مرتب کر دی گئی ہے، اکیڈمی کی مجلس علمی بھی عنوانات کے سلسلہ میں اپنا مشورہ پیش کرتی ہے، جس میں پورے ملک سے ممتاز اہل قلم اور اہل علم شامل ہوتے ہیں، پھر مجلس منتظمہ ان تمام آراء کو سامنے رکھ کر اور عالمی اور ملکی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ سیمینار کے لئے موضوعات کا انتخاب کرتی ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ یہ موضوعات مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اور موجودہ حالات وضروریات سے زیادہ مطابقت رکھنے والے ہوں۔

اس کے بعد اس موضوع سے متعلق قابل بحث نکات پر مشتمل سوال نامہ اکیڈمی مرتب کرتی ہے اور اسے ملک وبیرون ملک کے فقہاء، ارباب افتاء اور اسکالرس کے پاس بھیجا جاتا ہے، اگر سوال کا تعلق کسی سائنسی ایجاد، یا سماجی ومعاشی مسئلہ سے ہو تو اس کے عملی اور سائنسی پہلو پر ان شعبوں کے ماہرین سے مقالات لکھائے جاتے ہیں اور یہ مقالات اگر انگریزی میں ہوں تو ان کا اردو ترجمہ کرایا جاتا ہے اور یہ بھی علماء و ارباب افتاء کے پاس بھیجا جاتا ہے؛ تاکہ صورت مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے اور وہ اس کی تفصیلات سے واقف ہو جائیں، ہندوستان میں اہل سنت کے تمام مکاتب فکر سے متعلق اہم درسگاہوں کے ارباب افتاء، نیز ان تمام شخصیتوں کے نام یہ دعوت نامہ جاتا ہے، جو تصنیف و تالیف، تدریس، قضاء یا اور کسی جہت سے فقہ اسلامی سے مربوط ہوں۔

اہل علم کی طرف سے جو مقالات آتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ہوتی ہے؛ اس لئے اکیڈمی کا شعبۂ علمی ان مقالات کی اس طرح تلخیص کرتا ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے آجائے، اگر اتفاق ہو تو متفقہ رائے اور اختلاف ہو تو اختلاف رائے کا اظہار کیا جائے اور مقالہ نگاروں نے کتاب و سنت سے جو استدلال اور فقہاء کی عبارتوں سے جو استشہاد کیا ہو، اختصار کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہو، یہ تلخیص سیمینار کے موقع سے شرکاء کو فراہم کی جاتی ہے؛ تاکہ انہیں بحث کرنے میں سہولت ہو۔

پھر موضوع کے مختلف پہلوؤں کے لئے مقالات کی معنوی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے "عارض" مقرر کیا جاتا ہے، اس پہلو سے متعلق تمام مقالات کی فوٹو کاپی انہیں فراہم کی جاتی ہے، وہ ان مقالات میں پیش کئے ہوئے نقاط نظر کو مرتب کرتے ہیں اور ان کے دلائل اور اسباب ووجوہ کا بھی ذکر کرتے ہیں، شرکاء سیمینار خود اپنی تحقیق ومطالعہ، مقالات کی تلخیص اور عارض کی بحث کو سامنے رکھتے ہوئے اظہار خیال کرتے ہیں اور تمام ہی شرکاء کو بحث میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے اور اس کے لئے خاصا وقت دیا جاتا ہے۔

اس موقع سے صورت مسئلہ کو واضح کرنے کی ذمہ داری ماہرین کو دی جاتی ہے اور اسی لئے زیر بحث موضوع کی مناسبت سے چند ماہرین بھی سیمینار میں شریک ہوتے ہیں، جو تصویر مسئلہ میں اپنی ماہرانہ رائے سے علماء کو معلومات فراہم کرتے ہیں، بحث مکمل ہونے کے بعد اس مسئلہ پر تجویز مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی جاتی ہے، اس کمیٹی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ یا تو انہوں نے

اس موضوع پر بہتر مقالہ لکھا ہو یا نمایاں طور پر بحث میں حصہ لیا ہو، یا ان کو فتوی نویسی کا قدیم تجربہ ہو، اگر بحث کے دوران اتفاق رائے نہیں ہو سکا تو اس میں دونوں آراء کے حامل نمائندہ افراد کو شامل کیا جاتا ہے، اب یہ کمیٹی مقالات اور بحث کے دوران آنے والے نکات کو سامنے رکھتے ہوئے مزید تبادلۂ خیال کے بعد تجویز مرتب کرتی ہے، جس کو سیمینار کے مندوبین کی عمومی اختتامی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس مرحلہ میں بھی جزوی ترمیمات کی جاتی ہیں، سب کمیٹی کی مرتب کی ہوئی تجویز لوگوں پر مسلط نہیں کی جاتی، جس تجویز پر اتفاق ہوا ہے، اسے متفقہ حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے، جس میں شرکاء کی غالب ترین اکثریت کی ایک رائے ہو اور ایک دو اشخاص کو اختلاف ہو، ان میں پہلی رائے کو بحیثیت تجویز ذکر کرتے ہوئے اختلاف رکھنے والے حضرات کے نام ذکر کئے جاتے ہیں، صرف اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جاتا، اگر دونوں نقطۂ نظر کے حاملین کی مناسب تعداد ہو تو تجویز میں اختلاف رائے کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نقاط نظر کو مساوی درجہ دیا جاتا ہے اور ہر رائے کے قائلین میں معروف، نمایاں اور اہم شخصیتوں کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، پھر جن الفاظ میں تجاویز سیمینار میں پاس ہوتی ہیں، بعینہ اسی طرح ان کو طبع کیا جاتا ہے۔

5.5 چند معاصر مسائل اور فقہاء کے رجحانات

1. معاصر مسائل بے شمار ہیں، اور دن بہ دن ان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، لیکن ان میں چند اہم موضوعات اور ان کے سلسلہ میں فقہاء کے رجحانات آپ کے سامنے ہیں:

کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور افراط زر کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گر جاتی ہے، اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت حال کی وجہ سے شرعاً گنجائش ہو گی کہ دیون یعنی موخر مطالبات مثلاً: قرض، مہر، ادھار خریداری کی رقم اور وقت پر ادا نہ ہونے والی تنخواہوں کی ادائیگی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کر دیا جائے اور کیا ایسے کسی اشاریہ کی ترتیب اور اس کے ذریعے ادائیگیوں میں انضباط ممکن بھی ہے، اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ عامۃ الناس کے درمیان ادائیگیوں کے لئے ایسے معیار مقرر کرنا جن کی بنیاد دقیق فنی اصولوں پر ہو، باہمی مستقل تنازعہ کا موجب ہو گا، نیز یہ کہ اس طرح سو روپئے کے بدلے پانچ سو روپئے کی ادائیگی سود کے دروازے کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی یا نہیں۔

اس سلسلہ میں دور حاضر کے فقہاء کے رجحانات مختلف ہیں، بعض عرب و ہند کے علماء کا رجحان جواز کا ہے جب کہ جمہور علماء عرب و ہند کا رجحان عدم جواز کا ہے، جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ مؤخر بقایاجات کی وصولی کے لئے کرنسی کو قیمتوں کے اشاریہ سے مربوط کرنے میں مماثلت معنوی اور مالیت کے اعتبار سے برابری ہو گی، صرف صوری و ظاہری اعتبار سے مساوات کی صورت میں یہ بات نہیں پائی جائے گی۔

عدم جواز کے قائلین (جمہور علماء) کا استدلال قرآن و حدیث اور قدیم فقہاء کی تصریحات ہیں، استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤخر مطالبوں کی ادائیگی کو کرنسی کی قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کرنے میں عین سود یا سود کی مشابہت ضرور پائی جاتی ہے، اور یہ دونوں ہی حرام و ناجائز ہیں، اللہ تعالی نے سود کو صاف لفظوں میں حرام قرار دیا ہے (البقرہ:279،257) اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اموال ربویہ میں کمی

بیشی کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔(مسلم، حدیث نمبر:4057، حدیث نمبر:4069، بخاری، حدیث نمبر:2201)اور چاروں مذاہب کے قدیم فقہاء کی تصریحات سے مذکورہ بالا صورت ناجائز ٹھہرتی ہے؛ کیونکہ تمام ہی فقہاء نے لکھا ہے کہ دیون کی ادائیگی میں جو چیز جس نوع کی جتنی مقدار میں ادھار لی گئی ہو، اتنی ہی مقدار میں اسی کے مثل ادا کرنا ضروری ہے۔

1407 ھ میں ایک سیمینار اسلامی ترقیاتی بینک جدہ اور عالمی ادارہ برائے اسلامی اقتصادیات اسلام آباد نے مشترکہ طور پر منعقد کیا تھا، جس کی تجویز یہ ہے:

سیمینار میں حاضر تمام علماء نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ سود اور قرض کی احادیث میں جو برابری ضروری قرار دی گئی ہے وہ شرعی جنس اور قدر یعنی وزن، ناپ اور عدد میں برابری مراد ہے، قیمت میں برابری مراد نہیں، اور یہ بات احادیث کے ذریعہ پوری طرح واضح ہو جاتی ہے جو احادیث اموال ربویہ کے تبادلہ کے وقت عمدہ اور گھٹیا کے وصف کو غیر معتبر قرار دیتی ہیں، اور اس پر امت کا اجماع ہے اور اسی پر عمل جاری ہے۔

ذمہ میں ثابت شدہ دیون چاہے وہ کسی بھی قسم کے ہوں ان کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ منسلک کر دینا جائز نہیں بایں طور کہ عاقدین عقد بیع یا عقد قرض کے وقت اس کرنسی کو جس کے ذریعہ عقد بیع یا عقد قرض کر رہے ہیں کسی سامان کے ساتھ منسلک کر کے یہ شرط ٹھہرائیں کہ مدیون ادائیگی کے وقت اس سامان کی قیمت موجودہ کرنسی میں ادا کرے گا (یہ جائز نہیں ہے)"۔

2. ہندوستان میں سود کی حلت اور حرمت کے بارے میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علماء ہند نے سود لینے کو جائز قرار دیا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اور دارالحرب میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے سود لینا درست ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کی رائے ہے، جبکہ جمہور علماء دارالحرب میں بھی سود کو حرام قرار دیتے ہیں، یہی رائے احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کی ہے، اس کے قائل امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دارالحرب میں سود کی حلت اور حرمت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، اور ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان پر دارالحرب کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، اس لئے کہ دارالحرب وہ ملک ہے جہاں کافروں کو امن حاصل ہو اور مسلمان امن سے محرومی کے ساتھ اپنے مذہبی حقوق وعبادات اور جمعہ وعیدین کی علانیہ انجام دہی سے قاصر ہوں، البتہ ہندوستان پر دارالامن کی تعریف صادق آرہی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالامن وہ ملک ہے جہاں کلیدی اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو؛ لیکن مسلمان مامون ہوں، مسلمان دعوت دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں، اور ان اسلامی احکام پر جن کے نفاذ کے لئے اقتدار ضروری نہ ہو، عمل کر سکتے ہوں۔ اس رو سے دیکھا جائے تو ہندوستان دارالامن کے حکم میں آتا ہے۔ اس لئے یہاں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق بھی سود حلال نہیں ہو گا۔

3. کمرشیل انشورنس: جس کی بنیادی طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں: لائف انشورنس، ذمہ داریوں کا انشورنس اور املاک کا انشورنس، انشورنس کے شرعی حکم کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، علماء کی ایک قلیل تعداد اس کو جائز قرار دیتی ہے ان علماء میں شیخ مصطفی زرقاء، شیخ علی خفیف، اور ہندوستان کے اہل علم میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں؛ لیکن اکثر علماء عرب

اور ہندو پاک نے اس کو کئی وجوہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔

جن بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ انشورنس ایک نیا مسئلہ ہے، جس کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ہے، اور ایسے معاملات جن کے بارے میں کتاب وسنت میں نہ حلت کی صراحت ہو اور نہ ہی ممانعت کی، تو ان کے بارے میں دو اصول ہیں، ایک یہ کہ اس میں مصلحت کا پہلو ہو تو وہ جائز ہو گا ورنہ ناجائز، اور انشورنس میں لوگوں کی مصلحت ومفاد ہے، دوسرے جن امور کے بارے میں اجازت یا ممانعت منقول نہ ہو ان کے بارے میں اصل مباح ہونا ہے، فقہی قاعدہ ہے: ''الأصل فی الاشیاء الإباحة'' لہذا اس قاعدہ کے تحت انشورنس کی صورتیں جائز ہوں گی۔

یقیناً یہ بات درست ہے کہ جن اشیاء کے بارے میں قرآن وحدیث میں صراحت نہ ہو تو ان میں مصلحت کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا، اور اشیاء میں اصل مباح اور جائز ہونے کے قاعدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو جائز تصور کیا جائے گا؛ لیکن جو لوگ کمرشیل انشورنس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں ان کے یہاں انشورنس میں قمار، اس کی بعض صورتوں میں سود اور غرر پائے جاتے ہیں؛ اس لئے یہ ان امور میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں صراحت نہ ہو کہ اس پر ''مصلحت'' اور ''اشیاء میں اصل اباحت ہے'' کا اطلاق ہو سکے۔

جمہور علماء انشورنس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ لائف انشورنس میں ایک مقررہ مدت تک پالیسی ہولڈر زندہ رہا تو جمع شدہ رقم پر ایک بڑی رقم اضافہ کے ساتھ اس کو ملتی ہے، یہ اضافی رقم سود ہے، اس طرح وہ تمام صورتیں جن میں کمپنی اضافہ کے ساتھ رقم واپس کرتی ہے، سود کے زمرہ میں آجاتی ہے۔

''غرر'' کے دو معنی آتے ہیں، ایک دھوکہ کے، ظاہر ہے کہ انشورنس کی تمام صورتیں پہلے سے واضح ہوتی ہیں، کوئی بھی صورت پالیسی ہولڈر پر پوشیدہ نہیں رہتی ہے؛ اس لئے اس میں دھوکہ تو نہیں ہے، البتہ دوسرا معنی ''خطر'' کا ہے وہ یہاں پایا جاتا ہے، خطر سے مراد یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لئے نفع ایسی شرط پر موقوف کر دیا جائے جن کا ہونا اور نہ ہونا غیر یقینی ہو، اور معاملہ کی ایسی صورت قمار شمار ہوتی ہے جس کو قرآن کی تعبیر میں ''میسر'' کہا گیا ہے (مائدہ:90)، مشہور مفسر اور فقیہ ابو بکر جصاص کا بیان ہے کہ ''اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قمار حرام ہے''، مخاطرہ،، بھی قمار ہی کی ایک صورت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا: مخاطرہ قمار ہے، ظاہر ہے کہ انشورنس کی تمام ہی صورتوں میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے۔

4. انسانی اعضاء کی پیوند کاری: خود انسان اپنے کٹے ہوئے حصہ کی اپنے جسم میں پیوند کاری کر سکتا ہے یا نہیں، گو اس میں ہمارے متقدمین فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے ناجائز قرار دیا ہے، ان کے نزدیک کٹے ہوئے حصہ کو دفن کرنا ضروری ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست ہے؛ اس لئے کہ انسان کا خود اپنے عضو سے فائدہ اٹھانے میں اس کی اہانت نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

اس سے متعلق دوسرا مسئلہ ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کا ہے، اس کے بارے میں دور حاضر کے فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، علماء کی ایک جماعت نے مطلق ناجائز قرار دیا ہے، اور بعض دوسرے علماء نے عام حالات میں

ناجائز اور اضطرار وضرورت کی صورت میں جائز کہا ہے، ان کے سامنے فقہ کے مشہور قواعد ہیں:،الضرورات تبیح المحظورات(ضرورت کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز قرار پاتی ہیں)،المشقة تجلب التیسیر (مشقت پیدا ہو جائے تو یسر و آسانی کی راہ اختیار کی جاتی ہے)،ان قواعد کے پیچھے وہ آیات ہیں جن میں اضطرار کی حالت میں جان بچانے کے لئے حرام چیزوں کے استعمال کا ذکر ہے، اسی طرح حالت اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

جن لوگوں نے دوسرے کے اعضاء سے پیوندکاری سے منع کیا ہے، انہوں نے فرمایا: چونکہ انسان کے علیحدہ شدہ اعضاء ناپاک ہو جاتے ہیں اور انسان خود اپنے جسم کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ وہ امین ہے؛ لیکن دیکھا جائے تو فقہاء نے ضرورت کے وقت انسانی ضرورت کی رعایت رکھتے ہوئے ان امور کو مباح قرار دیا ہے؛ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے ناپاک چیزوں سے علاج کو درست قرار دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک علاج کے لئے گھوڑے کے گوشت اور اونٹ کے پیشاب کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح فقہاء نے اپنے جسم میں ایسے تصرف کی اجازت دی ہے جو کسی نص صریح سے متعارض نہ ہو۔

منع کرنے والوں کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ انسان مکرم و معزز ہے اس کی اہانت درست نہیں، اس کے اعضاء سے انتفاع اور اس کی خرید و فروخت اس کی شان تکریم کے خلاف اور اہانت ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں انسانی اعضاء کی پیوندکاری اہانت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ اہانت کا معیار اور حدود کیا ہیں؟ تو قرآن وحدیث میں اس کی واضح تحدید نہیں ملتی، اس لئے یہ عرف وعادت پر محمول ہو گا، جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اس کی صراحت کی ہے۔ اور عرف وعادت کی صورتیں زمانہ وحالات اور علاقہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں اور بدلتی رہتی ہیں، عین ممکن ہے کہ جن فقہاء نے انسانی اعضاء سے انتفاع کو منع کیا ہے ان کے زمانہ میں یہ عمل توہین تصور کیا جاتا تھا، اور اس دور میں انسانی اعضاء سے انتفاع کے ایسے طریقے رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر انسانی اجزاء سے انتفاع کیا جا سکے جیسا کہ موجودہ دور میں رائج ہو چکے ہیں، اس لئے اس دور میں اس عمل کو توہین تصور نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ عطیہ کے طور پر اعضاء دینے والا اپنے آپ کو باعزت محسوس کرتا ہے اور لوگ بھی اسے عزت دیتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے بعض لوگ اپنی نیک نامی کے لئے اس قسم کی وصیت بھی کر جاتے ہیں، موجودہ زمانہ میں اعضاء انسانی سے انتفاع کے ایسے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جن میں انسانی اہانت نہیں ہے اور نہ ہی عرف میں اس کو اہانت سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اصولی طور پر ان کو درست اور جائز ہونا چاہئے۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہ ضرورت جبکہ اس میں اہانت انسانی نہ ہو تو جائز قرار دیا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے لکھا ہے کہ دوسرے فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جا سکتی ہے۔

نیز موجودہ زمانہ میں اعضاء کی پیوندکاری طبی اعتبار سے اتنی زیادہ ترقی یافتہ ہے کہ اس میں اب جان کی ہلاکت یا ضرر شدید کا اندیشہ باقی نہیں رہا بلکہ بہت ہی محفوظ طریقہ پر اس عمل کو انجام دیا جاتا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے دوسرے فقہی سیمینار منعقدہ دہلی بتاریخ 11-8/ دسمبر 1989ء نے اس موضوع پر فیصلہ کیا ہے، وہ درج

ذیل ہے :

1. ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

2. اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

3. اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہونچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بیکار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کے ذریعہ اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہو گا۔

4. اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہو گا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دیکر اس کی جان بچائے۔

5.6 کلیدی الفاظ

منصوص	جس مسئلہ کے بارے میں قرآن یا حدیث میں صراحت موجود ہو
غیر منصوص	وہ مسئلہ جس کے بارے میں قرآن یا حدیث میں صراحت موجود نہ ہو
تاویل	ایک لفظ میں کئی معنوں کا احتمال ہو، ان میں سے ایک کو غلبہ گمان کی بنیاد پر ترجیح دینا نہ کہ یقین کی بنیاد پر
یکساں	برابر
تغیر	تبدیلی
وصال	وفات
امیر کی تولیت	امیر مقرر کرنا
فقدان	نایاب
ہدف	نشانہ

ارباب افتاء	مفتیان، فتوی دینے والا
عارض	پیش کرنے والا
اموال ربویہ	وہ مال جن میں کمی بیشی سے سود کی شکل پیدا ہو جائے
دیون	مؤخر مطالبات یعنی جن کی آدائیگی کا مطالبہ دیر سے ہو فوری نہ ہو
یسر	آسانی
عضو	جمع اعضاء، جسم کا ایک حصہ
انتفاع	نفع حاصل کرنا، فائدہ اٹھانا

5.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بعض فقہی مسائل میں زمانہ وحالات، عرف وعادت، نئے وسائل کی پیدائش اور بدلتے معاشی نظام کی وجہ سے تبدیلی آتی ہے، سیاسی حالات کی تبدیلی کے نتیجہ میں کافر حکمراں کی طرف سے مسلمانوں کے امیر کے انتخاب کو درست قرار دیا گیا، ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں ووٹ دینا ضروری ہے، ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کو لوگوں کے عرف وتعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا جب کہ ان سے انتفاع ممکن ہو جائے۔
- نئے وسائل کی پیدائش سے مسائل کی شکلیں بدل جاتی ہیں، دیکھئے پہلے زمانہ میں باریک چمڑے کی دباغت مشکل تھی؛ لیکن موجودہ دور میں بالکل آسان ہو گئی، اسکی وجہ سے سانپ کے چمڑے کی خرید وفروخت درست قرار پائی؛ کیوں کہ اسے دباغت دے کر اس سے انتفاع ممکن ہو گیا، اسی طرح جرائم کی تحقیق کے لئے پوسٹ مارٹم کو فقہاء نے جائز قرار دیا۔
- نئے مسائل کے حل کے لئے ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت پڑی ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت رہے گی؛ کیوں کہ زمانہ کی تیز رفتاری کے ساتھ جدید مسائل بھی اسی رفتار سے پیدا ہو رہے ہیں اور اسلام کی ابدیت اور اس کی پائیداری کے لئے نئے مسائل کا حل پیش کرنا بے حد ضروری ہے، اور یہ اجتہاد اور قیاس کے بغیر ممکن نہیں، پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے اجتہاد سے کام لینے کی روایت عہد رسالت سے آج تک رہی ہے، اور آئندہ بھی رہے گی، دور جدید میں اجتماعی غور وفکر کا رواج فروغ پا رہا ہے جو ایک خوش آئند بات ہے؛ کیوں کہ اس میں انحراف کی گنجائش کم رہتی ہے اور صحیح رائے قائم کرنے میں آسانی ہوتی ہے، ہندوستان میں اجتماعی اجتہاد کے تین اہم مراکز قائم ہوئے: مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، جمعیۃ علماء ہند کے تحت ادارہ مباحث فقہیہ۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا جو اس وقت سرگرم عمل ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی ادارے کام کر رہے ہیں۔
- معاصر مسائل میں ایک مسئلہ دیون کی ادائیگی قیمتوں کے اشاریہ سے مربوط کرنے کا ہے، بعض معاصر علماء نے اس کو جائز قرار دیا

ہے جب کہ اکثر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ: جو چیز جس مقدار میں ادھار لی گئی ہو، اتنی ہی مقدار میں اس کا مثل ادا کرنا ضروری ہے۔

- ہندوستان میں سود کی حلت کے بارے میں علماء ہند کا اختلاف ہے، بعض علماء نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیتے ہوئے سود مسلم اور غیر مسلم سب سے لینے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اکثر علماء ہند ہندوستان کو دار الحرب قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ دار الامن کہتے ہیں اور یہاں سود کے لین دین کو حرام قرار دیتے ہیں۔
- کمرشیل انشورنس کی تین صورتیں ہوتی ہیں: لائف انشورنس، ذمہ داریوں کا انشورنس اور املاک کا انشورنس، بعض علماء عرب و ہند نے انشورنس کی ان تینوں ہی صورتوں کو جائز کہا ہے، جب کہ اکثر علماء عرب و ہند نے اس کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ان میں قمار، سود اور غرر پائے جاتے ہیں جو کہ کسی معاملہ کو شرعاً حرام و ناجائز بنا دیتے ہیں۔

5.8 نمونہ امتحانی سوالات

5.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مجلس الفقہ الاسلامی کے قیام کی تجویز کس نے پیش کی۔

(a). ڈاکٹر مصطفی زرقاء (b). ابو الحسن علی ندوی (c). حسین احمد مدنی (d). علامہ یوسف قرضاوی

2. مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی۔

(a). پاکستان (b). ہندوستان (c). بنگلہ دیش (d). نیپال

3. یوروپی افتاء کونسل کا مرکز کہاں ہے۔

(a) آئرلینڈ (b). بنگلہ دیش (c). ہندوستان (d). قطر

4. مجلس تحقیقات شرعیہ کس ادارے نے قائم کیا۔

(a). ندوۃ العلماء (b). دار العلوم دیوبند (c). جامعۃ الفلاح (d). مدرسۃ الاصلاح

5. مجلس تحقیقات شرعیہ کے بانی کون ہیں۔

(a). ابو الحسن علی ندوی (b). محمد علی مونگیری (c) سید سلیمان ندوی (d). علامہ شبلی نعمانی

6. اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کی بنیاد کس نے رکھی۔

(a). ابو الحسن علی ندوی (b). مولانا عبد الحئ (c). مجاہد الاسلام قاسمی (d). اشرف علی تھانوی

7. ادارۃ المباحث الفقہیۃ کی بنیاد کب رکھی گئی؟

1970. (a) 1990.(b) 1992.(c) (d).ان میں سے کسی کی نہیں

8. اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد کب رکھی؟

1989.(a) 2000.(b) 1956.(c) 1985.(d)

9. ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے پہلے نگراں کون تھے؟

(a).مفتی محمد میاں (b).سید سلیمان ندوی (c).ابوالحسن علی ندوی (d).تمام غلط

10. مجلس عاملہ نے ادارۃ المباحث الفقہیہ کو کس سن میں بحال کیا۔

1990.(a) 2000.(b) 1947.(c) 1910.(d)

5.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. معاصر دور میں اجتہاد کی روایت پر روشنی ڈالیے۔
2. کاغذی نوٹ کے ذریعہ ادائیگی کے مسئلہ پر بحث کیجیے۔
3. مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنو پر بحث کیجیے۔
4. ادارۃ المباحث الفقہیۃ کا تعارف کرایے۔
5. ہندوستان میں سود کی حلت وحرمت پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

5.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. بدلتے حالات میں پیدا ہونے والے چند نئے مسائل پر روشنی ڈالیے۔
2. نئے مسائل کے حل میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے طریقہ کار کا تعارف کرائیے۔
3. اعضاء کی پیوندکاری کے بارے میں معاصر اہل علم کی آراء کا جائزہ لیجیے۔

5.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. جدید فقہی مسائل : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. فکر اسلامی۔ معاصر فقہ اسلامی نمبر : مرتب: محمد اسعد قاسمی
3. فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات : مولانا آفتاب غازی قاسمی، مولانا عبد الحسیب قاسمی
4. ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابناء ندوہ کی فقہی خدمات : مولانا منور سلطان ندوی

اکائی 6: فقہی مسالک: تشکیل و تعارف (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 فقہی مسالک

6.3 فقہ حنفی

6.3.1 فقہ حنفی کی خصوصیات

6.3.2 فقہ حنفی کے مشہور فقہاء

6.4 فقہ مالکی

6.4.1 فقہ مالکی کی خصوصیات

6.4.2 فقہ مالکی کے مشہور فقہاء

6.5 فقہ جعفریہ

6.6 اکتسابی نتائج

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

اس اکائی میں سب سے پہلے فقہی مسالک کا مفہوم اور ان کے بانیان کا تذکرہ ہو گا، ان کی عملی تشکیل پر روشنی ڈالی جائے گی، اس میں

اہل سنت والجماعت کے فقہی مذاہب کے ساتھ اہل تشیع کے فقہی مذاہب کا ذکر آئے گا، ان سب کی خصوصیات وامتیازات اور ان کے مشہور فقہاء کے حالات سے بھی واقف کرایا جائے گا۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد آپ کو اس بات سے واقف کرانا ہے کہ فقہی مسالک سے کیا مراد ہے؟ اہل سنت والجماعت اور دوسرے مکاتب فکر کے فقہی مذاہب کیا ہیں؟ ان کی تشکیل کس طرح وجود میں آئی اور ان کے خصائص وامتیازات کیا ہیں۔ نیز ان کے نمائندہ فقہاء کون کون ہیں۔

6.2 فقہی مسالک

فقہی مسالک سے مراد وہ مختلف رجحانات ہیں جو مختلف مجتہدین اور فقہاء نے نصوص شریعت یعنی قرآن وحدیث سے احکام کے استنباط میں اختیار کئے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آج جس انداز میں فقہی مسالک مشہور ہیں، اس انداز میں عہد صحابہ میں موجود نہیں تھے؛ لیکن ان رجحانات کی بنیاد اُسی دور میں پڑ چکی تھی، پچھلی اکائی میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ صحابہ کے درمیان دو جماعتیں پائی جاتی تھیں، ایک اہل حدیث جو نصوص کے ظاہری الفاظ پر اپنی نگاہ مرکوز رکھتے تھے، نصوص کے اندرون غواصی کے قائل نہیں تھے، اسی وجہ سے بعض اوقات کوئی مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوتا، اگر اس کا حکم قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ میں نہیں ملتا تو وہ توقف کرتے اور جواب دینے سے انکار کر دیتے، دوسری جماعت اصحاب رائے فقہاء کی تھی، یہ فقہاء صحابہ قرآن وحدیث کے معانی کے غواص تھے، اور شرعی احکام کے استنباط میں شریعت کی مصالح اور لوگوں کے احوال کو بھی پیش نظر رکھتے تھے، یہ دونوں رجحانات ان دونوں طرح کے فقہاء صحابہ کے شاگردوں میں منتقل ہوئے اور اس دور کے تابعین میں ان کے طرز استنباط کا یہ فرق اور زیادہ نمایاں ہو گیا۔

ایک وقت آیا کہ صحابہ کرام عالم اسلام کے مختلف شہروں میں پھیل گئے اور انہوں نے وہاں رہائش اختیار کر لی، جس کے نتیجہ میں طرز استنباط کے اس فرق کو اور فروغ ملا، اور مسائل میں اختلافات بڑھ گئے، تابعین نے ان رجحانات کو لیا، اور زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ یہی رجحانات فقہی مسالک کی شکل اختیار کر گئے۔

ابتدا میں مسالک متعدد تھے؛ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا سیاسی حالات اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر بعض مسالک کے علماء اور ماننے والے کم ہوتے چلے گئے، اور ان کی فقہی آراء مدون نہ ہو سکیں، جن مسالک کو علما زیادہ میسر ہوئے انہوں نے اپنے اپنے مسالک کی فقہی آراء کو مدون کیا اور مزید ان میں نکھار پیدا کیا، اور نقلی وعقلی دلائل سے ان آراء کو مضبوط کیا، حسن اتفاق یہ کہ ہر دور میں ان مسالک کو باصلاحیت علماء ملتے رہے ہیں جو اپنے بعد والوں تک انہیں محفوظ طریقہ پر منتقل کرتے رہے، یہاں تک کہ آج بھی وہ باقی ہیں اور لوگ ان پر عمل کر رہے ہیں، یہی وہ مسالک ہیں جن کو ہم حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہل حدیث، جعفریہ، زیدیہ اور اباضیہ کے ناموں سے جانتے ہیں۔

6.3 فقہ حنفی

اہل سنت والجماعت کے چاروں مذاہب میں سب سے قدیم مذہب حنفی ہے، اس کی نشو ونما کوفہ میں ہوئی جہاں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرامؓ خیمہ زن ہوئے، جن میں 24/ بدری صحابہ تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنا دارالخلافہ اسی شہر کو بنایا، فقہی احکام کی باضابطہ تدوین کا عمل سب سے پہلے اسی شہر میں امام ابو حنیفہؒ کی قیادت میں ہوا، اسی وجہ سے یہ فقہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہو کر فقہ حنفی کہلائی، یہ مذہب آہستہ آہستہ پورے عراق پھر مصر، فارس، بخارا، بلخ، روم، فرغانہ، ہندوستان کے اکثر حصے اور یمن کے کچھ حصوں میں پھیل گیا، اس مذہب کے پھیلنے کی بنیادی وجہ عہدۂ قضا پر حنفی قاضیوں کا فائز رہنا ہے، خلافت ہارون رشید کے دور میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، حکومت کے ہر علاقے میں ان ہی کے حکم سے قاضی مقرر ہوتا تھا، زیادہ تر قاضی کار قضا میں ان پر اعتماد کرتے تھے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کی نشر واشاعت اور حفاظت وتدوین میں امام ابو یوسفؒ کا بڑا حصہ ہے، اسی طرح ان کے بعد بھی سلطنت کے منصب قضا پر زیادہ تر حنفی قاضی ہی مقرر ہوتے رہے ہیں، اور حکومت کا مذہب حنفی رہا، جس کی وجہ سے اس مذہب حنفی کی بہت زیادہ ترویج واشاعت ہوئی۔

اسد بن فرات بن سنان حنفی فقیہ جب شمالی افریقہ کے علاقے جو لیبیا، تیونس اور الجزائر پر مشتمل ہے، کے قاضی مقرر ہوئے تو ایک عرصہ تک یہاں بھی حنفی مذہب غالب رہا یہاں تک کہ معز بن بادیس کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے مالکی مذہب کی اشاعت کی، جس کی وجہ سے آج اس علاقے کی اکثریت مالکی مذہب پر ہے۔

ادھر قاضی اسماعیل بن یسع حنفی کے ذریعہ مصر میں حنفی مذہب پہنچا جب وہ یہاں کے قاضی مقرر ہوئے، اس کے بعد نشیب وفراز آتا رہا، یہاں تک کہ جب مصر میں عثمانی حکومت آئی، تو یہاں کا منصب قضا احناف کے لئے خاص ہو گیا جس کی وجہ سے اس ملک میں مذہب حنفی کو دوبارہ قوت حاصل ہو گئی، اس طرح آج بھی یہاں مذہب حنفی پر عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

آج کی دنیا میں عراق، خراسان، سجستان، جرجان، طبرستان، افغانستان، ترکمانستان، تاجکستان، قزاقستان، بوسنیا، البانیہ، شام، ترکی، برما، بنگلہ دیش، ہندوپاک اور ایران کے سنی علاقوں میں مذہب حنفی کے ماننے والے کثرت سے موجود ہیں، انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملیشیا، سعودی عرب، کویت، بحرین اور برازیل وغیرہ میں بہت کم ہیں، ایک اندازہ کے مطابق احناف دنیا کے کل مسلمانوں کا دو تہائی حصہ ہیں۔

فقہ حنفی کا سلسلہ اسناد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے، فقہ حنفی کا رشتہ ان کے علاوہ ان صحابہ کرامؓ سے بھی ملتا ہے، جن کے شاگردوں سے امام ابو حنیفہؒ نے استفادہ کیا، ان کی تعداد مورخین نے کم وبیش چار ہزار لکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے چالیس باکمال شاگردوں کے ذریعہ فقہ حنفی کی تدوین عمل میں آئی، ان مدون مسائل کو ان کے مشہور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی نے کتابی شکل میں محفوظ کیا، اور ان کے دوسرے شاگرد امام ابو یوسف کا بھی فقہ

حنفی کی حفاظت و تدوین اور نشر واشاعت میں بڑا حصہ رہا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا طرز استنباط اور استخراج مسائل یہ تھا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے کہ آپ پہلے قرآن سے رجوع کرتے، اگر اس میں حل نہیں ملتا تو سنت رسولؐ پر عمل کرتے، اگر سنت رسول میں بھی نہیں ملتا، تو صحابہ کرامؓ کے اقوال پر نظر ڈالتے، اگر ان میں باہم اختلاف ہوتا تو جس صحابی کا قول قرآن وحدیث سے زیادہ قریب ہوتا اسے قبول کر لیتے اور اس حد سے باہر تجاوز نہ کرتے، اور اگر اتفاق سے صحابہ کا بھی کوئی قول نہیں ملتا تو تابعین میں سے کسی کا قول اختیار نہ کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے، جیسا کہ دوسرے لوگ کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ نے تدوین فقہ کی مجلس آراستہ کی اور حضرت عمرؓ کی سنت اجتماعی اجتہاد کی تجدید کی تو اپنے شاگردوں میں سے چالیس باکمال افراد کا انتخاب کیا، جو تفسیر، حدیث، اسماء الرجال اور دیگر اسلامی علوم کے ماہر تھے، آپ کاروبار اور تجارت کے حالات سے خود واقف تھے، اس کے باوجود امام محمدؒ کی ڈیوٹی تھی کہ روزانہ بازار جاکر مروجہ معاملات معلوم کر کے آئیں اور یہاں مجلس میں پیش کریں، طریقہ کار یہ تھا کہ مجلس میں مسئلہ پیش ہوتا، اولاً قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں غور کیا جاتا، اگر ان میں کوئی دلیل نہ مل پاتی، تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جاتا، اگر ان سے بھی کوئی رہنمائی نہ ملتی تو قرآن وحدیث میں صراحت کردہ مسائل سے علت کا استخراج کیا جاتا اور علت میں اشتراک کی بنیاد پر قیاس کیا جاتا، کبھی استحسان سے بھی کام لیا جاتا، کافی بحث ومباحثہ کے بعد طے ہونے والے مسائل درج رجسٹر کر لئے جاتے، اس بڑے اہتمام کے ساتھ ایک نئی ترتیب کے ساتھ فقہ مدون ہوئی، یہ نئی ترتیب فقہی ابواب وموضوعات کی ترتیب کہلائی اور معروف ہوگئی، جس میں پہلے طہارت اس کے بعد ترتیب سے عبادات کے دوسرے ابواب، پھر مناکحات، معاملات وغیرہ، جیسا کہ آج کل فقہ کی کتابوں میں ترتیب ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک اندازہ کے مطابق اس مجلس سے طے پانے والے تقریبا پانچ لاکھ مسائل مرتب ہوئے۔ معلوم ہوا کہ فقہ حنفی صرف امام ابو حنیفہؒ کی آراء واجتہادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ چالیس مایہ ناز اور ماہرین علماء وفقہاء اور محدثین کی کاوشوں اور اجتہادات کے نتیجہ کا نام فقہ حنفی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی اجتہاد فقہ حنفی کا طرۂ امتیاز ہے، اور اس اجتماعی طریقہ اجتہاد میں آزادانہ بحث ونقد نے فقہ حنفی میں نصوص ورائے اور مقاصد شریعت اور انسانی مصالح کے درمیان ایک خاص قسم کا توازن پیدا کر دیا ہے، اسی میں فقہ حنفی کی مقبولیت اور مدتوں عالم اسلام پر اس کی فرماں روائی کا راز پوشیدہ ہے۔

6.3.1 فقہ حنفی کی خصوصیات

بعض خصوصیات وامتیازات ہر فقہی مسلک کی ہیں جو اس کو دوسرے ممالک سے ممتاز کرتے ہیں، آگے کی سطروں میں ہر فقہی مذہب کی خصوصیات کا ذکر آئے گا، فقہ حنفی کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ فقہ حنفی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تدوین اجتماعی اجتہاد کے طریقہ پر ہوئی ہے، اور حضرت عمر فاروقؓ کے منہج پر ہوئی ہے۔

2۔ فقہ حنفی کی ایک بڑی خصوصیت شخصی آزادی کی رعایت ہے؛ چنانچہ فقہ حنفی میں بالغ لڑکی کو اپنے نفس پر مکمل اختیار دیا گیا ہے، وہ ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے جب کہ اکثر فقہاء کے یہاں اس کے اختیارات محدود ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے نکاح کا ایجاب وقبول بھی نہیں کر سکتی۔

3۔ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور مذہبی وانسانی حقوق کی رعایت ولحاظ جس درجہ فقہ حنفی میں ہے کسی اور مذہب میں نہیں ہے؛ چنانچہ غیر مسلموں کو اپنے اعتقادات ومعاملات کے بارے میں آزادی ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسلمان سے بھی غیر مسلم شہری کے قتل پر قصاص لیا جائے گا، جب کہ دوسرے فقہاء کے یہاں مسلمان غیر مسلم کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

4۔ چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ فقہاء احناف نے دین کے مسلمہ اصول اور عقل سے ہم آہنگی کا خاص خیال رکھا ہے، مثلاً: شریعت کی ایک تسلیم شدہ اصل یہ ہے کہ انسان کا جسم پاک ہے، اس کا چھونا موجب نجاست نہیں، یہ عقل ودانش کے مطابق بھی ہے، اسی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ نے شرمگاہ یا عورتوں کے چھونے کو ناقض وضو قرار نہیں دیا۔

5۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں انسانی ضروریات اور مجبوریوں کا خیال، اور شریعت کے اصل مزاج، آسانی اور دفع حرج کا لحاظ قدم قدم پر نظر آتا ہے، مثلا: امام ابو حنیفہؒ نے پانی کے زیادہ اور کم کی مقدار کی کوئی تحدید نہیں کی، اس کو ان لوگوں کی رائے پر رکھا جو خود پانی کی پاکی یا ناپاکی کے مسائل سے دوچار ہوں، روزہ میں اصل تو یہی ہے کہ روزہ شروع ہونے سے پہلے روزہ کی نیت کر لی جائے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ روزہ ایسے وقت شروع ہوتا ہے کہ عین اسی وقت نیت کو ضروری قرار دینا مشقت سے خالی نہیں، اس مجبوری کو دور کرنے کے لئے امام ابو حنیفہؒ نے روزہ کا وقت شروع ہونے کے بعد بھی نیت کو کافی قرار دیا، اور فقہ حنفی میں صراحت کی گئی کہ صبح صادق سے افطار تک جتنا وقت ہوتا ہے اس کے نصف تک نیت کرنے کی گنجائش ہے۔

6۔ امام ابو حنیفہؒ کوفہ کے بڑے تاجر تھے، اس لئے قانون تجارت میں تفصیل اور گہرائی جتنی فقہ حنفی میں ملتی ہے کسی اور کے یہاں نہیں ملتی، چنانچہ بیع سلم میں چوں کہ مبیع موجود نہیں ہوتی ہے، اس لئے امام ابو حنیفہ نے ضروری قرار دیا کہ اس شئ کی جنس، نوعیت، مقدار، صفت، ادائیگی کی مدت اور مبیع کی حوالگی کے مقام کے علاوہ کس شہر کی صنعت ہے؟ اس کی صراحت بھی کر دی جائے کہ مختلف علاقوں اور شہروں کی صنعتوں اور ان کی قیمتوں میں قابل لحاظ فرق ہوتا ہے۔

7۔ فقہ حنفی کی ساتویں خصوصیت "فقہ تقدیری" ہے، یعنی مسائل کے پیش آنے سے پہلے آئندہ ممکن الوقوع مسائل کے حل کی طرف توجہ دی جائے۔

8۔ فقہ حنفی کی بڑی اہم خصوصیت "حیلۂ شرعی" ہے، حیلہ کے اصل معنی معاملات کی تدبیر میں مہارت کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں حرمت ومعصیت سے بچنے کے لئے ایسی خلاصی کی راہ اختیار کرنے کا نام ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو۔

6.3.2 فقہ حنفی کے مشہور فقہاء

یہاں دوسری صدی کے اوائل سے چوتھی صدی ہجری کے ختم تک کے مشہور فقہاء احناف کا ذکر کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ چوتھی صدی کے بعد کے فقہاء کا ذکر پچھلی اکائی میں دور وسطی اور دور جدید کے ذیل میں آچکا ہے۔

1۔ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطیؒ (80ھ - 150ھ): راجح قول کے مطابق آپ کو متعدد صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، مجتہد تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے طریقۂ اجتہاد اور منہج استنباط کے وارث اور ترجمان تھے، امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں، آپ ایک بڑے محدث بھی تھے، چنانچہ ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی (665ھ) نے آپ کے تلامذہ سے مروی احادیث کو "جامع المسانید" کے نام سے جمع کر دیا ہے، یہ کتاب مصر سے طبع ہوئی ہے، اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے، امام ابو حنیفہ کی فقہی آراء کو جاننے کا اہم ذریعہ امام ابو یوسف اور امام محمد کی کتابیں ہیں۔

2۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاریؒ (113ھ - 183ھ): آپ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں، ابن ابی لیلی سے بھی آپ کو تلمذ حاصل ہے، مجتہد اور فقیہ ہونے کے ساتھ حافظ حدیث بھی تھے، مہدی، ہادی اور ہارون رشید تینوں خلفاء کے دور میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے ہیں، آپ اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ تھے، ابن ندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں آپ کی املاءات میں کتاب الصلوۃ اور کتاب الزکاۃ کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی اور بھی کتابیں ہے؛ البتہ ان میں زیادہ مشہور "کتاب الخراج" ہے اور یہ مطبوعہ ہے، اسی طرح ایک کتاب "اختلاف ابی حنیفۃ و ابن أبی لیلی" بھی ہے جو دائرہ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔

3۔ امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانیؒ (122ھ - 198ھ) آپ نے مسعر بن کدام، امام اوزاعی، سفیان ثوری اور امام مالک سے حدیث کا درس لیا، البتہ فقہ و حدیث میں امام ابو حنیفہ کے درس سے زیادہ متاثر ہوئے، امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد امام ابو یوسفؒ سے استفادہ کیا، بغداد میں قیام کے دوران امام شافعیؒ نے آپ سے خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ امام شافعیؒ کی کتاب الام پر امام محمدؒ کے طریقۂ تالیف کی گہری چھاپ ہے، امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم امام محمدؒ سے حاصل کیا، امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے؟ فرمایا: امام محمدؒ کی کتابوں سے۔

فقہ حنفی کا مدار امام محمد کی کتابوں پر ہے، اور امام محمد خود بھی مجتہد مطلق تھے، آپ کی کتابوں کی تعداد (990) ہے جن میں یہ مشہور ہیں: المبسوط، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، السیر الکبیر، السیر الصغیر، الزیادات، یہ چھ کتابیں ظاہر روایت کہلاتی ہیں۔

4۔ امام ابو حنیفہ کے تیسرے مشہور شاگرد زفر بن ہذیل (متوفی 158ھ) مجتہد مطلق تھے، بڑے ذہین و فطین تھے، بڑے قیاس کرنے والے تھے، یہاں تک کہ آپ کی زبردست قوت قیاس کی خود امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنی نے بڑی ستائش کی ہے۔ اس کے باوجود

امام زفر کا بیان ہے: "ہم (احناف) رائے پر اسی وقت تک عمل کرتے ہیں جب تک کہ کوئی حدیث سامنے نہ آئے، اور جب کوئی حدیث سامنے آگئی (جو رائے کے خلاف ہے) تو اس رائے کو ہم ترک کر دیتے ہیں"۔

5۔ امام ابو حنیفہ کے چوتھے مشہور شاگرد حسن بن زیاد لؤلؤی (متوفی 204ھ) ہیں، آپ نے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے بھی استفادہ کیا ہے، آپ کی تالیفات میں سے ایک کتاب "المجرد" ہے، نیز ان کی کچھ امالی بھی ہیں۔

6۔ احمد بن عمر خصاف (متوفی 261ھ): یہ تیسری صدی ہجری کے مشہور فقیہ ہیں، آپ کی تالیفات بہت ہیں، ان میں سے ایک "الاسعاف في أحكام الأوقاف" ہے۔

7۔ احمد بن محمد طحاوی مصری (متوفی 321ھ): آپ چوتھی صدی کے اوائل کے مشہور محدث وفقیہ ہیں، آپ کی تالیفات بہت ہیں، ان میں سے اہم اور مطبوعہ حدیث میں "معانی الآثار" اور دوسری "مشکل الآثار" ہیں، اور فقہ میں "مختصر طحاوی" ہیں۔

8۔ ابو الحسن عبد اللہ بن حسن کرخیؒ (260ھ-340ھ): آپ عراق میں حنفی مذہب کے امام تھے، علماء نے آپ کو فروعی مسائل میں مجتہد قرار دیا ہے، آپ کی تالیفات متعدد ہیں، ان میں سے مختصر طحاوی، الجامع الكبير اور الجامع الصغير کی شرحیں ہیں۔

9۔ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص (متوفی 370ھ): امام کرخی کے شاگرد اور ان کی وفات کے بعد حنفی مذہب کے امام کہلائے، آپ نے مختصر كرخي، مختصر طحاوي، اور الجامع للامام محمد کی شرحیں لکھیں، آپ کی ایک مشہور کتاب "ادب القضاة" بھی ہے، اور آیات احکام کی پہلی شاہکار تفسیر احکام القرآن (3/ جلدیں) ہے جو کہ مطبوعہ اور متداول ہے۔

10۔ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بلخی ہندوانی (متوفی 362ھ): بلخ کے ائمہ میں سے تھے، ان کو ابو حنیفہ صغیر کہا جاتا تھا۔

11۔ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی (متوفی 373ھ): امام الھدی سے مشہور ہیں، آپ کی تالیفات نوازل، عيون، فتاوى، خزانة الفقه اور الجامع الصغير کی شرح ہیں۔

12۔ ابو عبد اللہ یوسف بن محمد جرجانی (متوفی 398ھ): آپ امام کرخی کے شاگرد ہیں، بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ مفصل اور مشہور "خزانة الأكمل" (6/ جلدیں) ہے۔

6.4 فقہ مالکی

فقہ حنفی کے بعد جس فقہ کی تدوین عمل میں آئی اور جس کے ماننے والے ایک بڑی تعداد میں دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ ہے فقہ مالکی، یہ مذہب حضرت امام مالک بن انسؒ کی طرف منسوب ہو کر مالکی کہلایا، اس کی نشو ونما مدینہ منورہ میں ہوئی جہاں قرآن مجید کی نوے فیصد آیات احکام نازل ہوئیں، اسی طرح زیادہ تر حدیثوں کا تعلق بھی مدنی زندگی سے ہے، حضورؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کا دار الخلافہ مدینہ

تھا، خود حضرت علیؓ کی خلافت کا ابتدائی دور بھی مدینہ ہی میں گذرا، اسی لئے صحابہ کی بڑی تعداد یہیں مقیم رہی، نیز حضرت عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی روایات واحادیث اور فتاوی سے مدینہ کی فضائیں گونج رہی تھیں، ان کے بعد ان حضرات صحابہ کے تربیت یافتہ باکمال شاگردوں کی ایک بڑی جماعت، ان میں بالخصوص سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمد بن ابو بکرؒ، خارجہ بن زید بن ثابتؒ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعودؒ اور سالم بن عبد اللہؒ جو فقہاء سبعہ سے مشہور ہیں، پوری زندگی اسی شہر میں مقیم رہے، یہ فقہاء سبعہ اجتماعی طور پر مسائل پر غور کرتے تھے، اوران کے فتاوی کو خاص اہمیت واعتبار حاصل تھا، مزید بر آں حج کے موقع پر علماء و محدثین روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ میں جمع ہوتے تھے، اس طرح قدرتی طور پر امام مالک کو مختلف اہل علم سے تبادلۂ خیال، بحث ومناقشہ اور استفادہ کے قیمتی مواقع حاصل ہوئے تھے، غرض یہ کہ اس طرح فقہ مالکی دراصل صحابہ وتابعین کے عہد کے فقہاء مدینہ کی فقہ کی ایک مرتب صورت ہے، جس میں روایت حدیث اور رائے دونوں کا بہترین امتزاج ہے۔

مذہب مالکی آہستہ آہستہ مدینہ سے باہر پورے حجاز، یمن، شام، بصرہ، مصر، اندلس، مراکش، سسلی، اور سوڈان وغیرہ میں بھی پھیل گیا، لیبیا، تیونس، اور الجزائر وغیرہ میں اس مذہب کو اس وقت غلبہ حاصل ہوا جب کہ معز بن بادیس نے 407ھ میں اس علاقے کا اقتدار سنبھالا اور یہاں کے لوگوں کو مذہب مالکی پر عمل کے لئے مجبور کر دیا۔

آج یہ مذہب مراکش، موریطانیہ، تیونس، الجزائر اور لیبیا میں موجود ہے، اور ان علاقوں میں اس مذہب کے پیروکار بکثرت ہیں، تاہم مصر، سوڈان، لبنان اور حجاز میں بھی ان کی اقلیت موجود ہے، (1930ء) میں لگائے گئے اندازے کے مطابق اس مذہب کے پیروکاروں کی تعداد چار کروڑ تھی۔

فقہ مالکی کا سلسلہ نسب حضرت شاہ ولی اللہ کی زبانی یہ ہے کہ فقہ مالکی میں اول درجہ متصل یا مرسل حدیث کو حاصل ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے فیصلہ جات، پھر عبد اللہ بن عمرؓ کے فتاوی، اس کے بعد دوسرے مدنی صحابہ کے فتاوی کا درجہ ہے، اس کے بعد مدینہ منورہ کے مشہور اصحاب افتاء -- سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسمؒ، سالمؒ، سلیمان بن یسارؒ، ابو سلمہؒ، ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارثؒ، ابو بکر عمرو بن حزم اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ- کے فتاوی کو اہمیت حاصل ہے۔

بعد کے ادوار میں جن شخصیات نے فقہ مالکی کی تدوین وترویج میں حصہ لیا وہ کل آٹھ ہیں، ان میں سب سے پہلی شخصیت امام مالکؒ کے محبوب شاگرد عبد اللہ بن وھب کی ہے، جو اپنے استاذ امام مالکؒ کی صحبت میں بیس سال رہے، اور ان سے روایت وفتاوی نقل کئے، دوسری شخصیت عبد الرحمن بن قاسم کی ہے، یہ بھی امام مالکؒ کے ساتھ بیس سال رہے، ان کی حیثیت فقہ مالکی کی ترتیب وتدوین میں وہی ہے جو امام محمد کو فقہ حنفی میں ہے، المدوّنہ میں آپ ہی کے ذریعہ امام مالکؒ کے افادات اور مرویات جمع ہوئے، تیسری شخصیت اشہب بن عبد العزیز کی ہے، جن کے تفقہ کی ستائش امام شافعیؒ نے کی، چوتھی شخصیت اسد بن فرات کی ہے، جنہوں نے امام مالکؒ کے بعد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے بھی استفادہ کیا، اور آپ ہی "المدونہ" کی تدوین وترتیب کے اصل محرک بنے۔

امام مالکؒ کے اہم تلامذہ میں سے ایک عبد الملک بن ماجشون کا نام بھی آتا ہے، امام مالکؒ کے بعض فتاوی ان کے ذریعہ بھی منقول

ہیں، فقہ مالکی کی تدوین وترتیب میں سب سے نمایاں کام عبدالسلام بن سعید سحنون کا ہے، گو ان کو امام مالک سے راست شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا، لیکن امام مالکؒ کے تین باکمال شاگرد ابن وھب، ابن قاسم، اور اشہب سے شرف تلمذ حاصل ہے، "المدونہ" کی موجودہ صورت کے مرتب یہی ہیں۔

سحنون کے شاگرد محمد بن احمد العتبی نے " العتبية" یا "المستخرجة"، مرتب کی اور ابن ماجشون کے شاگرد عبدالملک بن حبیب نے "الواضحة" مرتب کی ہے۔

اس طرح ان آٹھ شخصیتوں کو فقہ مالکی کی تدوین وترتیب اور ترویج میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

جہاں تک طریقہ استنباط کی بات ہے تو عام مجتہدین کی طرح امام مالکؒ نے بھی سب سے پہلے احکام کے لئے قرآن پر اعتماد کیا، اس کے بعد حدیث رسول پر، قبول حدیث کے سلسلہ میں محدثین حجاز اور اہل مدینہ کے عمل کو زیادہ اہمیت دیتے، خاص طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتاوی اور فیصلہ جات کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، اس کے بعد دوسرے مدنی صحابہ کے فتاوی، پھر مدینہ کے فقہائے سبعہ کے فتاوی کو اہمیت دیتے تھے، اگر قرآن وحدیث میں کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو اجتہاد وقیاس کرتے تھے، آپ مصالح مرسلہ کو بھی معتبر سمجھتے تھے، سد ذرائع کی بھی آپ کے نزدیک کافی اہمیت تھی، چنانچہ صورت واقعہ پر نظر رکھنے کے بجائے اس سے پیدا ہونے والے نتائج پر نگاہ رکھتے ہوئے فیصلہ فرماتے، اور جو امور حرام اور بگاڑ کا ذریعہ بنتے ہوں ان سے بھی روک دیتے۔

6.4.1 فقہ مالکی کی خصوصیات

فقہ مالکی کی چند خصوصیات ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

1۔ فقہ مالکی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں روایت اور رائے دونوں کی رعایت کی گئی ہے؛ کیوں کہ امام مالکؒ جہاں ایک طرف بڑے محدث تھے تو دوسری طرف روایات میں درایت سے بھی کام لیتے تھے۔

2۔ طہارت ونجاست کے احکام میں جتنی آسانی مذہب مالکی میں ہے کسی اور مذہب میں نہیں ہے، دیکھئے مالکیہ کے یہاں پانی ناپاک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پانی کے اوصاف میں تغیر واقع ہوجائے، خواہ پانی کی مقدار کم ہو یا زیادہ، ٹھہرا ہو یا جاری، جب کہ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں پانی کی قلیل مقدار میں نجاست گر جائے تو ناپاک ہوجائے گا، چاہے پانی کے اوصاف میں تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہو۔

3 ۔ اسی طرح معاملات میں بھی فقہ مالکی میں ایک گونہ آسانی کی راہ اختیار کی گئی ہے، مثلاً قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم غذائی اشیاء سے ہے، دوسری چیزوں سے نہیں، مالکیہ کی اس رائے کو اختیار کرنے میں بہت سے معاملات جواز کے دائرہ میں آجائیں گے۔

4۔ شخصی اور عائلی قوانین میں فقہ مالکی انسانی فطرت اور معاشرتی مصلحت سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے، جیسے: تنگ دست اور قدرت کے باوجود نفقہ سے بے پرواشوہر کی بیوی کے لئے حق تفریق، خلع میں قاضی کو خصوصی اور وسیع اختیار اور شدید اختلاف کی صورت میں جبری خلع کی گنجائش وغیرہ۔

5۔ آزادئ رائے کا احترام، اس کی واضح مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب کہ خلیفہ وقت ہارون رشید نے اجازت چاہی کہ ان کی کتاب "الموطأ" کعبہ میں لٹکادی جائے اور لوگوں کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ اسی کے مطابق عمل کریں، آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا، اور کہا کہ خود رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔

6۔ امام مالکؒ کے یہاں مصالح کا اس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ فقہ مالکی کی یہ خصوصیت شمار کی جانے لگی کہ آسانی و سہولت اور مصالح کی رعایت فقہ مالکی میں زیادہ ہے۔

6.4.2 فقہ مالکی کے مشہور فقہاء

1۔ امام دارالہجرۃ مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر (93ھ-179ھ): آپ ایک عظیم محدث اور بلند پایہ فقیہ تھے، مجتہد مطلق تھے، امام سفیان بن عیینہ نے بشارت نبوی "لوگ علم کی تلاش میں سفر کریں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑا کوئی عالم نہیں پائیں گے" کا مصداق آپ ہی کو قرار دیا۔ آپ نے درس و تدریس کی مجلس اس وقت تک آراستہ نہیں کی جب تک کہ ستر شیوخ حدیث و فقہ نے اس بات کی گواہی نہ دیدی کہ اب آپ مسند درس کے قابل ہو چکے ہیں، آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ آپ کے حلقہ درس میں آپ کے بلند پایہ شاگردوں کے علاوہ آپ کے متعدد شیوخ نے بھی شرکت فرمائی۔

فقہ میں آپ کے خصوصی استاذ ربیعۃ بن عبد الرحمن ہیں، جو اپنے کثرت اجتہاد و قیاس کی وجہ سے ربیعہ الرائے سے مشہور ہوئے، ویسے آپ نے مدینہ کے فقہاء سبعہ سے بھی خوب استفادہ کیا، اور حج کے موقع سے ان علماء سے بھی استفادہ کیا جو روضہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔

آپ کی شاہکار تصنیف "الموطأ" ہے، جہاں یہ احادیث کا مجموعہ ہے، وہیں صحابہ و تابعین کے آثار، فتاوی اور آراء کا بھی مجموعہ ہے، آپ نے اس میں اپنی آراء بھی درج فرمائی ہیں، اس کے علاوہ آپ کے افادات اور فتاوی "المدونہ" میں بھی جمع کئے گئے، جیسا کہ آپ نے اس سے پہلے پڑھا۔

2۔ ابو الحسن علی بن زیاد تونسی (متوفی 182ھ): امام مالک اور لیث بن سعد سے کسب فیض کیا، اور فقیہ افریقہ سے معروف تھے۔

3۔ عبد الرحمن بن قاسم (متوفی 191ھ): امام مالکؒ کی صحبت میں بیس سال رہے، مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز تھے، آپ ہی کے ذریعہ "المدونہ" میں امام مالک کے افادات و فتاوی جمع ہوئے۔

4۔ ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم مصری (125ھ-197ھ): امام مالک کی صحبت میں بیس سال رہے، مصر میں فقہ مالکی کے پھیلنے کا ذریعہ یہی بنے، کہا جاتا ہے کہ فقاہت میں ابن قاسم سے بڑھے ہوئے تھے، ان کو دیوان علم کا لقب دیا جاتا تھا، انہوں نے فقہ، روایت، اور عبادت تینوں کو جمع کر رکھا تھا۔

5۔ اشہب بن عبد العزیز قیسی (150ھ-204ھ): امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے اشہب سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، ان کی ایک

کتاب "مدونہ" ہے جو مدونۃ اشہب سے معروف ہے، یہ سحنون کی مدونہ کے علاوہ ہے۔

6۔ اسد بن فرات (متوفی 213ھ): فقہ حنفی اور مالکی کے جامع تھے، آپ کی ایک کتاب "الأسدیہ" نامی ہے، جو "المدونہ" کی بنیاد واساس ہے۔

7۔ یحی بن یحی بن کثیر لیثی (متوفی 234ھ): اندلس کے رہنے والے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اندلس میں فقہ مالکی کو پھیلایا۔

8۔ سحنون، عبد السلام بن سعید تنوخی (متوفی 240ھ): مصر اور مدینہ کے علماء سے تفقہ حاصل کیا، یہاں تک کہ اپنے زمانہ میں بڑے فقیہ بن گئے، یہی صاحب "المدونہ" ہیں، جس پر مذہب مالکی کا مدار ہے۔

9۔ محمد بن سحنون (متوفی 256ھ): تقریباً دوسو کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سے مشہور ترین کتاب "الجامع" ہے۔

10۔ محمد بن عبد اللہ حکم (متوفی 268ھ): ان کی بھی تصنیفات بہت ہیں، ان میں چند یہ ہیں: "کتاب الدقائق والشروط"، "کتاب آداب القضاۃ"، اور "کتاب الدعوی والبینات"۔

11۔ محمد بن ابراہیم اسکندری بن زیاد (متوفی 269ھ): ابن مَوّاز سے معروف ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے فقیہ تھے، ان کی مشہور کتاب "الموازیۃ" ہے مالکیہ کے نزدیک بڑی معتمد اور عظیم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

12۔ محمد بن لبابہ اندلسی (متوفی 336ھ) فقہ وفتاوی میں بڑے فائق تھے، فقہ میں آپ کی کئی تالیفات ہیں، ان میں سے مشہور اور بقول ابن حازم فارسی بے نظیر کتاب "المنتخبۃ" ہے۔

13۔ بکر بن علاء قشیری (متوفی 344ھ): ان کی بھی کئی تصنیفات ہیں، ان میں سے ایک "کتاب الاحکام المختصر من کتاب اسماعیل بن اسحاق والزیادۃ علیہ" ہے۔

14۔ ابو اسحاق محمد بن قاسم بن شعبان عنسی (متوفی 355ھ): مصر میں اپنے وقت کے فقہاء مالکیہ کے امام تھے، فقہ میں ان کی کتاب "الزاھی الشعبانی فی الفقہ" ہے۔

15۔ محمد بن حارث بن اسد خشنی (متوفی 361ھ): قرطبہ میں فقہ وفتاوی کے حافظ سمجھے جاتے تھے، انہوں نے مذہب مالکی میں اختلاف واتفاق اور امام مالک کے اصحاب نے جن مسائل میں امام مالک سے اختلاف کیا ہے، کے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔

16۔ ابو بکر محمد بن عبد اللہ معیطی اندلسی (متوفی 367ھ): انہوں نے ابو عمر اشبیلی کے ساتھ مل کر "کتاب الاستیعاب" کا تکملہ لکھا، جو ایک سو حصوں پر مشتمل ہے۔

17۔ یوسف بن عمر بن عبد البر (متوفی 380ھ): انہوں نے کتاب "الاستذکار بمذاہب علماء الأمصار فیما

تضمنه الموطأ من معانی الآثار"،"**التمهيد لما في الموطأ من المعانِ والأسانيد**"اور"کتاب الکافی"لکھی۔

18۔ ابو محمد عبد اللہ بن ابو زید عبد الرحمن قیروانی(متوفی 386ھ):اپنے وقت میں مالکی مذہب کے امام تھے،مالک صغیر سے معروف تھے،ان کی تالیفات بہت ہیں،ان میں سے "النوادر والزیارات علی المدونة"،"مختصر المدونة"،"تهذيب العتبية"اور "کتاب الرسالہ"زیادہ مشہور ہیں۔

19۔ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابہری(متوفی 395ھ):ان ہی کے ذریعہ عراق میں مذہب مالکیہ پھیلا،ان کی کئی تالیفات ہیں، ان میں سے "الرد على المزني"،"کتاب الأصول"اور"کتاب إجماع أہل المدینة"ہیں۔

20۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (متوفی:399ھ):بڑے فقہاء ومحدثین میں سے تھے،ان کی کتابیں کئی ہیں،ان میں سے کتاب"المنتخب فی الأحکام"اور"کتاب المذہب"مشہور ہے۔

6.5 فقہ جعفریہ

شیعہ حضرات کے فقہی مذاہب میں سے ایک مشہور مذہب"فقہ جعفریہ"ہے،یہ حضرت امام ابو عبد اللہ جعفر صادق کی طرف منسوب ہو کر فقہ جعفریہ کہلاتی ہے،اہل تشیع کے درمیان امامت کے مسئلہ میں اختلاف کے باعث تین مشہور فرقے وجود میں آئے،فرقہ زیدیہ،فرقہ اسماعیلیہ اور فرقہ امامیہ جسے اثناعشریہ(بارہ امام والے)بھی کہا جاتا ہے،اس فرقہ کے لوگ زیادہ ہیں،ان کا فقہی مسلک" جعفریہ"ہے۔

فقہ جعفریہ کی بنیاد مدینہ میں پڑی،اس اعتبار سے اس فقہ کا پہلا مرکز مدینہ منورہ تھا،اس کے بعد کوفہ،بغداد،نجف،حلہ،رے، قم اور مشہد اس فقہ کے مراکز رہے ہیں،اس وقت ایران،عراق،شام،لبنان،اور ہندوستان وپاکستان میں اس فقہ پر عمل کرنے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

فرقہ امامیہ بارہ ائمہ کو مانتے ہیں اور ان کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں،پہلے امام حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ،اور آخری امام محمد مہدی ہیں،جن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ"سامراء"بغداد میں روپوش ہیں،اور دوبارہ ظہور پذیر ہوں گے،امام جعفر صادق ان بارہ اماموں میں چھٹے امام ہیں۔

فقہ جعفریہ میں تیسری صدی ہجری کے وسط تک ان کے ائمہ کو مرجعیت حاصل تھی،وہی حاکم اعلی ہوتے تھے اور تمام شیعہ مذہبی طور پر اس کے احکام کے تابع ہوتے تھے،بارہ اماموں کے بعد چار اشخاص کو مرجعیت کا درجہ عطا ہوا جو نوابین اربعہ کہلائے،اور وہ چار اشخاص یہ ہیں:عثمان بن سعید،محمد بن عثمان بن سعید،حسین روح اور ابو الحسن علی بن محمد سمری،ان نوابین کے بعد اکابر فقہاء کا درجہ آتا ہے،جن کو ان کے درمیان مرجع کی حیثیت حاصل رہی،ان میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا مجتہد کہلاتا ہے،جو بارہ اماموں کے بعد حاکم شرع کی حیثیت رکھتا ہے،اس پر تقلید حرام ہوتی ہے،اس کو بادشاہ وقت کے محاسبہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

فقہ جعفریہ میں قرآن، سنت اور ائمہ کے اقوال بنیادی مآخذ ہیں، حدیث میں وہی روایات ان کے نزدیک مقبول ہیں جن کی روایت اہل بیت ائمہ نے کی ہو، اجماع، قیاس، استحسان اور مصالح وغیرہ کو دلیل تسلیم نہیں کیا گیا ہے، البتہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے؛ لیکن عام لوگوں کو اجتہاد کا حق نہیں ہے؛ بلکہ ان کے ائمہ ہی اجتہاد کریں گے اور لوگوں کو حکم شرعی بتائیں گے۔

اور قرآن وحدیث کے بعد ائمہ کے اقوال وارشادات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اور یہ اقوال نصوص شارع کا درجہ رکھتے ہیں، جب ائمہ کی طرف سے کوئی قول صادر ہو گا تو اس کی پیروی سب پر لازم ہو گی۔

فقہ جعفریہ کی اہم کتابیں اور ان کے مؤلفین جن پر مذہب جعفریہ کی بنیاد ہے، یہ ہیں:

1. "بشائر الدرجات فی علوم آل محمد وما خصهم الله به" جس کے مصنف ابو جعفر، محمد بن حسن بن فروخ صفار اعرج (متوفی 290ھ) ہیں، یہ کتاب 1285ھ میں طبع ہو چکی ہے۔
2. "فقه الرضا" اس کے مؤلف علی رضا ہیں، 1274ھ میں طبع ہو چکی ہے۔
3. سب سے مشہور اور اہم کتاب "الکافی فی علم الدین" ہے، جس میں چھوٹی اور درمیانی کتابوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اور اہل بیت کے واسطوں سے سولہ ہزار ننانوے (16099) حدیثیں مروی ہیں، اس کے مؤلف شیخ محمد بن یعقوب بن اسحاق کُلینی رازی (متوفی 328ھ) ہیں۔
4. "من لا یحضره الفقیه" مؤلف: محمد بن علی بن ابویہ قمی (متوفی 381ھ)، جو شیخ صَدوق سے مشہور ہیں۔
5. "کتاب الاستبصار"، "تهذیب الاحکام"، مؤلف: اَبو جعفر طوسی (متوفی 460ھ)۔
6. "شرائع الاسلام" مؤلف: محقق حلی جعفر بن حسن (676ھ)۔
7. "تذکرة القفهاء" اور "قواعد الاحکام" مؤلف: علامہ حلّی جمال الدین حسن بن یوسف (متوفی 726ھ)۔

جہاں تک فقہ جعفریہ کی خصوصیات کی بات ہے تو سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اہل بیت کی روایات لی جاتی ہیں اور قرآن وحدیث کے بعد ائمہ کے اقوال وارشادات اہمیت کے حامل ہیں۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کی فقہ سے زیادہ دور نہیں ہے، فقہ شافعی سے زیادہ قریب ہے، اور فی الجملہ اہل سنت سے تقریباً سترہ مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: نکاح متعہ، اہل سنت کے نزدیک حلال نہیں ہے اور فقہ جعفریہ میں حلال ہے، طلاق پر گواہ بنانا فقہ جعفریہ میں ضروری ہے اور اہل سنت کے یہاں ضروری نہیں ہے، خفین پر مسح کرنا اہل سنت کے نزدیک مشروع عمل ہے اور فقہ جعفریہ میں مشروع نہیں ہے، وضو میں ان کے یہاں دونوں پاؤں پر مسح درست ہے جب کہ اہل سنت کے یہاں درست نہیں؛ بلکہ دھونا ضروری ہے، اسی طرح وہ اذان اور تشہد میں "أشهد أن علیا ولی الله" کا اضافہ کرتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک اضافہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک فقہ جعفریہ کے مشہور فقہاء کا تعلق ہے تو پیچھے بات آچکی ہے کہ یہ فقہ حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب ہے، آپ کا پورا نام اس طرح ہے: امام ابو عبد اللہ جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا (80ھ -148ھ) آپ بارہ اماموں میں چھٹے امام ہیں، صادق آپ کا لقب ہے، آپ نے علماء مدینہ اور کوفہ دونوں سے کسب فیض کیا، آہستہ آہستہ علم وفضل کے عروج وکمال کو پہنچے تو عالم اسلام سے علماء وفضلاء آپ سے استفادہ کے لئے جوق در جوق حاضر ہونے لگے، آپ حدیث وفقہ کے ساتھ دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے، آپ کی طرف کئی کتابیں منسوب ہیں، شیعہ امامیہ کی فقہ کا دارومدار آپ اور آپ کے والد ماجد امام محمد باقر پر ہے۔

آپ کے بعد فقہ جعفریہ کے مشہور فقہاء میں ابو النضر محمد بن مسعود عباسی اور ابو علی محمد بن احمد بن جنید ہیں، یہ دونوں ہی ابو جعفر محمد باقر کے اصحاب میں سے ہیں، ان کے علاوہ موسی کاظم (183ھ)، ان کے بیٹے علی رضا بن فروخ صفار اعرج قمّی (متوفی 290ھ) اور محمد بن یعقوب بن اسحاق کُلَینی رازی (328ھ) ہیں۔

6.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- فقہی مسالک ان مختلف رجحانات کا نام ہے جو مختلف مجتہدین اور فقہاء نے قرآن وحدیث سے نئے پیش آنے والے جزوی مسائل کے احکام کو مستنبط کرنے میں اختیار کیے ہیں، مختلف عہد میں متعدد فقہی مسالک وجود میں آئے، لیکن مختلف اسباب کے تحت بعض باقی رہے، بقیہ ڈیڑھ دو سو سال، زیادہ سے زیادہ پانچ سو صدی ہجری تک باقی رہے پھر ختم ہو گیے۔
- اہل سنت والجماعت کے فقہی مسالک میں سب سے قدیم فقہ حنفی ہے، جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے۔ البتہ چالیس باکمال علماء محدثین وفقہاء کی اجتماعی تحقیق سے یہ فقہ وجود میں آئی، کوفہ میں اس کی نشو ونما ہوئی، اس مذہب کی بنیادی کتابیں امام محمدؒ کی تصنیفات ہیں۔ فقہ حنفی کی تدوین اور ترویج واشاعت میں جہاں امام محمدؒ کی کتابوں کا رول رہا ہے وہیں امام یوسفؒ نے عملی کردار ادا کیا ہے۔
- دوسرا فقہی مسلک مالکی ہے جو امام مالک کی طرف منسوب ہے۔ اس کی نشو ونما مدینہ میں ہوئی، جو ہزاروں صحابہ کرامؓ کا مسکن رہا ہے۔ اسی وجہ سے امام مالک کے نزدیک عمل اہل مدینہ کی بڑی اہمیت ہے۔ مالکی فقہ کی بنیادی کتابوں میں خود امام مالک کی کتاب "المؤطا" اور "المدونۃ" ہیں۔
- اہل تشیع کے فقہی مسالک میں فقہ جعفری بہت مشہور ہے۔ یہ امام جعفر صادق کی طرف منسوب ہے، اس کی بنیاد مدینہ منورہ میں پڑی، اور عراق، بغداد، لبنان، شام اور ایران مراکز رہے ہیں۔ اس فقہ میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، البتہ اجتہاد کرنے کا حق صرف ائمہ کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث کے ائمہ کے اقوال کو بڑی حیثیت ہوتی ہے۔

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. امام ابویوسف کس کے شاگرد تھے؟

(a).امام ابو حنیفہ (b).ابن زیاد نیشاپوری (c).ابویعقوب بویطی (d).تمام غلط

2. فقہ حنفی کی نشرواشاعت اور حفاظت وتدوین میں کس کا بڑا حصہ ہے؟

(a).ابویوسفؒ (b).امام سحنون (c).امام جعفر صادق (d).ابن زیاد نیشاپوری

3. فقہ حنفی مصر میں کس کے ذریعہ پہنچا؟

(a). قاضی اسماعیل بن یسع (b).ابن زیاد نیشاپوری (c).امام جعفر صادق (d).امام سحنون

4. فقہ مالکی کس کی طرف منسوب ہے؟

(a).امام مالک (b).امام جعفر صادق (c).امام شافعی (d).امام احمد بن حنبل

5. المدونۃ کے مرتب کون ہیں؟

(a).عبدالسلام بن سعید سحنون (b).امام محمد (c).امام یوسف (d).موسی کاظم

6. امام مالک کی تصنیف کا نام بتائیں؟

(a).کتاب الخراج (b).المؤطا (c).کتاب الام (d).الکافی فی علم الدین

7. فقہ جعفریہ کی بنیاد کہاں پڑی؟

(a).مدینہ (b).ایران (c).مصر (d).اندلس

8. الکافی فی علم الدین کے مصنف کون ہیں؟

(a).امام مالک (b).ابویوسف (c).امام شافعی (d). شیخ محمد بن یعقوب کلینی رازی

9. مختصر طحاوی کے مصنف کا نام بتائیں؟

(a).احمد بن محمد طحاوی (b).حسن بن زیاد لؤلؤی (c).عبدالرحمن بن قاسم (d). شیخ محمد بن یعقوب کلینی رازی

10. محمد بن ابراہیم اسکندری بن زیاد نے کون سی کتاب تصنیف کی؟

(a).الموازیہ (b).مختصر طحاوی (c).ادب القضاۃ (d).معانی الآثار

6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ حنفی کی خصوصیات کا ذکر کیجیے۔

2. فقہ حنفی کے مشہور فقہاء پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. فقہ مالکی کی خصوصیات مضمون لکھیے۔
4. فقہ جعفریہ کا تعارف کراتے ہوئے اس کی خصوصیات بیان کیجیے۔
5. فقہ جعفریہ کی اہم کتاب اور ان کے مولفین کا ذکر کیجیے۔

6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ حنفی کی تدوین و تشکیل پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. فقہ مالکی پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
3. فقہ مالکی کے مشہور فقہاء کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

6.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع۔ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
2. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اکائی 7: فقہی مسالک: تشکیل و تعارف (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 فقہ شافعی

7.2.1 فقہ شافعی کی خصوصیات

7.2.2 فقہ شافعی کے مشہور فقہاء

7.3 فقہ حنبلی

7.3.1 فقہ حنبلی کی خصوصیات

7.3.2 فقہ حنبلی کے مشہور فقہاء

7.4 اہل حدیث

7.5 زیدیہ

7.6 اکتسابی نتائج

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

7.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

اس سے پہلے اکائی میں آپ نے فقہی مسالک کا مفہوم اور ان کے بانیان کا تذکرہ پڑھ چکے ہیں، اور تین سلسلوں کی عملی تشکیل و

خصوصیات کا ذکر پڑھا۔ اس اکائی میں فقہ شافعی، حنبلی اور اہل حدیث کے خصوصیات و امتیازات اور مشہور فقہاء کے حالات کے بارے میں جانیں گے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد آپ کو اس بات سے واقف کرانا ہے کہ فقہی مسالک میں شافعی، حنبلی اور اہل حدیث کس طرح وجود میں آئے اور ان کی خصوصیات کیا ہیں اور ان کے مشہور نمائندہ فقیہہ کون ہیں۔ ان سب باتوں سے آپ کو آگاہی حاصل ہو گی۔

7.2 فقہ شافعی

فقہ شافعی اہل سنت والجماعت کا تیسرا فقہی مسلک ہے، جو فقہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہو کر فقہ شافعی کہلائی۔ امام شافعیؒ نے اُس وقت کے مروج تمام فقہی مسالک سے استفادہ کیا، ایک طرف امام مالکؒ سے استفادہ کیا تو دوسری طرف امام ابو یوسف اور امام محمد سے استفادہ کیا، شام میں امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن ابی سلمہ سے کسب فیض کیا اور مصر میں امام لیث بن سعد کے شاگرد یحی بن حسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اس طرح امام شافعی کی شخصیت مرکزی اور اہل حدیث اور اہل رائے دونوں کے لئے مرجع بن گئی، اور فقہ شافعی میں اُس وقت رائج تمام فقہی رجحانات کی خوبیاں سمٹ کر آ گئیں۔

فقہ شافعی کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا، اسی وجہ سے فقہ شافعی پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فقہی آراء اور فکر کا گہرا اثر ہے، اس کے بعد یہ مسلک مدینہ اور عراق و بغداد سے ہوتا ہوا مصر پہنچا جہاں اس کو عروج حاصل ہوا، یہاں سے شام، خراسان، توران اور بلاد فارس تک پہنچا۔

موجود دور میں اس مذہب کے ماننے والے اکثر فلپائن، ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، سری لنکا، مصر، سوڈان، اردن، لیبیا، لبنان، اور فلسطین میں آباد ہیں، ان کی کچھ تعداد شمالی افریقہ، سعودی عرب، عراق، شام، یمن اور برصغیر کے ساحلی علاقوں میں آباد ہے، 1930ء کے اندازے کے مطابق دنیا میں شوافع کی تعداد کم و بیش دو سو کروڑ ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب دو واسطوں سے لوگوں تک پہنچا اور پھیلا، ایک آپ کے تلامذہ کے ذریعہ اور دوسرا آپ کی کتابوں کے ذریعہ، آپ کو مختلف علاقوں کے باکمال شاگرد ملے جن میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے علاقہ میں مرجعیت حاصل تھی، مکہ کے تلامذہ میں ابو بکر حمیدی (م:219ھ) ابو اسحاق ابراہیم (م:237ھ) ابو الولید بن جارود، بغداد کے تلامذہ میں ابو علی زعفرانی، ابو علی حسین کرابیسی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، مصر میں حرملہ بن یحی، ابو یعقوب بویطی، ابو ابراہیم مزنی ربیع بن سلیمان مرادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

دوسرا واسطہ کتابوں کا، آپ کی پہلی کتاب "الحجۃ" ہے، جو قدیم اقوال کے لئے مرجع ہے، دوسری کتاب "المبسوط" ہے، امام ابو زہرہ کا خیال ہے کہ امام شافعی نے اپنی کتاب "الحجہ" میں مصر آنے کے بعد کافی تغیر و تبدیلی کی اور اسی کو "المبسوط" کے نام سے موسوم فرمایا، نیز اسی کا نام "الام" بھی ہے، اسی طرح امالی کبری، اور املاء صغیر کا بھی ذکر آتا ہے، اسی طرح ابو عبدالرحمن کی روایت سے کتاب السیر،

اور ابو الولید موسی بن جارود کی روایت سے "مختصر" کی تالیف کا ذکر کیا جاتا ہے، ایک کتاب "السنن" بھی آپ کی طرف منسوب ہے۔

امام شافعیؒ نے بغداد میں قیام کے دوران جو مسائل لکھے یا شاگردوں کو املا کرایا وہ سب آپ کے قدیم اقوال کہلاتے ہیں، اس کے بعد (199ھ) میں آپ بغداد سے مصر تشریف لے گئے، یہاں تقریباً چار سال مقیم رہے، یہاں آپ نے جہاں جدید کتابیں تصنیف فرمائیں، وہیں اپنی قدیم آراء واجتہادات پر نظر ثانی فرمائی، اور بے شمار مسائل میں اپنی سابقہ رائے سے رجوع فرمایا، ان ہی تبدیل شدہ آراء کو امام شافعیؒ کا قول جدید قرار دیا جاتا ہے۔

جہاں تک فقہ شافعی کے طریقہ اجتہاد واستنباط کی بات ہے تو امام شافعیؒ بھی دوسرے ائمہ کی طرح پہلے قرآن کریم اس کے بعد سنت رسول میں مسئلہ کا حکم تلاش کرتے ہیں، قرآن کے ظاہر الفاظ کا اعتبار کرتے ہیں، جب تک کہ دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ اس کا ظاہر مراد نہیں ہے، سنت رسول کے بعد اجماع پر عمل کرتے ہیں، واضح رہے کہ اجماع سے ان کے نزدیک اختلاف کا عدم علم مراد ہے، اگر ان تینوں مصادر میں مسئلہ کا حکم نہ مل سکے تو قیاس کے ذریعہ مسئلہ کا حکم مستنبط کرتے ہیں۔

چوں کہ امام شافعیؒ نے اپنے طریق استنباط اور اصول اجتہاد کو باضابطگی سے کتاب الرسالہ میں مرتب فرمادیا ہے اس وجہ سے ان کے شاگردوں اور ان کے بعد کے فقہاء کے لئے اپنے امام کے نقطۂ نظر کی وضاحت اور تخریج وتفریع نیز مختلف اقوال میں انتخاب وترجیح کو آسانی ہوگئی۔

7.2.1 فقہ شافعی کی خصوصیات

فقہ شافعی اپنی گوناگوں خصوصیات وامتیازات اور خوبیوں کی وجہ سے دوسری فقہ سے ممتاز ہے، ان میں سے چند خصوصیات یہ ہیں:

1۔ پہلی خصوصیت تو یہی ہے کہ صاحب مذہب نے خود اپنے طریقہ اجتہاد اور اصول استنباط واستخراج کو ایک منظم ومنضبط انداز میں مرتب فرمادیا۔

2۔ اسی طرح بانی مسلک نے خود ہی اس مسلک کے احکام وآراء کا بڑا حصہ مدون فرمادیا۔

3۔ فقہ شافعی کی خصوصیات میں ایک اہم خصوصیت اختلافی احکام میں تورع واحتیاط اور ممکن حد تک اختلاف سے بچنے کی کوشش ہے، چنانچہ جسم کی پاکی کے لئے شوافع کے یہاں ملنا ضروری نہیں، مالکیہ کے یہاں ضروری ہے۔

4۔ دوسرے فقہاء کی طرح فقہاء شوافع کے نزدیک بھی اختلافی مسائل میں توسع پایا جاتا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ان ہی برائیوں سے روکا جائے گا جن کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہے۔

5۔ گناہ کے بارے میں سخت رویہ اختیار کرنا اور اس کے سارے دروازوں کو بند کرنے کی کوشش کرنا فقہ شافعی کی اہم خاصیت ہے، چنانچہ ان کے نزدیک معیصت کی نیت سے سفر کرنے والوں کو سفر میں نماز قصر اور رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت وغیرہ کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

6۔ فقہ شافعی کا ایک نمایاں پہلو حج کے احکام میں آسانی کا ہے، جیسے: حرم شریف جانے والے نے اگر حج وغیرہ کی نیت نہ کی ہو تو وہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

7۔ فقہ مالکی کی طرح فقہ شافعی میں بھی معاشرتی مصالح کی رعایت ہے، مثلاً: تنگ دست اور نفقہ نہ دینے والے شوہر سے بیوی تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔

8۔ فقہ شافعی میں اقوال کی کثرت ہے، کسی بھی مسئلہ میں کم سے کم دو قول ضرور ملیں گے، ایک قول قدیم دوسرا قول جدید۔

7.2.2 فقہ شافعی کے مشہور فقہاء

1۔ امام محمد بن ادریس شافعی (150 - 204ھ)، آپ کی چوتھی پشت میں ایک بزرگ شافع بن سائب ہیں، جن کی نسبت سے آپ "شافعی" کہلائے، نویں پشت میں آپ کا نسب عبد مناف پر جاکر رسول اللہؐ سے مل جاتا ہے، غزہ فلسطین میں پیدا ہوئے اور مصر میں وفات پائی، آپ نے مدینہ، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اور فقہ مالکی، فقہ حنفی، فقہ اوزاعی اور فقہ لیثی کی تحصیل کی، اور ان تمام کی فقہ کو اپنے اندر سمو لیا اور مجتہد مطلق بن گئے، اس کے بعد ایک نئی فقہ کی بنیاد ڈالی جو فقہ شافعی سے معروف ہوئی، نیز آپ نے حج کے موقع پر آنے والے محدثین وفقہاء سے خوب استفادہ کیا، اور فقہ کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے بھی امام ہو گئے، امام احمد کا بیان ہے کتاب اللہ اور سنت رسول کا لوگوں میں سب سے بڑے ماہر امام شافعی تھے، آپ کی کئی تصنیفات ہیں، جن میں چند یہ ہیں:

1. مسند شافعی، جو آپ کے شاگرد محمد بن یعقوب نے مرتب کی۔
2. الرسالة في أدلة الأحكام: اس میں اصول فقہ کی بحثیں ہیں۔
3. كتاب ا لام: اس میں فقہی احکام ومسائل کا بیان ہے۔

2۔ ابویعقوب یوسف بن یحی بویطی (متوفی 231ھ): آپ نے امام شافعیؒ سے فقہ حاصل کی، امام شافعی آپ کے فتوی پر اعتماد کرتے تھے، امام شافعی کی حیات میں ہی "مختصر" نامی کتاب لکھی، امام شافعی سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین بننے کے لائق کون ہے؟ امام شافعی نے فرمایا: وہ ابویعقوب بویطی ہیں، مسند شافعی کے مرتب آپ ہی ہیں۔

3۔ ابو علی حسن بن محمد صباح زعفرانی (متوفی 260ھ): امام شافعی کے اہم عراقی شاگردوں میں سے ہیں، اور قول قدیم کے راویوں میں سے ہیں، آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

4۔ ابوابراہیم اسماعیل بن یحی مزنی مصری (175ھ - 264ھ): فقہاء شوافع آپ کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں، آپ کی مشہور ترین کتاب "المختصر" ہے، اس کے علاوہ الجامع الصغیر، اور الجامع الکبیر، بھی ہیں۔

5۔ حرملہ بن یحی بن حرملہ (متوفی 266ھ) امام شافعی سے وہ کتابیں روایت کی ہیں جو ربیع نے روایت نہیں کی ہیں، مثلاً "كتاب الشروط" (3/ جلدیں) "كتاب السنن" (10/ جلدیں)، "كتاب النكاح"، "كتاب ألوان الابل والغنم وصفاتها وأسنانها"۔

6۔ ربیع بن سلیمان بن عبد الجبار مرادی (متوفی 270ھ): امام شافعی کی صحبت میں ایک طویل زمانہ رہے ہیں، آپ کے توسط سے ہی امام شافعی کی "کتاب الرسالہ" اور "کتاب الام" ہم تک پہنچی ہیں۔

7۔ ابن زیاد نیشاپوری، ابو بکر عبد اللہ بن محمد (متوفی 324ھ): ان کی متعدد تصانیف میں سے "کتاب الربا" بہت مشہور ہے۔

8۔ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مروزی (متوفی 340ھ): کہا جاتا ہے کہ ابن سریج کے بعد عراق میں فقہ شافعی کی امامت آپ پر ختم ہوگئی، آپ کی تصنیفات بہت ہیں، آپ نے مختصر مزنی کی شرح بھی لکھی ہے۔

9۔ ابو بکر احمد بن اسحاق ضبعی نیساپوری (متوفی 342ھ): فقہ میں اونچا مقام ہے، آپ کی اہم تصنیف "کتاب الاحکام" ہے۔

10۔ ابو بکر محمد بن احمد حداد (متوفی 344ھ): آپ کی بہت سی تصانیف ہیں، جن میں سے یہ مشہور ہیں، " الفروع المبتکرة الغریبة" "کتاب أدب القاضی والفرائض"۔

11۔ ابو علی حسین بن حسین (متوفی 345ھ): ابن ابی ہریرہ سے مشہور ہیں، ائمہ شوافع میں سے ہیں، "المختصر" کی شرح لکھی ہے۔

12۔ ابو الولید حسان بن محمد قرشی (متوفی 349ھ): ان کی بھی متعدد تصنیفات ہیں۔

13۔ ابو السائب عقبہ بن عبید اللہ بن موسی قاضی (متوفی 350ھ): ائمہ شوافع میں سے ایک ہیں، بغداد میں یہ پہلے شافعی قاضی ہیں۔

14۔ ابو القاسم عبد الواحد بن حسین صیمری (متوفی 386ھ): آپ مذہب شافعی کے حافظ تھے، آپ کی تصنیفات یہ ہیں: "الافصاح فی المذہب"، "کتاب صغیر فی أدب المفتی والمستفتی" اور "کتاب فی الشروط"۔

7.3 فقہ حنبلی

یہ اہل سنت والجماعت کا چوتھا معروف فقہی مسلک ہے، امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب ہو کر حنبلی کہلاتا ہے، اس مذہب کی ابتدائی نشو ونما بغداد میں ہوئی، پھر شام کے شہروں سے ہوتا ہوا دیگر علاقوں تک پھیلا؛ لیکن اس مذہب کو وہ عروج وکمال حاصل نہیں ہوا جو پچھلے تینوں فقہی مسالک کو حاصل ہوا، دراصل ان تینوں فقہی مذاہب کو حکومت کی سرپرستی ملی جو حنبلی مسلک کو نہیں مل سکی۔

ایوبی دور کے آخر میں مصر میں اس مذہب کو کچھ فروغ ملا، موصل، آذربائیجان، اور آرمینا وغیرہ میں بھی یہ مذہب پہنچا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کی اصلاحی تحریک کو جدید سعودی حکومت کے بانی عبد العزیز آل سعود کی حمایت وتائید حاصل تھی؛ اس لئے سعودی عرب کی حکومت نے فقہ حنبلی کو اپنا قانونی مسلک قرار دیا، اس طرح فقہ حنبلی کو سعودی حکومت کے سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی، اس وقت وہاں کے شرعی محاکم میں اسی فقہ کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں، اور اس وقت سعودی عرب، کویت، عرب امارات اور

دوسرے خلیجی ملکوں میں زیادہ تر اسی فقہ پر عمل ہے، فلسطین، شام اور عراق وغیرہ میں بھی اس مذہب کے ماننے والے موجود ہیں، 1930ء کے اندازے کے مطابق اس مذہب کے پیروکار کی تعداد کم وبیش چالیس لاکھ تھی۔

امام احمد بن حنبل گو مجتہد مطلق تھے، امام شافعی کے شاگرد تھے؛ لیکن ان پر محدثانہ شان غالب رہی، اسی وجہ سے وہ اپنی آراء واجتہادات کو مدون کرنا پسند نہیں فرماتے تھے؛ لیکن تقدیر کا فیصلہ تھا کہ فقہ حنبلی کے نام سے چوتھا فقہی مسلک عالم اسلام میں رائج ہو، چنانچہ خود آپ کے دو فرزندان صالح بن احمد اور عبداللہ بن احمد نے آپ کے فقہی آراء واجتہادات اور فتاوی مدون کئے، آپ کے جن شاگردوں نے آپ کی فقہ کو رائج کیا ان میں آپ کے دونوں صاحبزادے کے علاوہ احمد بن محمد ابو بکر اثرم، عبدالملک میمونی اور ابو بکر مروزی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پھر ابو بکر مروزی کے خاص بلند پایہ شاگرد احمد بن محمد بن ہارون ابو بکر خلال نے امام احمد کے فتاوی کو "الجامع الکبیر" کے نام سے جمع کیا، یہی کتاب فقہ حنبلی کے لئے اساس وبنیاد ہے، یہ کتاب دو سو حصوں پر مشتمل ہے، اس مجموعہ کی تلخیص ابو القاسم خرقی نے کی، اس تلخیص کی تقریباً تین سو شروحات لکھی گئیں، ان میں سب سے مشہور اور ممتاز شرح المغنی لابن قدامہ ہے۔

آپ استنباط احکام اور اجتہاد میں سے سب سے پہلے قرآن مجید پھر سنت رسولؐ پر اعتماد کرتے تھے، اگر خبر واحد کی سند متصل ہو، اس کے راوی ثقہ ہوں تو بغیر کسی شرط کے اسے قبول فرماتے تھے، حدیث کے بعد اجماع پر اعتماد کرتے تھے، البتہ اجماع کے بارے میں آپ کا خیال یہ تھا کہ جن مسائل میں اختلاف نہ ہو تو ان میں اجماع کا دعوی کرنے کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ اس مسئلہ میں اختلاف معلوم نہیں ہے، اس کے بعد صحابہ کے ان فتاوی کو لیتے تھے، جن کے بارے میں کسی دوسرے صحابی کا اختلاف منقول نہ ہو، اگر صحابہ کا باہم اختلاف ہو تو جو قول آپ کے خیال میں قرآن وحدیث سے قریب ہوتا اسے لیتے اور صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جاتے تھے، اگر کسی مسئلہ کے بارے میں صحابہ کے فتاوی بھی نہ ہوں تو حدیث مرسل اور ایسی ضعیف حدیث جو باطل ومنکر کے درجہ میں نہ ہو، اس پر عمل کرتے اور قیاس نہیں فرماتے تھے، قیاس کا استعمال آپ کے یہاں بالکل آخری درجہ میں ہوتا تھا۔

فقہ حنبلی احکام کے استنباط میں علت کو مدار بنانے کے بجائے زیادہ تر حکمت کو مدار بناتی ہے، اسی طرح فقہ حنبلی کے اندر اصولی مآخذ میں استصحاب کا استعمال زیادہ ہوا ہے، پھر مصالح مرسلہ اور سد ذرائع کے اصول سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

7.3.1 فقہ حنبلی کی خصوصیات

جہاں تک فقہ حنبلی کی خصوصیات وامتیازات کی بات ہے تو وہ یہ ہیں:

1. امام احمد فقہ وحدیث دونوں میں اونچا مقام رکھتے تھے، لیکن ساتھ ہی ان پر محدثانہ شان غالب تھی، اسی وجہ سے جس مسئلہ میں نص یا سلف کا کوئی قول موجود نہ ہو، اس میں اظہار رائے سے گریز کرتے تھے۔

2. فقہ حنبلی کی امتیازی شان ورع واحتیاط ہے، آپ کے یہاں نصوص سے انتہائی درجہ کا اعتناء اور اس سے شغف ملتا ہے، اس کی مثالوں میں سے یہ ہے کہ امام احمد کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، اسی طرح امام احمد کے نزدیک مجوسی اور مشرکین کے برتنوں کا دھونا واجب ہے، یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن

میں امام احمدؒ نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے، اور دوسرے ائمہ نے توجیہ و تاویل کی راہ اختیار کی ہے۔

3. فقہ حنبلی میں عہد و پیمان اور وعدہ و شرط کا پاس ولحاظ بھرپور کیا گیا ہے، حتی کہ بعض اوقات حد اعتدال سے آگے بڑھ گیا، چنانچہ امام احمدؒ کے نزدیک نکاح اور مہر کی تمام شرطیں جائز ہیں، یہاں تک کہ شوہر نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کرے گا، تو اس پر اس عہد کی پابندی ضروری ہے، اگر اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو عورت کو مطالبۂ تفریق کا حق حاصل ہو گا۔

4. معاملات میں آسانی بھی فقہ حنبلی کی اہم خصوصیت ہے، چنانچہ حنابلہ نے "اشیاء میں اصل اباحت ہے" اس اصول کو بڑے توازن اور دقت نظر سے برتا ہے، اسی اصول کی بنا پر حنابلہ کے نزدیک انسانی عضو کی خرید و فروخت جائز ہے، جانوروں کی بٹائی درست ہے، اسی طرح اعضاء کی پیوند کاری جائز ہے۔

7.3.2 فقہ حنبلی کے مشہور فقہاء

1. امام احمد بن محمد بن حنبلؒ، ابو عبداللہ (164ھ - 241ھ): بغداد ہی میں پیدا ہوئے یہیں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور وفات بھی یہیں ہوئی اور یہیں تدفین عمل میں آئی، حدیث و فقہ دونوں میں آپ کو نمایاں درجہ و مقام حاصل ہے، گو آپ پر حدیث کا رنگ غالب رہا ہے، اسی وجہ سے حدیث کی جمع و ترتیب کی طرف توجہ دی اور حدیث کی عظیم انسائیکلوپیڈیا "المسند" کے نام سے ترتیب دی، جس میں صحابہ کرام کے ناموں کی ترتیب سے تقریباً 27600 احادیث ہیں، آپ کو اپنے فتاوی و آراء کا جمع کرنا پسند نہیں تھا، اس لئے آپ کے علوم آپ کے شاگردوں کے ذریعہ شائع ہوئے۔

آپ نے امام ابو یوسف، سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، عبدالرحمن بن مہدی اور یحی بن سعید قطان سے استفادہ کیا، بغداد میں امام شافعی سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کیا، یہاں تک کہ مجتہد مطلق ہو گئے، امام شافعیؒ جب بغداد سے روانہ ہونے لگے تو فرمایا کہ امام احمد بن حنبل آٹھ چیزوں میں درجہ امامت پر فائز ہیں: قرآن، حدیث، فقہ، لغت، فقر، زہد، ورع اور سنت: ابراہیم حربی کا بیان ہے: گویا اللہ نے ان میں اولین اور آخرین کا علم جمع کر دیا ہے۔

2. صالح بن احمد بن محمد بن حنبل (266ھ): یہ امام احمد کے بڑے صاحبزادہ ہیں والد محترم سے حدیث و فقہ دونوں کی سماعت کی، لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے کہ اس بارے میں آپ کے والد نے کیا فرمایا؟ آپ کے چھوٹے بھائی نے والد سے نقل حدیث کا اہتمام کیا، اور آپ نے اپنے والد کی فقہ اور شرعی مسائل کے نقل کی طرف توجہ دی۔

3. ابو بکر اثرم، احمد بن محمد بن ہانی خراسانی بغدادی (متوفی 273ھ): امام احمد سے فقہ و حدیث دونوں کے ناقلین میں سے ہیں، ان کی مشہور کتاب "السنن فی الفقه" ہے، آپ کا بڑے حفاظ فقہاء میں شمار ہوتا ہے۔

4. عبدالملک بن عبدالحمید بن مہران میمونی (274ھ): امام احمدؒ کی صحبت میں بیس سال سے زیادہ عرصہ رہے، امام صاحب کے جلیل القدر اصحاب میں شمار ہوتا ہے۔

5. احمد بن محمد بن حجاج، ابو بکر مروزی (متوفی 274ھ): امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں تھے، فقہ وحدیث دونوں کے امام تھے، آپ کی تصانیف بہت ہیں۔

6. ابو بکر خلال احمد بن محمد بن ہارون (متوفی 311ھ): انہوں نے امام احمدؒ کے اصحاب کی فقہ کو جمع کیا، یہاں تک کہ انہیں کہا جانے لگا "جامع الفقه الحنبلی" امام احمد کے خاص شاگرد ابو بکر خلال مروزی کی صحبت میں زیادہ رہے۔

7. ابوالقاسم، عمر بن حسین خرقی (متوفی 334ھ): ان کی تصنیفات بے شمار ہیں، ان میں مشہور "المختصر فی الفقه" ہے، دراصل یہ ابو بکر خلال کی کتاب کی تلخیص ہے۔

8. ابو بکر عبد العزیز بن جعفر (متوفی 363ھ): ان کی متعدد تصانیف ہیں، ان میں سے ایک "الخلاف مع الشافعی" ہے۔

7.4 اہل حدیث

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دور صحابہ میں ہی اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے پیدا ہو چکے تھے، اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین و مجتہدین کے زمانہ میں دونوں ہی طبقے ممتاز اور اپنی اپنی جگہ مستحکم ہو چکے تھے، یہ بھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ اہل حدیث صحابہ، تابعین یا ان کے بعد کے علماء کا استنباط احکام میں کوئی منہج نہیں رہا ہے، وہ ظاہر نصوص پر عمل کرتے تھے، اور نصوص کے ظاہر عبارت سے جو مسئلہ معلوم ہوتا تھا پوچھنے والوں کو بتادیتے تھے، بقیہ جو مسائل ظاہر عبارت سے معلوم نہیں ہو سکتے تو ان میں توقف کرتے، معانی میں غواصی کے عادی نہیں تھے۔

جہاں تک موجودہ دور کا تعلق ہے اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ لاہور کی تصریح کے مطابق: اہل حدیث کی اصطلاح ایک مخصوص اور معیّن مسلک کے طور پر بالخصوص برصغیر میں بارہویں صدی ہجری میں نمایاں ہوئی، نظری اور عملی اعتبار سے حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (متوفی 1320ھ) نے ہندوستان میں اس مسلک کی تنظیم کی اور اس کے استحکام کے لئے کوشش فرمائی، بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں اہل حدیث مسلک نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی اور دہلی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے ملک گیر تنظیم قائم ہوئی، جس نے مدارس و مکاتب کے قیام، مبلغوں کے وعظ اور جلسوں کے ذریعہ مسلک اہل حدیث کو پورے ملک میں عام کیا، نیز یہ مسلک اپنے چند فقہی رجحانات کی وجہ سے ممتاز ہے، جیسے: تراویح کی آٹھ رکعات، ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا، نماز باجماعت میں امام کے پیچھے قراءت وغیرہ۔ بقیہ مسائل میں زیادہ تر فقہ حنبلی اور فقہ شافعی سے مماثلت پائی جاتی ہے۔

اس زمانہ میں اس مسلک سے وابستہ لوگ خود کو سلفی اور اثری بھی کہتے ہیں، اس وقت اس کے بڑے بڑے تعلیمی و رفاہی ادارے اور تنظیمیں قائم ہیں، اس مسلک کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ کسی مجتہد کی تقلید کرنے کے بجائے براہ راست قرآن وحدیث سے مسئلہ اخذ کیا جائے، اہل حدیث بدعات و رسومات کے سخت مخالف ہیں، اور توحید و سنت کے داعی ہیں۔

فقہ اہل حدیث کے مشہور فقہاء میں سے چند نامور شخصیات یہ ہیں: علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی (متوفی: 1890ء)،

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (متوفی: 1902ء)، مولانا ثناء اللہ امر تسری (متوفی: 1867ء-1948ء) جن کے فتاوی ثنائیہ اور تفسیر قرآن مشہور ہیں، شیخ ناصر الدین البانی (متوفی: 1914ء–1999ء) کی تحقیقات پر بھی اس مسلک میں اعتماد پایا جاتا ہے جن کی تصنیفات، تحقیقات اور حواشی بے شمار ہیں، فقہ میں "أحکام الجنائز" تلخیص کتاب "تحفة المودودفی أحکام المولود"، "تمام المنة فی التعلیق علی کتاب فقه السنة للسیدسابق" قابل ذکر ہیں اس طرح فتاوی کے بھی کئی مجموعے اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جن میں ایک مشہور "فتاوی اہل حدیث" ہے جس کے مصنف حافظ عبد اللہ روپڑی ہیں۔

بعض دیگر علماء اہل حدیث جو دراصل حدیث کے شارح ہیں، انہوں نے شرح کے ذیل میں فقہی مسائل ذکر کئے ہیں، وہ یہ ہیں: مولانا شمس الحق عظیم آبادی جو سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود کے مصنف ہیں مولانا عبد الرحمن مبارکپوری جو سنن ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کے مصنف ہے، مولانا عبید اللہ مبارک پوری جو کہ "مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح" کے مصنف، ہیں مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری جو کہ "منۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم" کے مصنف ہیں۔

7.5 زیدیہ

زیدیہ سے مراد وہ شیعہ حضرات ہیں جو امام زین العابدین علی بن حسینؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت زید بن علی کو امامت کے منصب کا مستحق قرار دیتے ہیں اور ان کو اپنا امام مانتے ہیں، اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے دور میں کوفہ شہر میں آپ کی بیعت ہوئی، اس اعتبار سے اس فقہ کی بنیاد کوفہ میں پڑی؛ لیکن یمن میں پھیلی اور وہیں اس کو فروغ ملا۔

زیدیوں میں بھی آٹھ مختلف جماعتیں، مختلف نامور شخصیات کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئی ہیں، فقہ زیدیہ کے پیروکار زیادہ تر یمن میں پائے جاتے ہیں، 288ھ سے آج تک وہاں کی حکومت کا سرکاری مذہب زیدیہ چلا آرہا ہے۔

طریقہ استنباط میں فقہاء زیدیہ قرآن وحدیث اور اجتہاد پر اعتماد کرتے ہیں، البتہ جعفریہ کی طرح یہ لوگ بھی اہل بیت کی روایات ہی کو اہمیت دیتے ہیں، مزید یہ حضرات قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ اور استصحاب کو بھی حجت مانتے ہیں۔

فقہ زیدیہ کی بھی بعض خصوصیات وامتیازات ہیں جن کی وجہ سے دوسرے فقہی مسلک سے ممتاز ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہیں:

1. اصول استنباط، اجتہاد اور فتاوی میں عموماً مسلک حنفی کی طرف میلان ہے۔
2. شیعہ فرقوں اور مذاہب میں سے اہل سنت والجماعت سے سب سے زیادہ قریب یہی فرقہ زیدیہ ہے، اس فرقہ کے بانی حضرت امام زید شیخین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے خلاف طعن کرنے والوں پر نکیر فرماتے تھے اور زیدی حضرات بھی اپنے امام کی پیروی میں شیخین کے خلاف گستاخی نہیں کرتے ہیں، گو حضرت علیؓ کی تفضیل کے قائل ہیں۔
3. یہ فقہ فروعی مسائل میں عموماً فقہ حنفی اور بعض مسائل میں فقہ شافعی سے قریب ہے۔
4. دوسرے فقہی مسالک کی طرح زیدیہ اپنے امام زید کی اتباع فروعی مسائل میں نہیں کرتے ہیں۔

5. فقہ زیدیہ میں نکاح متعہ اور کتابیہ سے نکاح حرام ہے، اسی طرح خفین پر مسح ان کے یہاں درست نہیں ہے، جب کہ اہل سنت کے نزدیک کتابیہ سے نکاح حلال ہے اور خفین پر مسح کرنا درست ہے۔

زیدیہ فقہ کی سب سے قدیم کتاب "المجموع" ہے جو امام زید بن علی کی طرف منسوب ہے، یہ کتاب مطبوعہ ہے، دوسری مشہور کتاب جو دراصل "المجموع" ہی کی شرح ہے "الروض النضير شرح مجموع الفقه الكبير" کے نام سے چار جلدوں میں ہے، جس کے مؤلف شرف الدین حسین بن علی احمد سیاغی یمنی (متوفی: 1221ھ) ہیں، یہی دو کتابیں زیدیہ فقہ کی اساس وبنیاد ہیں۔

زیدیہ فقہ کے چند مشہور اور نمایاں فقہاء ہیں، اور وہ یہ ہیں:

1. اس فقہ کے بانی امام زید بن علی زین العابدین (80ھ - 122ھ): آپ حضرت حسینؓ کے پوتے اور حضرت امام باقر کے چھوٹے بھائی تھے، فضل وکمال میں بڑا اونچا مقام پایا یہاں تک کہ مجتہد مطلق ہو گئے، آپ کے اجتہادات وآراء کا مجموعہ "المجموع" کے نام سے وجود میں آیا، اس کے علاوہ اور بھی آپ کی کتابیں ہیں، جن کی تعداد تقریباً پندرہ تک پہنچتی ہے جن میں ایک حدیث کی کتاب اور اس کا نام بھی "المجموع" ہے۔

2. حسن بن علی بن حسن بن زید بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؓ: آپ نے زیدیہ مذہب پر فقہی ترتیب کے اعتبار سے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، جیسے: کتاب الطہارۃ، کتاب الاذان وغیرہ۔

3. حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علیؓ (متوفی 270ھ): جید فقیہ تھے، آپ نے اپنے پیچھے "کتاب الجامع فی الفقه" اور "کتاب البیان" وغیرہ علمی سرمایہ چھوڑا۔

4. قاسم بن ابراہیم علوی برسی: زیدیہ قاسمیہ فرقہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، آپ کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے کتاب "الأشربة" اور "كتاب الأيمان والنذور" ہیں۔

5. ہادی یحی بن حسن بن قاسم بن ابراہیم: ہادویہ زیدیہ فرقہ آپ کی کی طرف منسوب ہے، آپ کی مشہور کتاب "جامع فی الفقه" ہے۔

7.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مسلک فقہ شافعی جو کہ امام محمد ابن ادریس شافعیؒ کی طرف منسوب ہے، اس مسلک کی تشکیل مکہ، پھر عراق وبغداد اور مصر میں ہوئی، اس فقہ پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فقہی آراء اور منہاج فکر کا گہرا اثر ہے، اس مسلک کی بنیادی کتابیں خود امام شافعی کی اپنی تالیفات ہیں، جن میں زیادہ مشہور کتاب "الأم" اور "كتاب الرسالة" ہیں، اس فقہی مسلک کی تدوین وترویج

اور تشکیل میں جن فقہاء نے حصہ لیا ہے، وہ یہ ہیں: ابویعقوب بویطی، ابوابراہیم مزنی مصری، حرملہ بن یحی، ربیع بن سلیمان مرادی، ابواسحاق مروزی، ابو بکر احمد بن اسحاق، ابو بکر محمد بن احمد حداد، ابو علی حسین بن حسین، ابوالولید حسان بن محمد قرشی، ابوالسائب عقبہ قاضی اور ابوالقاسم عبدالواحد صیمری ہیں۔

- فقہ حنبلی جو کہ امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے، اس مسلک کی تشکیل کا عمل بغداد میں انجام پایا، امام احمد گو محدث و مجتہد تھے ؛لیکن وہ اپنی فقہی آراء مدون کئے جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، آپ کی فقہی آراء واجتہادات اور فتاوی کو آپ کے شاگردوں جن میں آپ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور صالح بھی شامل ہیں، نے مدون کیا، اس فقہ کی بنیادی کتابیں الجامع الکبیر از ابو بکر خلال، اس کی تلخیص مختصر الخرقی، پھر اس کی مبسوط شرح ابن قدامہ کی المغنی ہے، اس فقہ کے مشہور فقہاء میں صالح، ابو بکر خلال، عبدالملک بن عبدالحمید میمونی، ابوالقاسم عمر بن حسین خرقی، بعد کے ادوار میں ابن قدامہ، ابن تیمیہ اور ابن قیم قابل ذکر ہیں۔
- اہل حدیث کی اصطلاح ایک مخصوص اور معین مسلک کے طور پر بالخصوص برصغیر میں بارہویں صدی ہجری میں نمایاں ہوئی، نظری اور عملی اعتبار سے حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی نے ہندوستان میں اس مسلک کی تنظیم کی اور اس کے استحکام کے لئے کوشش فرمائی، بیسویں صدی کے آغاز میں اہل حدیث مسلک نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی اور دہلی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے نام سے ملک گیر تنظیم قائم ہوئی۔ یہ تنظیم اپنے چند فقہی رجحانات کی وجہ سے مشہور ہے جیسے: تراویح کی آٹھ رکعات، ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا وغیرہ، بقیہ مسائل میں زیادہ تر فقہ حنبلی یا فقہ شافعی سے مماثلت پائی جاتی ہے، نواب صدیق حسن خان، مولانا ثناءاللہ امرتسری، وغیرہ ان کی مشہور شخصیات ہیں۔
- زیدیہ مسلک جو کہ امام زین العابدین علی بن حسین کے فرزند زید کی طرف منسوب ہے، اس فقہ کی بنیاد کوفہ میں پڑی اور یمن میں پھیلا، اس فقہ کی بنیادی کتابیں "المجموع" اس کی شرح "الروض النضیر" ہیں، اس کے مشہور فقہاء میں امام زید کے علاوہ حسن بن علی، حسن بن زید، قاسم بن ابراہیم اور ہادی یحی بن حسن ہیں۔

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

7.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ شافعی کا آغاز کہاں ہوا؟

(a).مکہ (b).مدینہ (c).کوفہ (d).ہندوستان

2. "کتاب الام" کے مصنف کون ہیں؟

(a).امام شافعیؒ (b).امام مالکؒ (c).امام ابو حنیفہؒ (d).امام احمدؒ

3. امام محمد ادریس شافعی کی وفات کب ہوئی؟

(a).204ھ (b).210ھ (c).220ھ (d).225ھ

4. مسند شافعی کس نے مرتب کی؟

(a). محمد بن یعقوب (b).امام احمد (c).امام یوسف (d).سعید سحنون

5. حنبلی فقہ کی ابتدائی نشو ونما کہاں ہوئی؟

(a).بغداد (b).مدینہ (c).کوفہ (d).مصر

6. امام احمد کے فتاوی کو کس نام سے جمع کیا؟

(a).الجامع الکبیر (b).کتاب الخراج (c).مدونۃ الکبری (d).کتاب الام

7. "المغنی لابن قدامہ" کس کی شرح ہے؟

(a).الجامع الکبیر (b).کتاب الخراج (c).مدونۃ الکبری (d).کتاب الام

8. حدیث کی مشہور و معروف کتاب "المسند" کس نے مرتب کی؟

(a).امام احمدؒ (b).امام مالکؒ (c).امام ابو حنیفہؒ (d).امام شافعیؒ

9. فتاویٰ اہل حدیث کے مصنف کون ہیں؟

(a).حافظ عبد اللہ روپڑی (b).ثناء اللہ امرتسری (c).عبد الرحمن مبارکپوری (d).نواب صدیق حسن خاں

10. "منۃ المنعم فی شرح مسلم" کے مصنف کون ہیں؟

(a).امام ابن تیمیہ (b).صفی الرحمن مبارکپوری (c).حافظ عبد اللہ روپڑی (d).ثناء اللہ امرتسری

7.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ شافعی کی خصوصیات پر نوٹ لکھیے۔
2. فقہ شافعی کے مشہور فقہاء پر روشنی ڈالیے۔
3. فقہ حنبلی کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
4. فقہ حنبلی کے مشہور فقہاء پر تبصرہ کیجیے۔
5. اہل حدیث کے مشہور فقہاء کا جائزہ لیجیے۔

7.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ شافعی کے آغاز وارتقاء پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

2. فقہ حنبلی کے نشوونما پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
3. فقہ اہل حدیث پر جامع مضمون قلم بند کیجیے۔

7.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع۔ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
2. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اکائی 8: اہم فقہی کتابیں

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 ابتدائی کتب فقہ

8.2.1 فقہ حنفی کی ابتدائی کتابیں

8.2.2 فقہ مالکی کی ابتدائی کتابیں

8.3 متون اور شروحات

8.4 فقہی موضوعات پر کتابیں

8.4.1 قضاء پر اہم کتابیں

8.4.2 محکمہ احتساب پر کتابیں

8.4.3 نظام حکومت پر اہم کتابیں

8.4.4 مالیاتی نظام سے متعلق اہم کتابیں

8.4.5 نظام وقف سے متعلق اہم کتابیں

8.5 اکتسابی نتائج

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

8.0 تمہید

اس اکائی میں فقہی مسالک کی ابتدائی کتب فقہ کا تعارف کرایا جائے گا، ہر مسلک کی ابتدائی کتابیں ہی بنیادی کتابیں ہوتی ہیں اور اس مسلک کا سرمایہ بھی، فقہی مسالک کے متون تیار ہوئے پھر ان متون کی شرحیں لکھی گئیں، متون کی حیثیت صحیح مذہب اور راجح اقوال کے مجموعہ کی ہوتی ہے، اس لئے ان کا بھی تعارف پیش ہو گا؛ چوں کہ فقہی مسائل میں مختلف پہلوؤں سے کام ہوا ہے، اس لئے موضوعات کے اعتبار سے جو کتب فقہ منظر عام پر آئی ہیں، ان کا بھی ذکر ہو گا۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا بنیادی مقصد آپ کو ان تفصیلات سے واقف کرانا ہے کہ ابتدائی کتب فقہ کیا ہیں؟ نیز وہ فقہی متون اور شروحات کا مطلب جاننے کے ساتھ ساتھ، اس سے متعلق فقہی کتابوں سے واقف ہو سکیں، عمومی کتب فقہ سے واقفیت کے بعد خصوصی موضوعات پر لکھی جانے والی کتابوں سے بھی آگاہ ہو سکیں۔

8.2 ابتدائی کتب فقہ

ہر فقہی مسلک میں اس کی ابتدائی کتابیں پائی جاتی ہیں جو اس فقہی مذہب کی اساس کا درجہ رکھتی ہیں، یہاں متداول فقہی مسالک کی ابتدائی کتب کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

8.2.1 فقہ حنفی کی ابتدائی کتابیں

بنیادی طور پر فقہ حنفی کی ابتدائی کتابوں کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، پہلا: ظاہر روایت، دوسرا: نوادر، تیسرا: فتاوی وواقعات، یہ تقسیم فقہی مسائل کی اہمیت ودرجہ کے اعتبار سے ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں ظاہر روایت کی کتابوں کے مسائل زیادہ قابل اعتماد اور راجح سمجھے جاتے ہیں، ظاہر روایت سے مراد امام محمدؒ کی یہ چھ کتابیں ہیں:

1. المبسوط: یہ کتاب "الأصل فی الفروع" سے بھی معروف ہے، اور اس کتاب کا نام "الأصل" اس لئے ہے کہ امام محمد نے سب سے پہلے یہی کتاب لکھی، اس کی بعد دوسری کتابیں تصنیف ہوئیں، اس کتاب میں امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے مستنبط ہزارہا مسائل کو جمع فرمایا، پہلے آثار ذکر کئے، پھر مسائل اور آخر میں معاصر علماء کے اختلافات بھی درج کئے ہیں، لجنة إحياء المعارف النعمانية حیدرآباد سے 1973ء میں اس کی چار جلدیں مولانا ابو الوفاء افغانی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئیں۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد سے بھی چار جلدوں میں چھپی ہے، اور چوتھی جلد کے اجزا بنا دیئے گئے ہیں، پانچویں اور چھٹی اور ساتویں جلدیں دائرۃ المعارف سے اشاعت کے لئے تیار ہیں، جو بالترتیب محمد امین الدین، مبین اقبال اور سید ریاض الدین رفقاء دائرۃ کی تحقیق سے مزین ہیں۔

2. الجامع الصغیر: اس کتاب کو عیسی بن ابان اور محمد بن سماعہ امام سے روایت کرتے ہیں، اس میں امام محمد نے امام ابو یوسفؒ کے واسطہ سے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے، اس کتاب میں (1532) مسائل ہیں، علامہ عبد الحی لکھنوی نے "النافع الکبیر" کے نام سے اس کی ایک شرح لکھی ہے۔

3. الجامع الکبیر: یہ کتاب پہلی کتاب کی طرح ہے، البتہ اس سے مفصل ہے، مولانا ابو الوفاء افغانیؒ نے احیاء المعارف النعمانیۃ سے اس کتاب کو اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا، دوسرا ایڈیشن 1399ھ میں بیروت سے شائع ہوا، اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم "شرح الحصیر الکبیر" ہے۔

4. الزیادات: یہ "الجامع الکبیر" کا تکملہ ہے، پھر جو مسائل الزیادات سے رہ گئے ان کو "زیادات الزیادات" کے نام سے امام محمد نے الگ سے تصنیف کی شکل میں جمع کیا، یہ مولانا ابو الوفاء افغانی کی تحقیق کے ساتھ "احیاء المعارف النعمانیۃ" حیدرآباد سے چھپ چکی ہے، راجح قول کے مطابق یہ بھی ظاہر روایت میں شامل ہے؛ کیوں کہ یہ "زیادات" ہی کا حصہ ہے۔

5. کتاب السیر الصغیر: یہ جہاد اور بین الاقوامی قوانین کے موضوع پر ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ قانون کی تاریخ میں اس موضوع پر پہلی کتاب امام محمد نے تالیف فرمائی ہے، یہ کتاب ڈاکٹر محمود غازی کی تحقیق اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ اسلام آباد انٹرنیشنل یونیورسٹی پاکستان سے ایک جلد میں شائع ہو چکی ہے۔

6. کتاب السیر الکبیر: یہ امام محمد کی آخری فقہی تصنیف ہے، یہ بھی بین ملکی قانون ہی کے موضوع پر ہے؛ لیکن "السیر الصغیر" سے مفصل ہے، علامہ سرخسی نے اس کی تفصیلی شرح لکھی ہے۔

امام محمد کی ان چھ کتابوں سے مکرر مسائل کو حذف کرکے ابو الفضل محمد بن احمد مروزی معروف بہ حاکم شہید نے "الکافی فی فروع الحنفیۃ" کے نام سے ایک جگہ جمع کر دیا، اسی کی تفصیلی شرح شمس الائمہ سرخسی نے "المبسوط" کے نام سے لکھی ہے، جو 30 جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

نوادر: سے مراد وہ فقہی مسائل ہیں جو امام محمد کی ان چھ کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب یا امام ابو یوسفؒ اور امام حسن بن زیاد وغیرہ کی طرف منسوب تحریروں میں ہیں، نوادر میں درج ذیل کتابیں داخل ہیں:

1. ہارونیات: یہ کتاب خلیفہ ہارون کی طرف منسوب ہے؛ کیوں کہ امام محمدؒ نے ان کے عہد میں املاء کرایا تھا۔
2. کیسانیات: وہ احکام جو آپ کے شاگرد شعیب بن سلیمان کیسانی نے آپ سے نقل کئے ہیں۔
3. رقیات: رقہ نامی علاقہ میں امام محمد قاضی تھے، اس دوران آپ نے جن مسائل پر اظہار رائے فرمایا وہ رقیات کہلائے۔
4. کتاب الامالی از امام ابو یوسفؒ۔
5. کتاب المجرد از امام حسن بن زیاد۔

یہ ساری کتابیں نوادر اس لئے کہلاتی ہیں کہ یہ شہرت وتواتر کے ساتھ اس درجہ معتبر ومستند طریقہ پر منقول نہیں جس درجہ کی ظاہر روایت کی کتابیں ہیں۔

فتاوی وواقعات: جن احکام ومسائل کے بارے میں امام صاحب کی رائے منقول نہیں ہے اور بعد کے مشائخ نے ان کی بابت اجتہاد کیا ہے ان کو" فتاوی وواقعات" کہا جاتا ہے، اس سلسلہ کی ابواللیث سمرقندی کی "کتاب النوازل"، ناطفیؒ کی" مجمع النوازل والواقعات" اور صدر شہید کی "الواقعات معروف" اور اولین کتابیں ہیں، جن میں "نوازل أبی اللیث السمرقندی" 456 صفحات پر مشتمل طبع ہو چکی ہے۔

8.2.2 فقہ مالکی کی ابتدائی کتابیں

خود امام مالک کی تالیف مؤطا ہے، جس میں احادیث وآثار کے علاوہ فقہی آراء بھی ہیں، دوسری اولین کتاب "المدونة الکبری" ہے، جس میں امام مالکؒ کے وہ اقوال وآراء ہیں جو انہوں نے سوال کے جواب کے طور پر تحریر فرمائے ہیں، جسے امام مالکؒ کے ممتاز شاگرد اسد بن فرات نے ابتداء مرتب کیا تھا، اور ابن سحنون نے اس نسخہ کی نقل تیار کرنے کے بعد امام مالکؒ کے شاگرد عبدالرحمن بن قاسم سے اس میں مزید اصلاحات کرا کے آخری شکل دی ہے، اسی طرح "الواضحة فی السنن والفقه" از عبدالملک بن حبیب (متوفی 238ھ) فقہ مالکی کی اولین بنیادی کتابوں میں سے ہے۔

تیسری کتاب "المستخرجة" محمد عتبی قرطبی (متوفی:254ھ) کی تالیف ہے، اسی کا نام "عتبیه" بھی ہے، اور یحی بن عمر نے اس کی تلخیص کی، جس کا نام "المنتخبة" رکھا، اس کی شرح" البیان والتحسین" ہے، "المستخرجة" شرح کے ساتھ چھپ چکی ہے، چوتھی کتاب "الموازیة" محمد ابراہیم اسکندری معروف بہ ابن مواز (متوفی:269ھ) کی حال ہی میں شائع ہو چکی ہے، فقہ مالکی کا مدار ان ہی چاروں کتابوں پر ہے، اور یہ امہات اربعہ کہلاتی ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ عبداللہ بن عبدالحکم مصری کی المختصر الکبیر، جس میں (18000) مسائل کا بیان ہے، المختصر الأوسط، جس میں (4000) مسائل کا تذکرہ ہے، المختصر الصغیر، اس میں (1200) مسائل آئے ہیں، اسی طرح قاضی اسماعیل بن اسحاق نے "المبسوط فی الفقه" کے نام سے کتاب تالیف کی۔

فقہ شافعی کی ابتدائی کتابیں: صاحب مذہب امام شافعیؒ نے خود ہی فقہی احکام پر ایک شاہکار کتاب "الأم" تالیف کی، جس میں آپ کے اجتہادات اور فقہی آراء ہیں، اور جسے آپ نے پہلے بغداد میں مرتب کیا پھر مصر آنے کے بعد اس میں ترمیم وتبدیلی کر کے مکمل فرمایا، فقہ شافعی کی اہم اور بنیادی کتابوں میں امام شافعیؒ کے ممتاز شاگرد امام بویطی کی مختصر ہے، اسی نام سے امام مزنی کی بھی ہے؛ بلکہ امام مزنی کی مختصر مزنی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور مطبوعہ ہے، یہ فقہ شافعی کی ابتدائی کتابیں مذہب شافعی کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں۔

فقہ حنبلی کی ابتدائی کتابیں: آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کا زیادہ اشتغال حدیث نبوی سے تھا، اس لئے اپنے فتاوی، فقہی

آراءواجتہاد کو مدون کرنا پسند نہیں فرمایا، آپ کے شاگردوں نے انہیں محفوظ رکھا، جن میں سر فہرست آپ کے دوصاحبزادے صالح بن احمد اور عبداللہ بن احمد ہیں، ان کے علاوہ آپ کے جن تلامذہ نے آپ کی فقہ وفتاوی کو محفوظ رکھاان میں نمایاں یہ ہیں: ابو بکر احمد بن محمد بن ہانی معروف بہ اثرم، احمد بن حجاج مروزی اور اسحاق بن ابراہیم معروف بہ ابن راہویہ ہیں، ان تینوں ہی نے کتاب السنن کے نام سے فقہ میں کتابیں تصنیف کیں؛ لیکن امام احمد کے فتاوی کو بڑی جامعیت اور احاطہ کے ساتھ ابو بکر مروزی کے شاگرد احمد بن محمد بن ہارون ابو بکر خلال نے "الجامع الکبیر" کے نام سے جمع فرمایا، بعد میں چل کر یہی کتاب فقہ حنبلی کی اساس وبنیاد بنی، اس مجموعہ کی تلخیص ابوالقاسم خرقی اور عبدالعزیز بن جعفر غلام خلال نے کی، خرقی کی تلخیص کی بے شمار شروحات لکھی گئیں، جن کی تعداد بعض اہل علم کے مطابق تقریباً تین سو ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور ومقبول ابن قدامہ کی "المغنی" ہے۔

شیعی فقہی مسالک میں فقہ جعفریہ کی اہم ابتدائی اور بنیادی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور "الکافی" ہے، جس کے مؤلف شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی (متوفی:329ھ) ہیں، اس کتاب میں چھوٹی اور متوسط کتابوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اور فقہ زیدیہ میں "المجموع" نامی کتاب ہے، جو امام زید کی طرف منسوب ہے۔

8.3 متون اور شروحات

فقہی تصنیف وتالیف مختلف انداز میں انجام پائی ہے، کچھ کتابیں ایسی ہیں جن میں فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ عقلی اور نقلی دلائل نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا، مزید دوسرے فریق کے مسائل اور دلائل بھی نقل کئے گئے، کچھ کتابیں ایسی لکھی گئیں، جن میں صرف اپنے مسلک کے مسائل اور دلائل ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا، کچھ کتابیں ایسی بھی منظر عام پر آئیں جن میں صرف مفتی بہ مسائل مختصر ترین الفاظ میں لکھ کر صرف متن پر مشتمل کتابیں تیار کی گئیں تاکہ انہیں یاد کرنے میں سہولت ہو۔

فقہ حنفی کے متعدد متون ہیں، اور وہ یہ ہیں:

مختصر الطحاوی: یہ امام ابو جعفر طحاوی (متوفی:321ھ) کی کتاب ہے، جس کو فقہ حنفی کا پہلا متن ہونے کا شرف حاصل ہے، مولانا ابوالوفاء افغانی کی تحقیق کے ساتھ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے، اس کی ترتیب علامہ مزنی شافعیؒ کی کتاب مختصر مزنی کی ترتیب پر ہے، اس میں امام طحاویؒ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام حسن بن زیاد کے اقوال نقل کرنے کے بعد اس میں ترجیح دیتے ہیں، اور بسا اوقات مستقل اپنی رائے بھی ان حضرات کی رائے کے مقابل نقل کرتے ہیں۔

مختصر الکرخی: یہ امام ابوالحسین عبداللہ بن حسین کرخی (متوفی 340ھ) کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کے اہم متون میں سے ہے، ابھی تک مخطوطہ ہے، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، ان شروحات میں سے احمد بن منصور اسبیجابی (متوفی 480ھ) کی شرح زیادہ معروف ہے۔

مختصر القدوری: یہ ابوالحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی (متوفی 428ھ) کی تالیف ہے، یہ فقہ حنفی کا مشہور متن ہے،

اور متاخرین حنفیہ کے نزدیک چار متفق علیہ متون میں سب سے زیادہ مستند متن ہے، اس کی کئی شرحیں ہیں، ان میں مشہور "الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری" ابو بکر علی بن محمد حداد یمنی (متوفی 800ھ) کی ہے، یہ مطبوعہ ہے۔

بدایۃ المبتدی: یہ ابوالحسن علی مرغینانی (متوفی 593ھ) کی کتاب ہے، مصنف نے اس میں امام محمد کی کتاب "الجامع الصغیر" اور "مختصر قدوری" کے مسائل کو جمع کیا، ترتیب "الجامع الصغیر" کی رکھی، جہاں کتاب کا نام ذکر کیا ہے تو قدوری کے لئے "المختصر" اور جامع صغیر کے لئے "الکتاب" کی تعبیر اختیار کی ہے، پھر مصنف نے خود ہی اس کی شرح لکھی جس کا نام "الہدایۃ" رکھا۔

وقایۃ الروایۃ: یہ برہان الشریعہ محمود بن احمد (متوفی 673ھ) کی تالیف ہے، جو فقہ حنفی کے چار مشہور متون میں سے ایک ہے، مؤلف نے دلائل کو حذف کرکے ہدایہ کے مسائل کو جمع کر دیا ہے، اس کی مختلف شرحیں اور حواشی لکھے گئے، جن میں صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود کی "شرح الوقایہ" زیادہ مشہور و مقبول ہے۔

المختار للفتوی: حنفیہ کے یہاں متون اربعہ کے نام سے جو کتابیں معروف ہیں ان میں سے یہ تیسری کتاب ہے، مصنف ابوالفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود موصلی (متوفی 683ھ) ہیں، اس میں مصنف نے مفتی بہ مسائل ذکر کئے ہیں، خود مصنف نے اس کی شرح "الاختیار" کے نام سے لکھی، جس میں مسائل کے دلائل نقل کرنے کا اہتمام کیا اور حدیثیں کثرت سے نقل کی ہیں، حافظ ابن قطلوبغا نے "التعریف والأخبار" کے نام سے ان احادیث کی تخریج فرمائی ہے۔

مجمع البحرین: متون اربعہ میں سے ایک یہ بھی ہے جس میں قدوری اور منظوم نسفی کے علاوہ بہت سے مسائل کا اضافہ کیا گیا ہے، کتاب کا پورا نام اس طرح ہے "مجمع البحرین وملتقی النہرین" مصنف مظفر الدین احمد معروف بہ ابن ساعاتی (متوفی 694ھ) ہیں۔

کنز الدقائق: ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ ابن احمد نسفیؒ (متوفی 710ھ) کی تصنیف، فقہ حنفی کے اہم متون میں شمار ہوتی ہے، واختصار میں اپنی مثال آپ ہے، مصنف نے اختلاف مذہب کو بیان کرنے کے لئے مختلف حروف کو رمز بنایا ہے، اس کی کئی شرحیں ہے؛ البتہ ابن نجیم کی البحرالرائق اور زیلعی کی تبین الحقائق اس کی اعلی درجہ کی شرحیں ہیں، اور دونوں مطبوعہ ہیں۔

تنویر الأبصار: مؤلف: شمس الدین محمد بن عبداللہ غزّی تمر تاشی (متوفی 104ھ) ہیں، اس میں فقہ حنفی کے اہم متون کے مسائل کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس اعتبار سے یہ بھی ایک متن ہے، جس کی شرح مصنف نے خود "منحۃ الغفار" کے نام سے کی، اور علاء الدین بن علی حصکفی نے "الدرالمختار" کے نام سے شرح لکھی جس کو کافی شہرت ملی، معتبر و مستند ہونے کے اعتبار سے بھی اور جامع و مختصر ہونے کے لحاظ سے بھی شہرت کی حامل ہے۔

جہاں تک فقہ حنفی کی شروحات کی بات ہے تو بعض کا ذکر پیچھے ضمناً آچکا ہے، اور بعض اہم شروحات حسب ذیل ہیں:

المبسوط: یہ شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی (متوفی 438ھ) کی "الکافی" از حاکم شہید پر مفصل شرح ہے، مصنف

نے قید خانہ میں املاء کرایا تھا، پہلی بار 30/ جلدوں میں 1324ھ میں مصر میں شائع ہوئی، اس میں مسائل کے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ صحابہ و تابعین کے آثار واقوال اور ائمہ مجتہدین کے مذاہب بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ہدایہ کی شرحیں: جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے کہ ہدایہ "بداية المبتدی" کی شرح ہے، پھر علماء نے ہدایہ کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں، ان میں سے مشہور اور متداول شرحیں دو ہیں: ایک "البناية" جو علامہ بدرالدین عینیؒ (متوفی 855ھ) کی تصنیف ہے، یہ شرح اصل کتاب کو حل کرنے کے لئے بہت مفید سمجھی جاتی ہے، دوسری شرح "فتح القدير" ہے، مصنف کمال الدین ابن ہمام (متوفی 861ھ) ہیں، اس میں فقہی مسائل کی تحقیق کے ساتھ فنی اعتبار سے احادیث پر محدثانہ گفتگو ہے، یہ کتاب دس جلدوں میں ہے، البتہ مصنف کی شرح نصف کتاب الوکالۃ نصف تک ہے، اور تکملہ مفتی روم قاضی زادہ شمس الدین احمد (متوفی 988ھ) کے قلم سے ہے، جس کا نام "نتائج الأفكار في كشف الرموز والأسرار" ہے۔

مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ملتقی الابحر ابراہیم بن محمد حلبیؒ (متوفی 956ھ) کی تالیف ہے، مجمع الانھر کے مصنف عبدالرحمن بن محمد شیخ زادہ (متوفی 1087ھ) ہیں، اس کتاب کا امتیاز فقہی جزئیات کی بہت بڑی تعداد کا احاطہ ہے۔

الدرالمختار وردالمحتار: تنویر الابصار کی شرح درمختار ہے جو اپنی جامعیت واختصار میں مشہور ہے، درمختار کی شرح ردالمحتار ہے، یہ علامہ محمد امین ابن عابد بن شامی (متوفی 1252ھ) کی نہایت عظیم الشان تالیف ہے، جس میں مسائل کی تنقیح، مشائخ کے اقوال کے درمیان تصحیح وترجیح، مجملات و مبہمات کی تفسیر وتوضیح بڑے اہتمام سے کی گئی ہے، معاصر علماء کے لئے تحقیق وافتاء کا اہم مرجع ہے، فقہی جزئیات میں انسائیکلوپیڈیا ہے، بیسیوں کتابوں کا خلاصہ اور نئے مسائل کے حل کے لئے اس سے مفر نہیں، بیروت اور دوسری جگہوں سے کئی بار شائع ہو چکی ہے، درمختار کی ایک شرح شیخ احمد طحطاوی کی ہے، جو حاشیہ طحطاوی سے معروف ہے، چار جلدوں میں ہے، مطبوعہ ہے، اوراصل کتاب کو حل کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔

فقہ مالکی میں انتہائی مقبول ومعروف متن "مختصر خليل" ہے، مصنف خلیل بن اسحاق بن موسی (متوفی 776ھ) ہیں، متاخرین مالکیہ کے نزدیک نہایت معتمد ومستند کتاب ہے، اسی لئے مالکی علماء نے اس کو بڑی اہمیت دی اور بہت سی شرحیں لکھیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

1. مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل: ابوعبداللہ محمد خطاب محمد مکی (متوفی 954ھ) یہ شرح کئی جلدوں میں ہے۔
2. شرح الزرقانی علی مختصر خلیل: عبدالباقی زرقانی (متوفی 1099ھ) اس کی آٹھ جلدیں ہے۔
3. خرشی علی مختصر خلیل: محمد بن عبداللہ خرشی (متوفی 1111ھ) پھر اس پر عدوی کا حاشیہ ہے، محشی کا پورا نام علی بن احمد بن مکرم عدوی (متوفی 1189ھ) ہے، یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔
4. شرح منح الجلیل علی مختصر خلیل: مصنف محمد علیش مالکی (متوفی 1299ھ) ہیں۔

فقہ شافعی میں متن کی اہم کتاب "المهذب" ہے، اس کے مصنف شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی (متوفی 476ھ) ہیں، ابھی حال میں ڈاکٹر محمد زحیلی کی عمدہ تحقیق سے طبع ہو کر آئی ہے، جس کی مقبول و معروف شرح "المجموع" ہے، مصنف مشہور محدث وفقیہہ امام نوویؒ (متوفی 676ھ) ہیں، یہ کتاب فقہ شافعی کی مستند انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں آثارِ تابعین ائمہ مجتہدین کے اقوال کے ساتھ احادیث کے نقل کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، دوسرا متن امام نوویؒ کی تالیف "منہاج الطالبین" ہے، یہ دراصل امام رافعی کی کتاب "المحرر" کا اختصار ہے، اس میں مؤلف نے مذہب شافعیؒ کے مختلف اقوال میں سے راجح و مرجوح کی بھی وضاحت کی ہے، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے مشہور یہ ہیں :

1. المحلی علی منہاج الطالبین: یہ جلال الدین محلی کی شرح ہے، اس شرح پر دو حواشی لکھے گئے ہیں، ایک شہاب الدین احمد عمیرہ (متوفی 957ھ) کا ہے اور دوسرا قلیوبی کا۔
2. تحفة المحتاج :اس کے مصنف ابو العباس احمد بن محمد بن حجر ہیتمی (متوفی 974ھ) ہیں۔
3. مغنی المحتاج:اس کے مصنف شمس الدین محمد بن احمد بن محمد شربینی (متوفی 977ھ) ہیں۔
4. نہایة المحتاج: یہ شمس الدین محمد بن ابو العباس رملی (متوفی 1004ھ) کی تصنیف ہے، اسکی سات جلدیں ہیں، متاخرین شوافع کے یہاں "مغنی المحتاج" اور "نہایة المحتاج" کو فقہ شافعی کے سب سے مستند ترجمان کی حیثیت سے قبول عام حاصل ہے۔

فقہ حنبلی میں مختصر الخرقی متن کا درجہ رکھتی ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے، ابو بکر خلال جنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کے فتاوی کو یکجا کیا، خرقی نے اسی مجموعہ کی تلخیص کی، یہ مختصر خرقی اس قدر مقبول ہوئی کہ حنبلی علماء نے اس کی تقریباً تین سو شروحات لکھی ہیں، اور بعد میں فقہ حنبلی پر جو کام ہوا ہے، وہ زیادہ تر اسی کتاب کے گرد گھومتا ہے، اس کی شروحات میں سے اہم ترین شرح "المغنی" ہے، جو ابن قدامہ مقدسی کی تصنیف ہے، بارہ جلدوں میں ہے، یہ کتاب نہ صرف فقہ حنبلی بلکہ فقہ اسلامی کی چند منتخب ترین کتابوں میں ایک ہے، جس میں نصوص و آثار اور سلف کی آراء اور ان کے دلائل تفصیل اور انصاف کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں۔

المقنع: مصنف: موفق الدین ابن قدامہ مقدسی (متوفی 620ھ): متن ہے، اس کی شرح شمس الدین عبد الرحمن بن ابو عمر محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی (متوفی 682ھ) نے لکھی، اس کا نام "الشرح الکبیر" رکھا، الاقناع بھی ایک متن ہے، جس کے مصنف شرف الدین ابو النجا موسی بن احمد مقدسی (متوفی 960ھ) ہیں، اس کی شرح منصور بن یونس بہوتی (متوفی 1051ھ) نے لکھی۔

8.4 فقہی موضوعات پر کتابیں

فقہ کے تمام موضوعات پر عام طور پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا اوپر ذکر آچکا ہے، بعض فقہی موضوعات کی اہمیت کے پیش نظر فقہاء نے مستقل طور پر اس پر قلم اٹھایا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان ہی موضوعات میں سے ایک قضاء ہے، اس سلسلہ کی اہم کتابیں یہ ہیں :

8.4.1 قضاء پر اہم کتابیں

- ادب القاضی: امام ابو بکر خصافؒ (متوفی:261ھ) یہ ادب قضاء پر اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے، 120/ابواب پر مشتمل صدر شہید کی شرح کے ساتھ چھپ چکی ہے۔
- ادب القاضی: ابو العباس احمد طبری معروف بہ ابن قاص (متوفی:335ھ)۔
- أدب القاضی: قاضی ابو الحسن ماوردی شافعیؒ (متوفی:450ھ)۔
- روضة القضاة وطريق النجاة: ابو القاسم علی سمنانیؒ (متوفی:499ھ)۔
- أدب القضاء: علامہ شہاب الدین ابن ابی الام حموی شافعیؒ (متوفی:246ھ)۔
- الطريق الحكمية فی السياسية الشرعية: ابن قیم جوزیہؒ (متوفی:751ھ)۔
- تبصرة الحكام فی أصول الأقضية ومناهج الأحكام: ابن فرحون مالکی (متوفی:799ھ)۔
- جواہر العقود ومعين القضاة والموقعين والشہود: شمس الدین سیوطی (متوفی:810ھ)۔
- لسان الحكام فی معرفة الأحكام: ابن شحنہ حنفیؒ (متوفی:882ھ)۔
- معين الحكام فی ما يتردد بين الخصمين من الأحكام: علاء الدین طرابلسی حنفیؒ (متوفی:844ھ)۔
- صنوان القضاء وعنوان الافتاء: قاضی عماد الدین اشفور قانیؒ (متوفی:486ھ)۔
- آداب قضاء (اُردو) مولانا عبد الصمد رحمانی۔
- اسلامی عدالت (اُردو) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (متوفی:1422ھ)۔

8.4.2 محکمہ احتساب پر کتابیں

اسلامی نظام حکومت میں لوگوں کو اشرار کے ظلم وزیادتی سے بچانے کے لئے ایک "احتساب" یا "حسبہ" کا شعبہ بھی رکھا گیا ہے، اس شعبہ کی اہمیت کے پیش نظر فقہاء نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند اہم کتابیں جو دستیاب ہیں وہ یہ ہیں :

- نهاية الرتبة فی طلب الحسبة: عبد الرحمن نصر شیزری (متوفی:589ھ)۔
- الحسبة فی الاسلام: شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہؒ (متوفی:728ھ)۔
- معالم القربة فی أحكام الحسبة: محمد بن محمد قرشی معروف بہ ابن الاخوۃ (متوفی:729ھ)۔
- معيد النعم وعبيد النقم: تاج الدین عبد الوہاب سبکیؒ (متوفی:707ھ)۔

- آداب الحسبة:ابو عبد اللہ محمد بن احمد سقطی۔

8.4.3 نظام حکومت پر اہم کتابیں

نظام حکومت بڑا اہم موضوع ہے، سماج کی صلاح وفساد نظام حکومت اور حکمرانوں کے رویہ سے بڑی حد تک متعلق ہے، اس لئے فقہاء نے خاص طور پر اس طرف توجہ دی اور کتابیں تالیف فرمائیں، اس سلسلہ کی چند اہم مطبوعہ کتابوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

- سلوک المالک فی تدبیر الممالک:شہاب الدین احمد ابن ابی ربیعؒ(متوفی:272ھ)۔
- الأحکام السلطانیة والولایات الدینیة: قاضی ابو الحسن علی ماوردی(متوفی:450ھ)،ماوردی کا یہ خاص موضوع رہا ہے، انہوں نے اس موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، اور بعض طبع بھی ہو چکی ہیں، ان ہی میں سے یہ ہیں: کتاب قوانین الوزارۃ، نصیحۃ الملوک، تسہیل النظر و تعجیل الظفر فی أخلاق الملک وسیاسۃ الملک۔
- الأحکام السلطانیة، قاضی ابو یعلی محمد بن حسین فراء(متوفی:458ھ)۔
- غیاث الأمم فِي التیاث الظلم:امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک جوینی(متوفی:478ھ) یہ اس موضوع پر اہم کتاب سمجھی جاتی ہے، جو "غیاثی" اور "نظامی" سے بھی معروف ہے۔
- سراج الملوک:ابن ابی زندقہ طرطوشی مالکیؒ(متوفی:520ھ)۔
- المنہج السلوک فی سیاسۃ الملوک:عبد الرحمن شیزری(متوفی:589ھ)۔
- تحریر الأحکام فی تدبیر أهل الاسلام:علامہ بدر الدین بن جماعہ(متوفی:733ھ)۔

8.4.4 مالیاتی نظام سے متعلق اہم کتابیں

بعض فقہاء نے اسلام کے مالیاتی نظام کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کے نام اس طرح ہیں :

- کتاب الخراج: امام ابو یوسفؒ(متوفی:182ھ) اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ کتاب خلیفہ ہارون رشید کی خواہش پر امام ابو یوسفؒ نے تالیف فرمائی جو اس موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔
- کتاب الکسب : امام محمد بن حسن شیبانی(متوفی:189ھ): امام محمدؒ کے شاگرد محمد بن سماعہ نے "الاکتساب فی الرزق المستطاب" کے نام سے اس کی تلخیص کی، جو 1206ھ میں محمود ارنوس کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔
- کتاب الخراج: یحی بن آدم قرشی(متوفی:203ھ)۔
- کتاب الأموال:ابو عبید قاسم بن سلامؒ(متوفی:224ھ)۔
- کتاب الأموال:حمید بن زنجویہ(متوفی:251ھ)۔

- الخراج وصناعة الكتابة:قدامہ بن جعفر (متوفی:328ھ)۔
- كتاب الأموال:ابو جعفر احمد بن نصر داؤدیؒ (متوفی:402ھ)۔

8.4.5 نظام وقف سے متعلق اہم کتابیں

اسلام میں وقف کا نظام ابتداء اسلام سے رہا ہے، اس لئے فقہاء نے بھی اس سے اعتناء کیا ہے؛ چنانچہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے چند اہم کتابوں کا نام اس طرح ہے :

- كتاب أحكام الوقف:ہلال بن یحی بصریؒ (متوفی:245ھ)۔
- أحكام الأوقاف:امام ابو بکر خصافؒ (متوفی 261ھ)۔
- كتاب الاسعاف فی أحكام الأوقاف:برہان الدین طرابلسی، یہ خصاف کی کتاب کی تلخیص ہے۔

اسی طرح بچوں سے متعلق حافظ ابن قیم جوزیہؒ کی "تحفة المودودفی أحكام المولود"، اور محمد بن استروشی (متوفی 633ھ) کی "جامع أحكام الصغار" اہم ہیں اور طبع بھی ہو چکی ہیں، اسی طرح خواتین سے متعلق بھی ماضی قریب اور دور حاضر میں کئی کتابیں طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سب سے مفصل اور اہم کتاب "المفصل فی أحكام المرأة والبيت المسلم":ڈاکٹر عبد الکریم زیدان کی ہے، جو بارہ جلدوں میں چھپی ہے۔

8.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بحیثیت فن فقہ کی تدوین دوسری صدی ہجری میں شروع ہوئی رفتہ رفتہ فقہی مسالک وجود میں آئے، اہل سنت والجماعت کے چار فقہی مسالک ظاہر ہوئے جن کو بقا حاصل ہوا اور آج ان کے متبعین پائے جاتے ہیں، وہ چار مسالک یہ ہیں حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ، ظاہر ہے کہ مسالک کی زندگی واساس ابتدائی کتب فقہ ہیں، فقہ حنفی کا دارومدار امام محمد کی چھ کتابوں: المبسوط، الجامع الصغير، الجامع الكبير، الزيادات ، كتاب السير الصغير اور كتاب السير الكبير پر ہے، جن کو ظاہر روایت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے بعد نوادر اور فتاوی وواقعات کا نمبر آتا ہے، نوادر میں ہارونیات، کیسانیات، كتاب الامالی اور كتاب المجرد شامل ہے، فتاوی واقعات میں خاص طور پر ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل قابل ذکر ہے۔
- فقہ مالکی کی ابتدائی کتابیں خود امام مالک کی مؤطا، اس کے بعد ابن سحنون کی المدونة الكبرى ہے، اس کے علاوہ الواضحۃ عبد الملک بن حبیب کی، المستخرجة محمد عتبی قرطبی کی، اور الموازية ابن مواز کی اہمیت کی حامل ہیں، ان ہی چاروں کتابوں پر فقہ مالکی کا دارو مدار ہے، فقہ شافعی کی ابتدائی کتب كتاب الأم خود امام شافعیؒ کی، بویطی اور مزنی کی مختصر ہیں، فقہ حنبلی کی ابتدائی کتب كتاب

السنن، ابو بکر خلال کی "الجامع الکبیر" اور اس کی تلخیص مختصر خرقی ہیں، جس کی مشہور شرح ابن قدامہ کی المغنی ہے، فقہ جعفریہ کی مشہور ابتدائی کتاب "الکافی" ہے اور فقہ زیدیہ کی "المجموع" ہے۔

- متون و شروحات میں احناف کے یہاں متون اربعہ مختصر قدوری، وقایۃ الروایۃ، المختار للفتوی اور مجمع البحرین مشہور ہیں، جن کے مسائل معتبر اور مفتی بہ ہیں، ان کے علاوہ متون کی کتابیں جیسے مختصر طحاوی ، مختصر کرخی، بدایۃ المبتدی، کنزالدقائق اور تنویر الأبصار ہیں، شروحات میں الکافی کی شرح المبسوط شمس الائمہ سرخسی کی، ہدایہ کی شرح فتح القدیر علامہ ابن ہمام کی، کنزالدقائق کی شرح البحرالرائق ابن نجیم مصری کی، تنویر الابصار کی شرح درمختار علاء الدین حصکفی کی اور اس کی شرح ردالمحتار ابن عابدین شامی کی مشہور ہیں۔
- مالکیہ کے یہاں متون میں مختصر خلیل مشہور و مقبول ہے، اس کی بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں زیادہ مشہور خرشی علی مختصر خلیل اور شرح منح الجلیل علی مختصر خلیل ہیں۔
- فقہ شافعی میں "المہذب" اہم ترین متن ہے، جس کی مشہور شرح المجموع امام نوویؒ کی ہے، دوسرا متن منہاج الطالبین امام نوویؒ کے قلم سے ہے، جس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، ان میں دو شرحیں مغنی المحتاج علامہ شربینی کی اور نہایۃ المحتاج علامہ رملی کی زیادہ مقبول مشہور اور مستند ہیں۔
- فقہ حنبلی میں مختصر خرقی اہم ترین متن اور مقبول و معتبر کتاب ہے، اس کی قبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تقریبا تین سو شروحات لکھی گئی ہیں، ان میں زیادہ مشہور علامہ ابن قدامہ کی شرح المغنی ہے، دوسرا متن المقنع ہے، اس کی مقبول شرح الشرح الکبیر ہے، تیسرا متن "الاقناع" ہے، جس کی شرح علامہ بہوتی نے لکھی۔
- جہاں تک فقہی موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کی بات ہے تو بعض موضوعات کو فقہاء نے مرکز توجہ بنایا اور مستقل کتابیں تصنیف کیں، جیسے: قضاء، محکمہ احتساب، نظام حکومت، نظام مالیات، وقف، بچوں سے متعلق فقہی مسائل، اسی طرح خواتین سے متعلق فقہی مسائل۔

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ہارونیات کس خلیفہ کی طرف منسوب ہے؟

(a).ہارون رشید (b).مامون رشید (c).ابو جعفر منصور (d).امیر معاویہ

2. "کتاب السیر الصغیر" کے مصنف کون ہیں؟

(a). امام محمدؒ (b). اسد بن فرات (c). امام زیدؒ (d). عبد الملک بن حبیب

3. "المستخرجہ" کس نے تالیف کی؟

(a). محمد عتبی قرطبی (b). قاضی اسماعیل (c). امام محمدؒ (d). عبد الملک بن حبیب

4. "المجموع" کس کی طرف منسوب ہے؟

(a). امام زیدؒ (b). امام جعفر صادقؒ (c). امام اسماعیلؒ (d). تمام غلط

5. ابو الحسین احمد بن قدوری نے کون سی کتاب تصنیف کی؟

(a). مختصر القدوری (b). کتاب الخراج (c). کتاب الرسالہ (d). مدونۃ الکبری

6. "ہدایۃ المبتدی" کے مصنف کون ہیں؟

(a). ابو الحسن علی مرغینانی (b). قاضی مجاہد الاسلام (c). ابو الحسن علی ندوی (d). تمام صحیح

7. قاضی مجاہد الاسلام کی تصنیف کا نام بتائیں؟

(a). اسلامی عدالت (b). تعلیم الاسلام (c). بہشتی زیور (d). فضائل اعمال

8. "آداب قضاء" کے مصنف کون ہیں؟

(a). مولانا عبد الصمد رحمانی (b). قاضی مجاہد الاسلام (c). حافظ عبد اللہ روپڑی (d). تمام غلط

9. "نصیحۃ الملوک" کے مصنف کا نام بتائیں؟

(a). ابو الحسن علی ماوردی (b). امام شافعیؒ (c). امام ابو یوسفؒ (d). امام محمدؒ

10. فقہ جعفریہ کی اہم ابتدائی اور بنیادی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کون سی کتاب ہے؟

(a). الکافی (b). کتاب الام (c). کتاب الرسالہ (d). مدونۃ الکبری

8.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فقہ شافعی کی ابتدائی کتابوں کا تعارف کرایے۔
2. فقہ مالکی کے متون اور شروحات پر روشنی ڈالیے۔
3. فقہ حنبلی کی ابتدائی کتب اور متون کا تعارف تحریر کیجیے۔
4. نظام حکومت سے متعلق اہم کتابوں پر تبصرہ کیجیے۔
5. نظام وقف سے متعلق اہم کتابوں کا جائزہ لیجیے۔

8.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. حنفیہ کی ابتدائی کتب فقہ کا تفصیل سے جائزہ لیجیے۔
2. حنفیہ کے متون پر جامع نوٹ لکھیے۔
3. فقہی موضوعات کا جائزہ لیجیے۔

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع۔ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
2. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 9: تصوف کا تعارف اور ارتقاء

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 مفہوم و آغاز

9.2.1 تصوف کا معنی و مفہوم

9.2.2 تصوف کیا ہے

9.3 بنیادی خصوصیات

9.4 مقاصد تصوف

9.5 صوفیانہ فکر کا ارتقا

9.6 تاریخی ادوار

9.6.1 تصوف کا پہلا دور

9.6.2 تاریخ تصوف کا دوسرا دور

9.6.3 تیسرا دور

9.6.4 چوتھا دور

9.6.5 پانچواں دور

9.6.6 تصوف کی تاریخ کا چھٹا دور

9.7 اکتسابی نتائج

9.8 نمونہ امتحانی سوالات

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

9.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

تصوف کا آغاز ایک تحریک کے طور پر ہوا تھا اس وقت جب عہد بنی امیہ میں دولت کی فراوانی اور اسی کے ساتھ اقتدار کے لیے رسہ کشی شروع ہوئی تو بہت سے نیک نفوس ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو کلیتہ اس حریفانہ معرکہ آرائی سے علیٰحدہ کرکے ذکر و فکر اور عبادات و انابت میں لگالیا، اس طرح تصوف کی داغ بیل پڑی اور تصوف کا ارتقاء شروع ہوا۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ تصوف کے معنی اور مفہوم کو سمجھ سکیں اور اسکی حقیقت سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ تصوف کی خصوصیات پر گفتگو کر سکیں گے اور تصوف کے ارتقاء کے اسباب اور اسکے نتائج کا تجزیہ پیش کر سکیں گے۔

9.2 مفہوم و آغاز

تصوف کے لغوی معنی صوف پہننے کے آتے ہیں، لیکن اصطلاح میں یہ ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے، صوفی مصنّفین اور تصوف کے تاریخ نویسوں نے اس موضوع پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس کے معنی و مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے مدلول و مصداق کو بھی بیان کیا ہے۔

بعض علماء اور کچھ مستشرقین کا خیال ہے کہ تصوف روح اسلامی کے لیے اجنبی اور کلیتہ ایک درآمد شدہ چیز ہے، وہ اس کی بنیادیں یہودیت، عیسائیت، یونان، ہندومت، بدھ مت اور قدیم ایرانی افکار میں تلاش کرتے ہیں۔

کچھ جدید مصنّفین اور بعض مستشرقین ایسے بھی ہیں جو تصوف کی اتنی آفاقیت کے قائل ہیں کہ وہ دین و دنیا سبھی کو محیط ہے۔

بعض علماء تصوف کو ہی حقیقی اسلام اور دین اسلام کی روح کا معتبر ترین اظہار مانتے ہیں۔ ان کی نظر میں تصوف ہی حقیقی اسلام ہے اور تصوف ہی اسلام کا مغز ہے، باقی شریعت کی حیثیت صرف پوست کی ہے۔

کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے تصوف اور اسلام میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ نقطۂ نظر اختیار کیا ہے کہ جو کچھ قرآن و سنت کے موافق ہو، اسے تسلیم کر لیا جائے اور جو خلاف ہو، اسے رد کر دیا جائے۔

تصوف کا اہم ترین مسئلہ بلکہ وہ مسئلہ جس پر تصوف سے متعلق سارے مباحث کی بنیاد ہے وہ صوفیہ کا اللہ کے بارے میں تصور ہے،

اس تصور کی وجہ سے علماء کے ایک گروہ نے صوفیہ پر تنقید کی ہے، اگلے صفحات میں ہم نے کوشش کی ہے کہ تصوف کو اس کے صحیح مدلول و مصداق اور اس کے متعلقہ مباحث کے ساتھ معروضی انداز میں پیش کریں۔

9.2.1 تصوف کا معنی و مفہوم

لفظ تصوف کی اصل کے بارے میں صوفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ لفظ "اصحاب صفہ" سے ماخوذ ہے، بعض اسے "صف اول" سے ماخوذ بتاتے ہیں، چونکہ صوفیہ صف اول کا اہتمام کرتے ہیں اس لیے انہیں صوفیہ کہا گیا۔

کچھ کہتے ہیں کہ چونکہ صوفیہ کا باطن صاف ہوتا ہے اس لیے وہ صوفی کہلاتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ صوفی وہ ہے جس کا دل غیر اللہ سے پاک و صاف ہو، یعنی صفائی کی نسبت سے صوفی کہلائے۔ کچھ کا خیال ہے کہ چونکہ صوفی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہوتا ہے اس اتصاف کی وجہ سے صوفی کہلائے۔

اجلہ صوفیہ نے صوفی کی اسی طرح کی توجیہات کی ہیں؛ مثلاً شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ صوفی، مصافات سے ماخوذ ہے اس کا مطلب ہے وہ بندہ جسے حق نے صاف کیا۔ شیخ ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں کہ تصوف صفائی سے ماخوذ ہے، چنانچہ صفائی ہر زبان میں قابل تعریف ہے اور گدلا پن جو اس کی ضد ہے قابل مذمت ہے، اس کی تائید میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ ایک مرتبہ باہر نکل کر آئے تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، فرمایا دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہ گئی، اس لیے اب ہر مسلمان کے لیے موت ایک تحفہ ہے۔ یہی بات شیخ علی ہجویری نے بھی لکھی ہے، لیکن یہ معنی سے زیادہ حسن تعلیل ہے۔ ورنہ تصوف صف اول یا صفا یا صفہ سے لغوی اعتبار سے مشتق نہیں ہو سکتا، خود صوفیہ نے اس اشتقاق کو بعید از قیاس اور خلاف لغت کہا ہے، البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ معنا ان الفاظ کا اطلاق صوفیہ پر ہو سکتا ہے، چنانچہ امام قشیری نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی لکھا ہے کہ لغوی طور پر صوفی صفہ سے مشتق نہیں ہو سکتا، البتہ معنا درست ہے؛ چونکہ صوفیہ کا حال بھی اہل صفہ کی طرح ہے، شیخ ابو بکر الکلاباذی نے بھی ان توجیہات کو معنوی بتایا ہے۔

جس طرح لفظ صوفی کے لیے یہ معنوی نسبتیں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح ان کے ظاہری احوال کی بنا پر ان کے اور نام بھی رکھے گئے تھے، مثلاً ان کو گوشہ گیری اور غاروں میں رہنے کی وجہ سے "شکفتیہ" کہا گیا۔ چونکہ "شکفت" غار کو کہتے ہیں۔ یعنی غار والے، اور وطنوں سے دور رہنے کی وجہ سے ان کو غرباء کہا جاتا ہے، کثرت اسفار کی وجہ سے ان کو سیاح کہا جاتا ہے، اہل شام ان کے بھوکا رہنے کی وجہ سے ان کو "جوعیۃ" کہتے ہیں، ان کے دل کی نورانیت کی وجہ سے ان کو "نوریہ" کہا جاتا ہے۔

9.2.2 تصوف کیا ہے

یہ تقریباً متحقق ہے کہ تصوف کا لغوی ترجمہ اون / اونی کپڑا پہننا ہے اور اس کی دیگر تاویلات دراصل حسن تعلیل ہیں، لیکن بطور اصطلاح تصوف کے معنی اس کی لغوی بحث سے واضح نہیں ہوتے۔ مختلف صوفیہ نے مختلف انداز میں اس کی تشریح کی ہے؛ لیکن وہ تمام کی

تمام حدود کے زمرے سے خارج ہیں، وہ تصوف کے کسی ایک پہلو یا ایک سے زائد پہلوؤں کی نشاندہی تو ہو سکتی ہے نفس تصوف کی نہیں، مثلاً:

شیخ جنید فرماتے ہیں:

1. تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات کے ساتھ فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔
2. تصوف دراصل دنیا اور اسباب دنیا سے دور رہنے کا نام ہے۔
3. تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز سے تعلق نہ ہو۔
4. تصوف قلب کا دنیا اور اس کے لواحقات سے پاک کرنا، بشری صفات کی نفی کرنا، نفسانی خواہشات سے بچنا، روحانی صفات اختیار کرنا، حقیقت کے علوم سے تعلق رکھنا اور ان اشیاء کا اختیار کرنا جو ابدیت کے لیے اولیٰ ہیں، اور تمام امت کے لیے خیر خواہی کرنا، اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔
5. تصوف جبر و قہر کا نام ہے، اس میں کوئی صلح نہیں ہوتی۔

ابو الحسین نوری کہتے ہیں:

1. تصوف تمام نفسانی خواہشات سے منقطع ہونے کا نام ہے۔
2. تصوف اسم یا علم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اخلاق ہیں۔
3. تصوف، جو کچھ بھی پاس ہو اس کو خرچ کر دینے کا نام ہے۔
4. ہر نفسانی خواہش کے ترک کر دینے کا نام تصوف ہے۔

شبلیؒ کہتے ہیں:

1. تصوف محبت اور تالف کا نام ہے۔
2. اللہ کے ساتھ بغیر غم کے بیٹھنا تصوف ہے۔
3. مخلوق سے کٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ متصل ہونے کا نام تصوف ہے۔
4. تصوف جلا دینے والی تجلی ہے۔

ابوؒ حفص کہتے ہیں: ''تصوف ادب کا نام'' ہے۔

سہیل بن عبد اللہ تستریؒ کہتے ہیں کہ: ''صوفی وہ ہے جو گدلے پن سے صاف ہو، فکر سے پُر ہو اور بشریت سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ متصف ہو جائے، نیز اس کے سامنے سونا اور مٹی برابر ہو جائیں۔

تصوف کی ایک تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ تصوف حقائق کے علم کا نام ہے۔ مثلاً معروف کرخی (200ھ/816ء) نے فرمایا، التصوف الاخذ بالحقائق والیاس بما فی ایدی الخلائق (تصوف حقائق کو لینے اور جو مخلوق کے ہاتھ میں ہے اس سے مایوس ہو جانے

کانام ہے)۔اس عبارت میں لفظ حقائق کو غیبی حقائق کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے اور بعد کے صوفیہ نے تو بالعموم اسی مفہوم میں لیا ہے، مثلاً امام غزالی، اور ابن عربی، کے یہاں تصوف دراصل غیبی حقائق کو جان لینے یا ان کی تصدیق کر لینے کا نام ہے، تصوف کی تعریف کا ایک دوسرا رجحان یہ ہے کہ تصوف فناء اور بقاء کے تجربہ سے گذرنے کا نام ہے۔ یہ تعریف متعدد صوفیہ سے منقول ہے۔ ملا جامی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ولایت فنافی اللہ اور بقاء باللہ کا نام ہے۔ شیخ مجدد الف ثانی نے بھی تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ولایت عبارت از فناء وبقاء است (ولایت فناء اور بقاء سے عبارت ہے)۔ اس طرح عام طور پر صوفیہ نے تصوف کی تعریف میں فناء وبقاء کو بنیادی اہمیت دی ہے۔

فناء اور بقاء کے تجربے کو اگر تصوف قرار دیا جائے تو اس میں ایک اہم افادی پہلو یہ ہے کہ جو لوگ تصوف پر اعتراض کرتے ہیں ان کا اعتراض در حقیقت اشراقی یا عرفانی تصوف پر ہوتا ہے جس میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ وہ غیب کو نبوت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے جان سکتے ہیں، یا ان پر غیب الغیب منکشف ہو گیا ہے؛ لیکن فناء وبقاء کا تجربہ ایک معروضی تجربہ ہے، اس کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں، سالک ان مراحل سے گذرتا ہے، اور اس کے سامنے نبوت کی حقیقت بھی موجود رہتی ہے وہ نبوی تعلیمات سے انحراف نہیں کرتا، بلکہ فناء کے تجربہ کی تاویل کر کے اس کو نبوت کے ماتحت کرتا ہے۔ قاضی زکریا انصاری (متوفی:929ھ) تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعے تزکیہ نفوس، صفائی اخلاق اور ظاہر و باطن کو آباد کرنے اور سنوارنے کے احوال کو جانا جاتا ہے تاکہ ابدی سعادت حاصل ہو سکے"۔ اس تعریف میں نہ صرف جنس و فصل کے ساتھ تصوف کی حد کو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کے غایت و مقصد کو بھی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک تصوف وہی ہے جیسے حدیث جبریل میں "احسان" کیا گیا ہے اور اس احسان کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ: اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو یوں کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس حدیث میں احسان کے دو درجے بیان کئے گئے ہے پہلا درجہ یہ ہے کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اس کو مشاہدہ کہتے ہیں، اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اس درجے کو مراقبہ کہتے ہیں، اور درجہ مراقبہ سے درجہ مشاہدہ کے سفر کو سلوک کہتے ہیں جو تصوف کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

9.3 بنیادی خصوصیات

صوفیہ کرام نے تصوف کی حقیقت اور اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے بھی بو قلموں اسلوب اختیار کیا ہے، مثلاً رویم بن احمد کہتے ہیں: "تصوف کی بنیاد تین چیزوں پر ہے فقر واقتدار کو مضبوط پکڑنا، بذل وایثار کے ساتھ متصف ہونا، اور کسی چیز سے تعرض کرنے یا کسی چیز کے اختیار کرنے کو ترک کر دینا۔ بشر بن الحارث کہتے ہیں "صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل صاف ہو"۔ سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو کدورت سے پاک ہو، فکر سے پر ہو، لوگوں سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جائے اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی کی قیمت برابر ہو"۔ ابو الحسین نوری نے کہا کہ: "تصوف نہ تو رسوم واعمال کا نام ہے نہ علم کا، یہ تو حسن خلق کا نام ہے"۔ شیخ جنید نے فرمایا کہ: "تصوف اللہ تعالیٰ سے بے غرض محبت کا نام ہے"۔

صوفیہ کے مختلف اقوال کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف صوفیہ کے یہاں ایک عمل اور ایک منہاج کا نام ہے، اس کا فکر اور خیال سے زیادہ تعلق نہیں ہے، بلکہ عمل اور نیت سے ہے، یہ درست ہے کہ ایک سطح پر فکر و تصورات بھی تصوف کا موضوع ہوتے ہیں اور صوفیہ کے بعض حلقوں میں عرفان، مشاہدہ اور غیبی حقائق کے اظہار کی بات کہی جاتی رہی ہے، لیکن یہ تصوف کا عمومی رنگ نہیں ہے، تصوف کا عمومی رنگ عمل ہے اور عمل کے ساتھ باطنی کیفیات جیسے خلوص نیت وغیرہ کی اس میں خاص اہمیت ہے۔

اجلہ صوفیہ جیسے شیخ جنید کے یہاں صوفیہ کے مکاشفات اور مشاہدات کا تذکرہ بہت کم ہے، ان کا پورا زور اس پر ہے کہ تصوف دراصل انسان کی تربیت اور اس کے اندر روحانی صفات پیدا کرنے کا نام ہے، تصوف ایسے ذکر کا نام ہے جس کے ساتھ فکر وابستہ ہو، ایسے عمل کا نام ہے جس میں ریاء کا شائبہ بھی نہ ہو، ایسی عبادت کا نام ہے جس میں نفسانی خواہشات سے کلیۃً اجتناب ہو، یعنی بندہ کامل طور پر اپنے رب کا مطیع ہو جائے اور اس کی پوری زندگی اس طریقہ کے تابع ہو جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، اسی کا نام تصوف ہے۔ چنانچہ شیخ جنیدؒ نے تصوف کے ذریعہ حاصل ہونے والے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے خلوص عمل اور اتباع شریعت کو خاص اہمیت دی ہے۔

صوفیہ کے یہاں اتباع رسول کی بنیادی اہمیت ہے، چنانچہ شریعت محمدیہ کو ترک کرکے کوئی شخص راہ سلوک پر گامزن نہیں ہو سکتا، تصوف کی پہلی شرط اتباع شریعت ہے اور صوفیہ نے بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں سب سے زیادہ اہم اتباع شریعت ہے، عبادات سے لے کر اکل حلال تک تمام چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ان کو چھوڑ کر کوئی اور راہ قابل قبول نہیں ہے، اس کی کسی قدر تفصیل آگے آرہی ہے۔

صوفیہ اپنے افکار کو مبرہن کرنے کے لیے انبیاء سابقین کی نمایاں صفات کو بھی بطور استعارہ استعمال کرتے رہے ہیں، مثلاً صبر ایوب، سیاحت عیسیٰ وغیرہ، شیخ جنیدؒ نے بھی ان تلمیحات کو اپنے تصور تصوف کی وضاحت کے لیے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے، اور یہ آٹھ خصائل آٹھ انبیاء کے امتیازی وصف رہے ہیں، اس لیے سالک کو چاہئے کہ ان خصائل کو حاصل کرنے کے لیے ان کے اعلیٰ ترین نمونہ کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنائے۔ اس طرح سالک سلوک کی اعلیٰ وارفع منزل تک پہنچ سکے گا، شیخ جنید نے فرمایا": تصوف آٹھ خصائل پر مبنی ہے:

' سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، قربت، اون پہننا، سیاحت اور فقر، سخاوت حضرت ابراہیمؑ جیسی، رضا حضرت اسحاق جیسی، صبر حضرت ایوب جیسا، اشارہ حضرت زکریا جیسا، قربت حضرت یحیٰ جیسی، اون پہننا حضرت موسیٰ جیسا، سیاحت حضرت عیسیٰ جیسی اور فقر حضرت محمد مصطفی ﷺ جیسا"۔

شیخ جنیدؒ کی نظر میں تصوف دراصل اعمال شریعت کو ان کے معیار مطلوب کے مطابق انجام دینے کا نام ہے، اس طرح صوفی راہ سلوک کی منزلیں طے کرکے اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ سراپا خیر بن جاتا ہے، اس کے اخلاق اعلیٰ ترین اخلاق بن جاتے ہیں، اس کا قلب آئینہ کی طرح شفاف ہو جاتا ہے۔ شیخ جنیدؒ نے ایک مرتبہ فرمایا: تصوف انسان کی طبیعت کے اندر موجود نفس کی کامل تنزیہہ اور انسان کے ظاہر کے حسن خلق کا نام ہے، یعنی باطن یہ ہے کہ نفس تمام عیوب سے پاک ہو جائے اور ظاہر یہ ہے کہ اخلاق اچھے ہو جائیں۔

اس لیے صوفی ایسا شخص ہوتا ہے جو نہ صرف خود خوبیوں کا مجموعہ بن جاتا ہے بلکہ اس کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ اگر برائیاں بھی اس سے منسوب کی جائیں تو وہ خوبیوں کے ساتھ پیش آئے، اگر اس کو مطعون کیا جائے تب بھی اس کی طرف سے بھلائی کا رویہ ہی ظاہر ہو۔ شیخ جنید نے فرمایا ہے کہ: صوفی کی مثال زمین کی سی ہے کہ اس میں قبیح چیزیں ڈالی جاتی ہیں، لیکن اس سے جو کچھ نکلتا ہے وہ بہترین غذا ہوتی ہے، یا اس کی مثال اس زمین کی سی ہے جس کو نیک و بد سب روندتے ہیں، یا اس کی مثال بادل کی سی ہے جس کا پانی سب کو سیر اب کرتا ہے۔

9.4 مقاصد تصوف

تصوف اپنے باطن کی اصلاح اور ظاہر شریعت پر مکمل عمل پیرا ہونے کا نام ہے حضرت ابویزید بسطامی فرماتے ہیں: "اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو اس قدر کرامات دی گئی ہیں کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس سے دھوکا نہ کھاو، یہاں تک کہ یہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور حدود شریعت کی حفاظت میں کیسا ہے۔ اسمٰعیل بن جنید کہتے ہیں کہ امر و نہی پر صبر کرنا تصوف ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ: اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اس آسمان کے نیچے کوئی اور علم ہمارے اس علم سے زیادہ شرف والا ہے تو میں اس علم اور اس علم والوں کی طرف دوڑ کے جاؤں گا؛ تاکہ ان سے وہ علم سن سکوں، اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے اس وقت کے مقابلے میں جو ہم اپنے شیوخ اور ساتھیوں کے ساتھ گذارتے ہیں کوئی اور اچھا وقت ہے، یا ہمارے مسئلوں اور ہماری صحبتوں سے زیادہ اچھی کوئی صحبت ہے تو میں اٹھ کر اس تک چلا جاؤں"۔ تو گویا شیخ جنید اپنے اس قول میں اپنے تجربہ کا اس طرح اظہار کر رہے ہوتے ہیں کہ ان کے نزدیک اس سے زیادہ اہم کوئی علم نہیں ہے، ان کا عندیہ ہوتا ہے کہ ہم فقہ ظاہر کو ترک کر کے فقہ باطن کی طرف آئے ہیں جو ہمارے نزدیک سب سے بہتر ہے، یعنی یہ تصوف فقہ باطن ہے اور باطن کی اصلاح اسی پر مبنی ہے، اور مطلوب حقیقی صرف رسوم کی اصلاح نہیں بلکہ باطن کی اصلاح ہے۔ اگر وہ نہ ہو گی تو ظاہری رسوم کچھ کام نہیں آئیں گی، تصوف دراصل ان ظاہری رسوم کی روح اور جان ہے۔ تصوف کے ذریعہ ظاہری اعمال جو ہر حال میں مطلوب ہیں زندہ ہو جاتے ہیں۔ شیخ جنید تصوف کے اتنے معترف تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ: "میں سالوں ایسے لوگوں کے ساتھ رہا جو ایسے علوم میں بحث کرتے تھے جن کو میں سمجھتا تھا نہ جانتا تھا کہ وہ کیا ہیں، لیکن میں نے ان پر انکار نہیں کیا اور جو کچھ مجھے بتایا جاتا اس کو میں بغیر جانے بھی قبول کر لیتا تھا"۔

صوفیہ کرام نے بڑی وضاحت سے بار بار ذکر کیا ہے کہ تصوف شریعت اسلامی سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، شریعت کے بہتر اتباع کا نام ہی تصوف ہے، ان کا خیال ہے کہ صرف اتباع سنت کا راستہ ہی ایسا راستہ ہے جس کے ذریعہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ تمام راستے مسدود ہیں۔ عبدالرحمن سلمی نے طبقات الصوفیہ میں لکھا ہے کہ شیخ جنید نے فرمایا کہ: مخلوق کے لیے تمام راستے مسدود ہیں، سوائے اس کے کہ رسول اللہؐ کے طریقہ کا اتباع کیا جائے، جو اس طریقے کو لازم پکڑ لے تو اس کے لیے خیر کے تمام راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک اور مرتبہ فرمایا کہ: ہمارا یہ علم کتاب و سنت کے اصولوں سے مقید ہے۔ اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمارا یہ علم کتاب و سنت سے مضبوط ہے، جو شخص راہ سلوک اختیار کرنے سے قبل قرآن نہ پڑھے، حدیث نہ لکھے اور فقیہ نہ ہو تو اس کی اقتدا جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

ہمارا یہ علم حدیث کے ذریعہ مستحکم ہے۔ تاریخ بغداد میں راوی نے لکھا ہے کہ شیخ جنید یہ بات اکثر کہا کرتے تھے۔

صوفیہ کرام اعمال شریعت جیسے نماز، روزہ، تلاوت اور حج وزکوۃ کو بطیب خاطر انجام دیتے تھے، نماز کے سلسلہ میں ایک عظیم صوفی حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: "ہر چیز کا ایک امتیاز ہوتا ہے اور نماز کا امتیاز تکبیر اولیٰ ہے۔" شیخ سہروردی نے لکھا ہے کہ شیخ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ نیت کا مقام تکبیر اولیٰ ہے اور وہی نماز کی ابتدا ہے، اسی طرح روزہ کے بارے میں فرمایا کہ: "روزہ نصف سلوک ہے"۔

صوفیہ کرام کو نمازوں میں خشوع وخضوع اور یکسوئی کا احساس اس قدر رہتا تھا کہ اگر نماز میں کوئی دنیاوی وسوسہ پیدا ہو جاتا تو اس نماز کو دوبارہ ادا کرتے تھے۔

احمد بن جعفر بن ہانی سے مروی ہے کہ انہوں نے شیخ جنید سے دریافت کیا: "ایمان کی علامت کیا ہے"؟ شیخ نے جواب دیا: "ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو جس پر ایمان لایا ہے اس کی اطاعت کرے اور وہ کام کرے جو اس کو پسند ہوں اور جن سے وہ راضی ہو، نیز فانی اور زائل ہونے والی چیزوں سے تعلق منقطع کر لے"۔

عبادت صرف نوافل اور ذکر واوراد کا نام نہیں ہے؛ بلکہ دلی کیفیات کا بھی نام ہے، دل میں اللہ کا خوف آخرت کی جوابدہی کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر بھی عبادت ہے، شیخ جنید نے اس کو بھی عبادات میں شمار کیا ہے، اور اس کو ذکر خفی کہا ہے، فرماتے ہیں۔

شیخ جنید سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے جواب دیا: دل کا مخلوقات کی محبت سے خالی ہونا، طبعی اخلاق (رذیلہ) سے جدائیگی اختیار کرنا، انسانی صفات کو بے اثر کرنا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی صفات کا پیدا کرنا، علوم حقائق سے تعلق کرنا، جو ابدی طور پر درست ہے اس کو اختیار کرنا، ساری امت سے خیر خواہی کرنا، حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے عہد وفا استوار کرنا اور شریعت میں رسول اللہ کی سنت کی اتباع کرنا۔ اس بات کو شیخ جنید نے ایک اور جگہ اس طرح کہا کہ: "ان کی خاموشی خوف خدا سے عبارت ہوتی ہے"۔

9.5 صوفیانہ فکر کا ارتقا

پہلی صدی ہجری میں تصوف کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی تھی، اور دوسری صدی کے ختم تک بھی فناء وبقاء یا توحید وجودی وغیرہ اصطلاحات کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا، اور صوفیہ میں خرقہ پہننا، شطحات کا صدور، سکر ومدہوشی، جذب وانبساط، قبض وبسط وغیرہ کا رواج بھی تقریباً نہیں تھا، البتہ اسی عہد میں ایسے دواعی شروع ہو گئے تھے جو بعد میں مخصوص صوفیانہ فکر کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور تصوف کی اصل بنیاد انہی تصورات پر قائم ہوئی، ان میں سے ایک اہم تصور محبت الٰہی کا خاص تصور تھا، تصوف کی تاریخ میں لفظ "محبت" بڑی اہمیت کا حامل ہے، سلوک کا سفر ہی دراصل محبت الٰہی سے شروع ہوتا ہے، قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ سے محبت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، صوفیہ نے اس کو قبول کیا اور سلوک کی بنیاد اسی کو بنایا، لیکن صوفیہ نے محبت کو اس دائرے سے آگے بڑھایا جس کا ذکر قرآن میں ہے، قرآن میں محبت الٰہی کا طریقہ اور اظہار یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کی جائے: "**قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**" (کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو)۔

صوفیہ نے اس کو آگے بڑھا کر عشق کے درجہ تک پہنچایا اور اس کو پیدا کرنے کے لیے ذکر و مراقبہ کا راستہ اختیار کیا۔ دوسری صدی میں اگرچہ اس کے خدوخال بہت واضح نہیں تھے لیکن محبت کے ساتھ عشق کا ذکر بھی ہوتا تھا۔

عبدالواحد بن زید نے حضرت حسن بصری سے ایک مرسل روایت بیان کی ہے جو حدیث قدسی کے انداز پر ہے، اس کا مفہوم یہ ہے: ''جب بندہ صرف میرے ساتھ مصروف ہو جاتا ہے تو میں اس کی نعمت اور لذت اپنے ذکر میں رکھ دیتا ہوں، اور جب اس کی لذت و نعمت میرا ذکر بن جاتا ہے تو وہ مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے، اور میں اس سے عشق کرنے لگتا ہوں، اور جب وہ مجھ سے عشق کرنے لگتا ہے اور میں اس سے عشق کرنے لگتا ہوں تو اس کے اور میرے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے اور میں اس کی نظروں کے سامنے آجاتا ہوں''۔

یہ روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے؛ لیکن عبدالواحد جو اس کے راوی ہیں یہ ان کے فکر کی ترجمان ہے، انہوں نے ذکر کو محبت کا ذریعہ بتایا اور محبت کی غایت عشق الٰہی کو قرار دیا ہے، اور عشق کا نتیجہ حجابات کے مرتفع ہو جانے کو قرار دیا ہے۔

عبدالواحد بن زید کی یہ روایت واضح طور پر تصوف کے اس تصور کا نقطہ آغاز ہے جس کے زیر اثر بعد میں صوفیہ نے وحدۃ الوجود کا اثبات کیا اور بعض سے شطحات کا بھی صدور ہوا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر بندوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کیا ہے، تو کھانا پینا کم ہو جائے لباس پر توجہ کم ہو جائے، فرشتوں کو دیکھو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے جب سے پیدا ہوئے یا تو سجدے میں ہیں یا قیام میں یا رکوع میں۔

ابراہیم بن ادہم نے ایک اور اہم بات کہی ہے کہ: ''اے اللہ تو جانتا ہے کہ اگر مجھے تیری محبت مل جائے تو پھر میرے نزدیک جنت کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگی''۔

یہ وہی بات ہے جو اس سے آگے بڑھ کر رابعہ العدویہ نے کہی تھی، رابعہ ابراہیم ادہم کی معاصر ہیں ان کا مشہور جملہ اکثر تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ: ''میں چاہتی ہوں کہ جنّت کو جلادوں اور جہنم پر پانی ڈال کر اسے بجھادوں؛ تاکہ لوگ بغیر کسی لالچ یا خوف کے خدا کی عبادت کریں''۔

دوسرا تصور جس کا اس دور میں آغاز ہوا وہ زہد کا ہے، زہد بھی صوفیہ کے بنیادی تصورات میں ہے، بے شمار آیات و احادیث میں دنیا و مافیھا سے زہد کی ترغیب دی گئی ہے، شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ: ''قرآن دنیا میں زہد کی ترغیب اور دنیا کی بے قیمتی اور بے حیثیتی کے ذکر سے بھرا ہے'' زہد فی الدنیا کے موضوع پر مشتمل احادیث کا شمار ناممکن ہے۔ کتاب و سنت میں زہد کی بے حد فضیلت وارد ہوئی ہے، سلف نے زہد کے موضوع پر باضابطہ کتابیں لکھیں ہیں۔

ابراہیم بن ادہم کہتے ہیں کہ زہد تین طرح کا ہوتا ہے: زہد فرض، زہد فضیلت اور زہد سلامت، زہد فرض حرام چیزوں سے بچنا، زہد فضیلت حلال چیزوں سے اجتناب کرنا اور زہد سلامت، شبہات سے اجتناب کرنا۔ شقیق بلخی نے زہد کے بارے میں فرمایا کہ تین

عادتیں زاہد کا تاج ہیں، ایک تو یہ کہ وہ خواہشات سے اعراض کرے نہ کہ خواہشات کی پیروی، دوسرا یہ کہ اپنے دل سے زہد کی راہ اختیار کرے اور تیسرا یہ کہ جب بھی خالی ہو اپنی قبر کو یاد کرے اور قیامت کے مناظر کو یاد کرے۔ زہد سے متعلق حضرت شفیق کے بہت سے اقوال ہیں، آپ نے زہد کے لیے ایک اور لفظ استعمال کیا ہے اور وہ ہے لفظ قلت، ان سے پوچھا گیا کوئی شخص اصحاب قلت میں سے ہے یہ کیسے معلوم ہو گا؟ انہوں نے جواب دیا: جب کوئی شخص دنیا سے کوئی چیز اس طرح ڈرڈر کرلے کہ اگر نہیں لے گا تو گناہگار ہو گا تو سمجھ لو کہ وہ اصحاب قلت میں سے ہے۔

شفیق بلخی کی تحریروں میں یہ عندیہ بھی واضح نظر آتا ہے کہ زہد میں درجہ بندی ہے اور کچھ زاہد دوسرے زاہدوں کے مقابلے میں زیادہ بلند مقام کے حامل ہیں، لکھتے ہیں "اللہ کے سب سے قریب زاہد وہ ہیں جو اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند زاہد وہ ہیں جن کے اعمال اچھے ہیں، اللہ کے نزدیک سب سے افضل زاہد وہ ہیں جو ان چیزوں کی طرف سب سے زیادہ رغبت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز زاہد وہ ہیں جو متقی ہیں، مکمل زہد والے وہ ہیں جن کے دل سخی ہیں اور جو اپنے سینوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور سب سے زیادہ کامل زاہد وہ ہیں جن کا یقین پختہ اور زیادہ ہے"۔

شفیق بلخی نے زاہد اور راغب کی تقسیم کرتے ہوئے ان کے درمیان بعد المشرقین قرار دیا ہے، فضیل بن عیاض نے بھی زہد کی فکر کو تقویت دی اور انہوں نے زہد کو قناعت کے ہم معنی قرار دیا، فرمایا: ہر خیر کی کنجی قناعت ہے اور قناعت دراصل غناء ہے۔ وہ دعا مانگا کرتے تھے کہ: اے اللہ! مجھے دنیا میں زاہد بنا چونکہ زہد ہی ہر خیر کی کنجی ہے اور اسی سے ہمارے تمام اعمال اور ہمارے دلوں کی اصلاح ہو گی۔

لفظ "معرفت" کا بھی مخصوص استعمال اس دور میں شروع ہو گیا تھا، معرفت کے معنی ہیں پہچاننا، صوفیہ کے یہاں معرفت سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے، صوفیہ نے معرفت اور عارف کے الفاظ ایسی کیفیات کے لیے استعمال کیے ہیں جن میں سالک اپنا امتیاز اور تشخص ختم کر کے ذات واحد کے مشاہدہ میں غرق ہو جاتا ہے۔ ابتدائی میں معرفت کا اطلاق صرف اس پر ہوتا تھا کہ بندہ اپنے رب کو پہچان لے اور اس کی جہالت دور ہو جائے، بعد میں یہ لفظ سالک کی مخصوص کیفیات کے لیے استعمال ہونے لگا۔

مالک بن دینار نے فرمایا کہ اہل دنیا نے ایک بہت ہی عمدہ چیز کو چکھا ہی نہیں، لوگوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔

شقیق بلخی نے معرفت پر بہت زور دیا ہے اور انہوں نے معرفت کو وہ رنگ عطا کیا جو تصوف کا امتیاز ہے، انہوں نے فرمایا کہ معرفت چار طرح کی ہوتی ہے:

(1) اللہ کی معرفت: یعنی یہ جاننا کہ اللہ کے سوا نہ کوئی فائدہ دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

(2) معرفت نفس: یعنی یہ یقین رکھنا اور جاننا کہ تیرا نفس نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ فائدہ، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

(3) امر اور نواہی کی معرفت: یعنی یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا تیری ذمہ داری ہے اور تیرا رزق اس کی ذمہ داری ہے

اوراخلاص کے ساتھ بغیر کسی طمع یالالچ کے عمل کرنا۔

(4) اللہ تعالیٰ کے اوراپنے دشمنوں کی معرفت: یعنی یہ جاننا کہ تیرا ایک دشمن ہے اور جب تک تواس سے جنگ نہ کرے گا، تیری عبادتیں قبول نہ ہوں گی۔

صوفیہ کرام کے یہاں زہد، محبت اور معرفت کے ساتھ "توکل" کی بڑی اہمیت ہے۔ کیوں کہ توکل کو اللہ تعالی نے ایک بڑی خوبی کے طور پر قرآن پاک میں بیان کیا ہے 'کہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے'، اور یہ کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لیے کافی ہے، احادیث میں بھی توکل کی بڑی فضیلت آئی ہے، صوفیہ نے ابتداء سے ہی توکل کے بارے میں کلام کیا ہے، توکل زہد سے وابستہ ہے، توکل کے بنا زہد کا تحقق نہیں ہو سکتا اس لیے زہد کی تعریف، اس کی دعوت اوراس کے تقاضے بیان کرنے کالازمی مطلب توکل کی دعوت بھی ہے جو زہد کی روایت کے ساتھ ہی شروع ہو گئی۔

صوفیہ کے یہاں توکل کا مفہوم اپنی ابتداء میں وہی ہے جس کی طرف قرآن وحدیث میں دعوت دی گئی ہے، لیکن بعد میں یہ تصور ایک انتہاء کی طرف گامزن ہوا اور بہت سے نام نہاد صوفیہ نے اسقاط الوسائط کا نام توکل رکھ دیا، توکل کی تعریف کرتے ہوئے شفیق بلخی نے لکھا ہے: "توکل یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہو جائے"۔

یہ وہ اہم تصورات ہیں جن کے تصوف کی تاریخ پر بڑے اثرات ہیں اور دوسری صدی میں ان کو ایک مخصوص امتیازاور تشخص مل گیا تھا جو اگلی صدی میں پروان چڑھنے والے ایک پورے فکری منہاج کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

تیسری صدی میں تصوف کے اندر فلسفیانہ فکر کی آمیزش شروع ہو گئی اور معرفت اور محبت کے جو تصورات دوسری صدی میں پروان چڑھے تھے اس صدی میں ان کے اندر فلسفیانہ رنگ شامل ہوا اوران کی الگ انفرادیت قائم ہو گئی، ڈاکٹر ابوالوفا الغنیمی التفتازانی نے لکھا ہے کہ تیسری صدی میں تصوف کے پانچ امتیازات قائم ہوئے:

1. اخلاق وسلوک 2. ذوقی معرفت 3. فناءاوراس کے مختلف معانی 4. طمانیت یاسعادت 5. اشاراتی زبان

بعد کے ادوار میں بھی تصوف کے یہ امتیازات قائم رہے۔ اسی کے ساتھ اس عہد میں تصوف کی فکر میں ایک اور مسئلہ زیر بحث رہا تھا، اوروہ تھا توحید کا مسئلہ، صوفیہ نے توحید کے اثبات اور توحید کی نوعیت پر اپنے صوفیانہ ذوق اوراشاراتی زبان میں گفتگو کی ہے، اورواقعہ یہ ہے کہ فکری سطح پر تصوف کو جو چیزیں فقہاء اور محدثین کے عام منہاج سے ممتاز کرتی ہیں وہ صرف دو ہیں: ایک توحید دوسری فناء وبقاء۔

فناء اور بقاء کے تصور کا آغاز بھی تیسری صدی میں ہوا، اس صدی میں متعدد صوفیہ نے اپنے ذوق کے مطابق فناء کی تعریف کی اور بعض نے فناء کو حلول تک پہنچادیا، مثلاً حلاج نے فناء کی اس طرح تشریح کی کہ وہ حلول کے مترادف ہو گئی، لیکن عام صوفیاء نے فناء کے اس تصور پر سخت نکیر کی اور ہر دور میں نظریہ اتحاد وحلول کا رد کیا۔

بعض صوفیہ جس کو خالص عشق الٰہی کہتے ہیں یعنی جنت کی خواہش اور جہنم سے خوف کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، یہ فکر

دراصل اسی تیسری صدی میں پروان چڑھی، علی بن موفق البغدادی کے یہاں اس کا تذکرہ ملتا ہے، حالانکہ یہ فکر کسی نہ کسی شکل میں دوسری صدی کے اندر بھی موجود تھی جیسا کہ ذکر ہو چکا لیکن اس کو بعد میں فروغ ہوا۔

تصوف کی تاریخ میں یہ بھی ایک نئی فکر تھی جس کو ابتدائی عہد میں قبولیت نہیں ملی؛ لیکن بعد میں یہ فکر مختلف لوگوں میں مقبول ہوگئی، اس تصور نے دراصل دین اسلام کی ترجیحات کو متاثر کیا، چونکہ ایسی عبادت جس کا کوئی مقصد نہ ہو اور ایسی بندگی جس میں جنت کی طلب نہ ہو۔ ایسی خشیت جس میں خوف نہ ہو اور جہنم سے ڈرنے کا جذبہ نہ ہو، وہ بہر حال اسلام میں مطلوب نہیں ہے، پورا قرآن اور حدیث کا سرمایہ آخرت کے سود وزیاں پر مبنی ہے۔

اہل تصوف محبت کے اس تصور کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ اللہ سے محبت صرف اللہ کے لئے ہو، نہ صرف جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے؛ کیونکہ بندوں کی محبت کا مستحق حقیقی اللہ ہے، اللہ کی محبت تمام ماسوی سے زیادہ ہونا ایمان کا مطلوب ہے، اس کے ذریعے جہنم کے خوف اور جنت کی خواہش کی نفی مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف اس امر کا اثبات مطلوب ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی عبادت صرف اس کی ذات کے لئے اور اس کی رضاء کے حصول کے لئے ہے جو تمام غایات کی غایت ہے۔

اسی دور میں ابو سعید الخراز نے فناء وبقاء کے بارے میں گفتگو شروع کی اور ابو صالح حمدون القصار نے ملامتی مذہب اختیار کر لیا۔

شیخ جنید بغدادی کے استاد سری سقطی نے تصوف کی اشاعت اور اس کو دوسرے علاقوں تک پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا، ان کے ایک شاگرد موسی انصاری نے مرو اور خراسان میں اور ابو علی روذباری نے مصر میں اور محمد بن عبد الوہاب الثقفی نے نیشاپور میں اس کی اشاعت کی۔

صوفیہ کی خانقاہوں کا ظہور بھی اسی صدی میں شروع ہوا، علامہ جامی کے ایک اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود شیخ جنید بغدادی نے بھی خانقاہ قائم کی تھی، لیکن اگر یہ روایت درست نہ ہو تب بھی ابراہیم مصری کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کے لیے خانقاہ قائم کی گئی تھی جس کو رباط کہا جاتا تھا۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ: پہلی خانقاہ ابو ہاشم صوفی نے رملہ (فلسطین) میں قائم کی، سفیان ثوری نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ تیسری صدی سے پانچویں صدی کے درمیان تصوف کی تمام اصطلاحات کا رواج شروع ہو گیا تھا اور صوفیہ ان مخصوص اصلاحات میں گفتگو کرنے لگے تھے، جیسے وقت، مقام، حال، قبض، بسط، ہیبت، انس، تواجد، جمع، فرق، فناء وبقاء، غیبت و حضور، صحو اور سکر، محو واثبات، مستور و تجلی، کشف، مشاہدہ، لوائح، طوامع، لوامع، قرب وبعد، شریعت، حقیقت، طریقت وغیرہ۔

9.6 تاریخی ادوار

تصوف کی تاریخ کو مختلف مؤرخین نے مختلف زمانوں میں تقسیم کیا ہے، عصر حاضر میں تصوف کے نامور محقق پروفیسر شاہد علی عباسی نے تصوف کے ارتقاء کو چھ ادوار میں تقسیم کیا ہے، پہلا دور عہد صحابہ، دوسرا دور حضرت حسن بصری اور ان کے معاصرین و مسترشدین کا، تیسرا زمانہ نویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی کا ہے جس میں تصوف کے بیشتر افکار اور ان کی امتیازی خوبیاں وجود میں

آئیں، چوتھا زمانہ تصوف میں جذب و سلوک کے آغاز کا ہے، پانچواں دور تصوف کے سلاسل کے آغاز کا دور ہے۔ اور چھٹا دور پندرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک کا ہے۔ یہ تقسیم بھی ایک اہم تقسیم ہے؛ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تصوف کے ادوار کو صرف چار ادوار میں بلکہ زیادہ صحیح تعبیر استعمال کریں تو چار الوان میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں آپ تصوف کے تاریخی ادوار کو اکثر محققین کی تقسیم کے اعتبار سے پڑھیں گے۔

9.6.1 تصوف کا پہلا دور

تصوف کے پہلے دور کا آغاز رسول اللہؐ کے عہد میں ہوتا ہے اور عہد صحابہ تک جاری رہتا ہے۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں سالکین کی توجہ شریعت کے ظاہری اعمال پر زیادہ رہی، ان لوگوں کو باطنی زندگی کے تمام مراتب شرعی احکام کی پابندی کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے تھے، چنانچہ ان بزرگوں کا احسان یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر و تلاوت کرتے تھے، روزہ رکھتے تھے، حج کرتے تھے اور زکوٰۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔ یہ بزرگ خدا تعالیٰ سے قرب و حضور کی نسبت اعمال شریعت اور ذکر و اذکار کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل کرنے کی سعی نہ کرتے تھے، بے شک ان اہل کمال بزرگوں میں جو محقق ہوتے ان کو نماز اور ذکر و اذکار میں لذت ملتی، اور قرآن مجید کی تلاوت سے متاثر ہوتے، مثلاً زکوٰۃ محض اس لیے نہ دیتے تھے کہ زکوٰۃ دینا خدا کا حکم ہے بلکہ خدا کے حکم کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی بخل کے روگ سے بچاتے، اور نیز جب وہ اپنے آپ کو دنیاوی کاموں میں منہمک پاتے تو انہیں اس کا احساس ہوتا، چنانچہ وہ دل کو کاروبار دنیا سے ہٹانے کے لیے زکوٰۃ دیتے اور اسی طرح شریعت کے دوسرے احکام کو بجالانے میں بھی ان کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ الغرض یہ بزرگ محض خدا کا حکم سمجھ کر شرعی احکام ادا نہ کرتے؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان شرعی احکام کی بجا آوری سے ان کے باطنی تقاضوں کی تسکین بھی ہوتی تھی، یہ بزرگ جنت کی خواہش رکھتے تھے اور جہنم سے خائف رہتے تھے، کشف و کرامات اور خوارق عادات بھی ان سے کم ہی ظاہر ہوتے تھے، سرمستی اور بے خودی کی کیفیت بھی ان پر شاذ و نادر ہی طاری ہوتی تھی، اور اگر کبھی کبھی یہ باتیں ان سے صادر بھی ہوتیں تو قصداً نہیں، بلکہ محض اتفاق سے ایسا ہوتا تھا، شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں تصوف کا یہ دور "احسان" کا دور ہے، یعنی اس دور کا تصوف دراصل احسان تھا۔

9.6.2 تاریخ تصوف کا دوسرا دور

تاریخ تصوف کا دوسرا دور تقریباً 61ھ یعنی حضرت حسن بصری کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور تیسری صدی ہجری کے آغاز تک جاتا ہے۔ تقریباً دو سو برسوں پر محیط یہ دور تصوف کی تشکیل کا ابتدائی مرحلہ ہے، اس دور میں بنو امیہ کا پورا دور حکومت اور بنو عباس کا دور عروج شامل ہیں، اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تحریک تصوف نے نہ تو باضابطہ کوئی شکل اختیار کی تھی نہ ہی تصوف کی اصطلاحات وضع ہوئی تھیں، اس دوران حضرت حسن بصری، حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت مالک بن دینار وغیرہ ایسے بڑے بزرگان دین گزرے ہیں جنہوں نے اس زمانے میں مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی حد سے زیادہ دنیاداری سے نہ صرف بے زاری کا اظہار کیا بلکہ اس کے خلاف آواز بھی اٹھائی، ان لوگوں نے خود کو امور دنیا اور حکمت کے کاموں سے دور رکھا، مسلمانوں کی اصلاح کی کوئی منظم اور بھرپور تحریک چلانے

کے بجائے ان بزرگوں نے اپنے زمانے کے مخصوص سیاسی ماحول کو مد نظر رکھتے ہوئے، دنیا کے خراب ماحول سے خود کو الگ رکھا، گوشۂ عافیت میں عبادت وریاضت کو اپنا شعار بنایا، ان بزرگان دین پر خدا کا خوف ہر وقت غالب رہتا تھا۔

9.6.3 تیسرا دور

تحریک تصوف کا دوسرا دور تیسری صدی ہجری کے بیشتر اور چوتھی صدی ہجری کے نصف اول پر محیط ہے، اگرچہ یہ زمانہ مسلمانوں میں فلسفے اور عقلیت سے مرعوبیت کا زمانہ ہے، مسلمانوں کے اندر ان علوم کے فروغ کے سبب عقائد و مذہب سے متعلق مختلف طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے تھے، اس دور کے بزرگان دین میں حضرت بایزید بسطامی حضرت ذوالنون مصری اور حضرت جنید بغدادی بہت زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن اس دور کے مسلم بزرگان دین نے مذہب اور اس کی تعلیمات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بجائے دل کی کیفیت پر زیادہ زور دیا، ان کے خیال میں انسان صراط مستقیم کی تلاش میں عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے اگر اپنے اندرون میں جھانک کر دیکھے تو زیادہ آسانی کے ساتھ راہ راست پر گامزن رہ سکے گا۔ ان بزرگان دین نے یونانی وایرانی عقلیت پسندی کا مقابلہ عشق الٰہی سے کرنے کی کوشش کی۔

9.6.4 چوتھا دور

تحریک تصوف کا چوتھا دور چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری پر مشتمل ہے، یہ عباسی خلافت کا دور زوال ہے، اس دوران مسلم دنیا پورے طور پر انتشار کا شکار تھی، اس زمانے میں مسلم دنیا کے مختلف علاقوں میں ان کی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں وجود میں آگئی تھیں جو اکثر اوقات باہم دست و گریبان بھی رہتی تھیں، آپسی اختلاف وانتشار اور خانہ جنگیوں کے اس دور میں تحریک تصوف کو مزید جلا ملی، اور اس نے دنیاداری کے خلاف دنیا بے زاری کی باضابطہ تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ اس دور کے صوفیہ میں ابو نصر سراج، ابو طالب مکی وغیرہ مشہور ہوئے ہیں۔ تحریک تصوف کے اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اسی زمانے میں تصوف کی اصطلاحات مقبول ہونی شروع ہوئیں، اس زمانے میں صوفیہ کے حلقے اور گروپ وجود میں آئے اور بعض لوگوں نے صوفی تحریک کو ہی عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی۔ البتہ اس دور میں بھی باضابطہ صوفی سلسلوں کا آغاز نہیں ہوا تھا، اسی دور میں پہلی مرتبہ ایسی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں تصوف کے بنیادی تصورات ملتے ہیں، مثال کے طور پر شیخ ابو نصر سراج کی تصنیف "کتاب اللمع" کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں صوفیاء کرام نے اصلاح باطن پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

9.6.5 پانچواں دور

تحریک تصوف کا پانچواں دور چھٹی صدی ہجری اور ساتویں صدی ہجری پر مشتمل ہے، اس دور میں تصوف نے باضابطہ اور منظم تحریک کی شکل اختیار کرلی اور یہ اپنے دور کے سماج کی اہم ضرورت بن گیا، چونکہ یہ دور بھی مسلم دنیا کا دور خلفشار ہے، اس میں مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور کشمکش نے انہیں اتنا زیادہ کمزور کردیا کہ منگولوں نے مسلم دنیا کے ایک بڑے حصے کو تاخت و تاراج کرکے رکھ دیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے بلاد وامصار کی ایسی تباہی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی ان میں اتنے بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہوئی تھیں، اس خون خرابے نے مسلم

دنیا میں مایوسی اور دنیا کی بے ثباتی کا ایک ایسا ماحول پیدا کیا جو تحریک تصوف کے لیے انتہائی ساز گار تھا؛ لہٰذا تصوف اور صوفی خیالات کو مسلم دنیا میں سب سے زیادہ فروغ اسی زمانے میں حاصل ہوا، زیادہ تر صوفی سلسلوں کا قیام اسی زمانے میں عمل میں آیا اور اسی دوران وہ مسلم دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیلے۔ اس دور کے صوفیاء میں مولف رسالہ قشیریہ شیخ ابوالقاسم قشیری، فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب "کشف المحجوب" کے مصنف شیخ علی ہجویری، سلسلہ قادریہ کے بانی اور فتوح الغیب کے مولف سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، صاحب احیاء العلوم امام محمد الغزالی، فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ جیسی تصوف کی بنیادی کتابوں کے مصنف شیخ محی الدین ابن عربی، بانی سلسلہ سہروردیہ اور عوارف المعارف جیسی تصوف کی معرکۃ الآراء کتاب کے مصنف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی زیادہ مشہور ہیں۔ اسی دور میں تصوف کو سب زیادہ عوامی مقبولیت حاصل ہوئی کیونکہ ایک ایسے وقت میں جب مسلمانوں کا سیاسی نظام پورے طور پر بکھر چکا تھا اور ان کی سیاسی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی، یہ صوفیاء کرام اور ان کی جماعت تھی جس نے مسلم معاشرے کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کا بیڑہ اٹھایا، اس کے اندر اصلاح و درستی کی تحریک کو آگے بڑھایا اور صوفی سلسلوں کے باضابطہ قیام کے ذریعے ایک ایسا روحانی نظام جاری کیا جس میں مرید کی اصلاح و تربیت کی اور اس کو معاشرہ کا ایک بہتر فرد بنانے کی سعی کی گئی۔

اسی عہد میں صوفیہ کے مختلف سلسلے قائم ہوئے جن کی وجہ سے تصوف باضابطہ ایک نظام بن گیا، اس عہد میں قائم ہونے والے چند اہم صوفی سلسلے حسب ذیل ہیں:

1. سلسلہ قادریہ - بانی حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی
2. سلسلہ سہروردیہ - بانی حضرت ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی اور ابو حفص شہاب الدین عمر سہروردی
3. سلسلہ چشتیہ - بانی خواجہ ابو اسحاق چشتی
4. سلسلہ نقشبندیہ - بانی خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبند
5. سلسلہ رفاعیہ - بانی سید احمد الرفاعی
6. سلسلہ شاذلیہ - بانی ابوالحسن علی الشاذلی
7. سلسلہ فردوسیہ - بانی شیخ الاسلام نجم الدین کبریٰ

9.6.6 تصوف کی تاریخ کا چھٹا دور

تصوف کے سلاسل قائم ہو جانے کے بعد تصوف محض طریقہ تربیت نہیں رہا؛ بلکہ باضابطہ ایک نظام بن گیا اور نظام کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی خرابیاں بھی اس میں در آئیں، مختلف سلاسل کے بعض افراد میں باہم نبرد آزمائی کا آغاز ہوا، ہر سلسلے کے اندر بھی ان کے کچھ متبعین میں اختلافات رونما ہوئے اور یہ سلسلے مزید تقسیم ہوتے گئے، جن میں بیشتر وقت کی گرد بن گئے اور تاریخ کا حصہ بن گئے، بہت سے ابھی بھی موجود ہیں، اس کے درمیان بعض جلیل القدر صوفیہ جن میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

زیادہ مشہور ہیں، اور بعض دوسرے صوفیہ نے اس کی گنجائش نکالی کہ ایک ہی سالک بیک وقت کئی سلسلوں سے وابستہ ہو سکتا ہے۔

9.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تصوف کے لفظ کا ماخذ صوف ہے جس کے معنی ہیں اون پہننا؛ چونکہ صوفیہ نے اپنا مخصوص لباس اونی لباس کو قرار دیا تھا اس لیے صوفیہ اس نام سے موسوم ہوئے۔ تاہم صوفیہ نے اس کے علاوہ اس لفظ کی بعض دوسری لفظی و معنوی مناسبتیں بھی بیان کی ہیں۔
- تصوف کا آغاز تو پہلی صدی میں ہی ہو گیا تھا اس کا ارتقا ہوتے ہوتے کئی صدیاں لگ گئیں۔
- دوسرا تصور جس کا اس دور میں آغاز ہوا وہ زہد کا ہے، زہد بھی صوفیہ کے بنیادی تصورات میں ہے، بے شمار آیات و احادیث میں دنیا و مافیھا سے زہد کی ترغیب دی گئی ہے، شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ: "قرآن دنیا میں زہد کی ترغیب اور دنیا کی بے قیمتی اور بے حیثیتی کے ذکر سے بھرا ہے" زہد فی الدنیا کے موضوع پر مشتمل احادیث کا شمار ناممکن ہے۔ کتاب و سنت میں زہد کی بے حد فضیلت وارد ہوئی ہے، سلف نے زہد کے موضوع پر باضابطہ کتابیں لکھیں ہیں۔
- مورخین نے تصوف کی تاریخ کو مختلف زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔ عموماً مورخین تصوف کی تاریخ کو چھ مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہیں، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تصوف کے ادوار کو صرف چار ادوار یا چار الوان میں تقسیم کیا ہے۔

9.8 نمونہ امتحانی سوالات

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تصوف کے لفظ کا ماخذ-----ہے جس کے معنی ہیں اون پہننا ہیں۔

(a) .صوف (b) .صفا (c) .صف (d) .صفات

2. -----میں باضابطہ تصوف کے سلاسل قائم ہوئے اور اس کے بعد تصوف ایک باضابطہ نظام بن گیا اور اس کی مخصوص اصطلاحات وضع ہوئیں۔

(a).پانچویں صدی (b).چھٹی صدی (c).ساتویں صدی (d).آٹھویں صدی

3. تاریخ تصوف کا دوسرا دور تقریباً 61ھ یعنی------کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور تیسری صدی ہجری کے آغاز تک جاتا ہے۔

(a) .حضرت علیؓ (b).جنید بغدادی (c).حضرت حسن بصری (d).سری سر قطی

4. صوفیاء کے نزدیک تصوف وہی ہے جیسے حدیث جبریل میں------کیا گیا ہے۔

(a) .ایمان (b).احکام (c).احسان (d).تمام غلط

5. شیخ ابو نصر سراج کی تصنیف---------تصوف کی ابتدائی کتاب مانی جاتی ہے۔

(a). کتاب اللمع (b). الرعایہ فی حقوق اللہ (c). کشف المحجوب (d). فتوحات مکیہ

6. حضرت شقیق بلخی نے معرفت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ان کے قول کے مطابق---------چار طرح کی ہوتی ہے۔

(a). معرفت (b). ہدایت (c). قبولیت (d). اطاعت

7. اہل صفہ کسے کہتے ہیں؟

(a). صوفیا کو (b). مسجد نبوی کے چبوترے پر رہنے والوں کو (c). مدینہ کے زائرین کو (d). کوئی نہیں

8. مجدد الف ثانیؒ اور..... دور جدید کے مشہور صوفیا ہیں۔

(a). شاہ ولی اللہ (b). علامہ اقبال (c). سرسید (d). سبھی جواب صحیح ہیں

9. تصوف کی مشہور کتاب کشف المحجوب--------کی تصنیف ہے۔

(a). حارث محاسبی (b). ابو نصر سراج (c). علی ہجویری (d). ابن عربی

10. تصوف کے سلاسل--------سانحہ کے بعد وجود میں آئے۔

(a). سقوط بغداد (b). سقوط بنی امیہ (c). سقوط غرناطہ (d). کوئی نہیں

9.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. تصوف کے معنی اور مفہوم پر ایک تبصراتی مضمون تحریر کیجیے۔
2. نبی ﷺ اور صحابہ کے دور میں تصوف کی کیا صورت تھی؟ تبصراتی جائزہ پیش کیجیے۔
3. تصوف کی تصنیفات کس دور میں لکھیں گئیں؟ اس دور کی خصوصیات کو بیان کیجیے۔
4. سقوط بغداد کے بعد صوفیا کرام کے کردار کی اہمیت پر ایک تجزیاتی نوٹ تحریر کیجیے۔
5. عصر حاضر میں تصوف کے خدوخال اور نظام پر ایک نوٹ لکھیے۔

9.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. تصوف کے معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے تاریخی ادوار کا جامع تعارف پیش کیجیے۔
2. تصوف کی خصوصیات پر ایک مضمون لکھیے۔
3. صوفیانہ فکر کے تاریخی ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔

9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ تصوف اسلامی : عبدالرحمن ندوی
2. ہمعات : شاہ ولی اللہ دہلوی
3. تصوف اور شریعت : پروفیسر عبدالحق انصاری (ترجمہ مشتاق تجاروی)
4. تزکیہ، احسان : مولانا ابوالحسن علی الندوی
5. حقائق التصوف : الشیخ عیسی عبدالقادر حلبی
6. The mystical Vision of Existence in classical Islam: Gerhard Browning

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 10: مشہور صوفیائے کرام (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 ابتدائی دور کے مشہور صوفیائے کرام

10.2.1 حسن بصری (642-728ء)

10.2.2 رابعہ بصریہ (717-801ء)

10.2.3 ابراہیم بن ادہم (718-782ء)

10.2.4 حارث بن اسد محاسبی (781-857ء)

10.2.5 ذوالنون مصری (796-859ء)

10.3 اکتسابی نتائج

10.4 نمونہ امتحانی سوالات

10.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

10.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

10.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

اس اکائی میں ابتدائی عہد کے اجلہ صوفیہ کے احوال و کوائف، ان کی بنیادی تعلیمات اور ان کے افکار کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان صوفیا نے تصوف کے بنیادی عوامل و افکار کو ایک جہت عطا کی تھی۔ تصوف کے ارتقا میں ان کا اہم کردار ہے۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اس آپ تصوف کے ابتدائی دور کے مشہور صوفیا حضرت حسن بصری، رابعہ بصری، ابراہیم بن ادہم، ذو النون مصری اور حارث محاسبی کے احوال سے واقف ہو سکیں۔ یہ اولیا اہل معرفت اور مشائخ طریقت میں بڑے برگزیدہ شمار ہوتے ہیں۔ اس اکائی کے ذریعہ آپ ان کی تعلیمات ریاضت و مجاہدات کا تجزیہ کر سکیں گے۔ آپ اس نتیجہ کو اخذ کر سکیں گے کہ ان صوفیہ اور مشائخ کی تعلیمات اور حیات میں شریعت کی پابندی کی کس قدر اہمیت ہے۔

10.2 ابتدائی دور کے مشہور صوفیائے کرام

10.2.1 حسن بصری (642-728ء)

حضرت حسن بصری صوفیہ کے درمیان بڑی مرکزی شخصیت ہیں، شیخ ابو نعیم نے بھی ان کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے اور ان کا کلام بھی جمع کیا ہے، حسن بصری کے یہاں اگرچہ علم القلوب والخواطر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے لیکن ان کا زور استدلال عقل پر ہے، اور وہ اپنے مواعظ میں لوگوں کو عقلی اور شعوری زہد وعبادت کی دعوت دیتے ہیں، اس طرح گویا ان کے یہاں زہد کے ساتھ کلام کی روایت بھی برابر موجود ہے، حسن بصری کو صوفیہ اپنا سرخیل مانتے ہیں، صوفیہ کے اکثر سلاسل حسن بصری کی ذات میں مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا تذکرہ ذرا تفصیل سے کرنا مناسب ہو گا۔

حسن بصری کی اصل کے بارے میں بہت سے اقوال مروی ہیں، ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی، بڑے ہو کر آپ جہاد میں شریک ہوئے اور کابل اور زابلستان کے علاقے میں جنگوں میں شرکت کی، ایک عرصہ تک خراسان میں بدیع بن زیاد الحارثی کے کاتب رہے، کچھ عرصہ قاضی بھی رہے۔ پھر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور وعظ و نصیحت اور تعلیم و تعلم کے لیے یکسو ہو گئے۔

حسن بصری بڑے زبردست عالم اور مفسر قرآن تھے، تفسیر میں ان کی آراء خصوصی اہمیت سے نقل کی جاتی ہیں؛ لیکن ان کا اصل میدان پند و نصیحت ہے، انہوں نے بہت وعظ کہے، ان کے متعدد اقتباسات مختلف کتابوں جیسے حلیۃ الاولیاء، کشف المحجوب، آداب الحسن البصری وغیرہ میں منقول ہیں، حضرت عمر بن عبد العزیز کے نام ان کے بہت سے خطوط محفوظ ہیں جن میں ان کی وعظ و نصیحت لکھی ہیں۔

ان کے مواعظ و نصائح حکمت سے پر ہیں، زبان پر ان کو بڑی قدرت تھی، بصرہ میں خصوصاً اور عام مسلمانوں پر عموماً ان کے بڑے اثرات تھے، فتنوں کے موقعے پر انہوں نے مسلمانوں کی رہنمائی کی اور بہت سے قتل وخون کو ٹالا، بدلتے ہوئے سیاسی منظر نامے کی وجہ سے وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور لوگوں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، ان سے ایک مرتبہ کسی نے یزید بن مہلب کے فتنے کے بارے میں پوچھا کہ اس فتنے میں مسلمان کیا کریں، انہوں نے جواب دیا کہ دونوں گروہوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہ دیں۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں؛ تو بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ ہاں امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں۔ یعنی اس فتنے کے موقعے پر سیاست سے

مکمل علاحدگی اختیار کرلیں۔

وہ فرماتے تھے کہ اپنی دنیا آخرت کے بدلے فروخت کردو، یہ نفع کا سودا ہے، اپنی آخرت دنیا کے عوض فروخت مت کرو کیوں کہ اس میں دونوں جگہ گھاٹا ہے۔ اسلام کے بارے میں فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ باطن میں آدمی کا دل اللہ تعالی کے لیے جھک جائے اور ظاہر میں مسلمان اور معاہد اس سے محفوظ رہیں۔ انہوں نے فقہاء پر بھی تنقید کی ہے، عمران القصیری سے مروی ہے کہ انہوں نے حسن بصری سے کوئی بات دریافت کی اور ان کو بتایا کہ اس میں فقہاء کی رائے یہ ہے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ کیا تم نے کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا میں زہد کا رویہ اختیار کرے، اپنے دین کی نگرانی کرے اور ہمیشہ اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے۔

ابو طالب مکی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے: "اس کو مسلمانوں کے اموال کا لالچ نہ ہو اور ان کی جماعت کی خیر خواہی مطلوب ہو"۔

انہوں نے معاصر فقہاء پر تنقید کی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خود اپنے معیار مطلوب کے مطابق فقیہ تھے، چنانچہ سفیان بن عیینہ سے ایوب سختیانی نے کہا کہ اگر تم حسن بصری کو دیکھ لیتے تو کہتے کہ تم نے آج تک کسی فقیہ سے ملاقات ہی نہیں کی۔

تزہد تصوف کی روایت کو قائم کرنے اور اس کے لیے بنیاد فراہم کرنے میں حسن بصری کا کردار وہی ہے جو تصوف کو تشکیل دینے میں شیخ جنید کا ہے، ابو طالب مکی نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

سب سے پہلے اس علم کی بنیاد حسن بصری نے رکھی، اور اس میں زبان کھولی، اس کے معانی پر کلام کیا، اس کے انوار ظاہر کیے، وہ اس میں ایسی گفتگو فرماتے تھے جیسی کسی سے نہیں سنی گئی۔ اس عہد میں لفظ تصوف بطور گروہی علامت کے استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اون پہننے کا رواج شروع ہو چکا تھا اور عیسائی راہب بھی بالعموم یہی لباس پہنتے تھے، لیکن مسلمانوں میں اکثر زہاد اس لباس کو پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ زہاد کے سردار خواجہ حسن بصری نے مالک بن دینار کو اونی کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ لباس تم کو کیوں پسند ہے؟ یہ اون تمہارے جسم پر آنے سے قبل کسی بھیڑ کے جسم پر رہی ہوگی۔ یعنی محض لباس کوئی امتیازی وصف نہیں ہے۔

صوفیہ کرام حضرت حسن بصری کے واسطہ سے حضرت علی کے ساتھ جو راویت ملاتے ہیں اگرچہ سَنَد کے اعتبار سے وہ معتبر نہیں ہے، شاہ ولی اللہ اور دوسرے محدثین نے ان دونوں کے لقاء کو تسلیم نہیں کیا ہے؛ لیکن وہ روحانی روایت جو حضرت علی کی ولایت اور حضرت حسن بصری کی ولایت کے درمیان ہے اس کے لیے کسی ظاہری سند کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے صوفیہ کی روایت اگرچہ سنداً ثابت نہیں ہے لیکن معنوی اعتبار سے وہ ثابت ہے، اور اسی معنوی نسبت سے تصوف کے سلاسل حضرت علی کے واسطہ سے جناب رسالت مآب ﷺ تک جاتے ہیں۔ جمہور صوفیہ دونوں کے لقاء کے قائل ہیں۔

چونکہ حضرت حسن بصری کے زمانے میں زہد کی روایت تھی اور اونی لباس پہننے کا رجحان پوری طرح رواج نہیں پایا تھا؛ اس لیے حضرت حسن بصری نے اونی لباس نہیں پہنا، بلکہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اونی لباس پر تنقید بھی کی؛ لیکن ان کی تنقید کا مقصد یہ تھا کہ لوگ صرف ظاہری لباس کو ہی سب کچھ نہ سمجھ لیں، اصل اہمیت لباس کی نہیں عمل کی ہے، لباس تو صرف ایک شکل ہے، اگر دل روحانیت سے خالی ہو تو اونی لباس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اگر صرف اون کے اندر کوئی خوبی ہوتی تو اس کا اظہار پہلے بھیڑ کے اندر ہونا چاہیے تھا؛ چونکہ انسان

کے جسم پر آنے سے قبل یہ اون کسی بھیڑ کے جسم پر رہی ہو گی۔

حضرت حسن بصری کی چند نصیحتیں یہ ہیں: انہوں نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ اگر اللہ تعالی ساتھ ہے تو کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، اور اگر اللہ ساتھ نہیں تو پھر امید کس سے وابستہ کی جائے۔

ایک دفعہ بعض افراد نے حضرت سے عرض کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کو نصیحت اس وقت کرنی چاہیے جب انسان خود صاحب عمل ہو جائے اور اس میں کوئی کمی نہ رہے۔ حضرت حسن بصری نے جواب دیا کہ دراصل شیطان انسان کے دل میں وساوس ڈال کر اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رکھنا چاہتا ہے۔

10.2.2 رابعہ بصریہ (717-801ء)

حضرت رابعہ بصریہ، بصرہ کی رہنے والی تھیں اور آل عتبک کی آزاد کردہ باندی تھیں، سفیان ثوری رحمۃ اللہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، ان کی باتوں پر بھروسہ کرتے تھے اور ان سے نصیحت سنتے تھے اور دعا کرانے کے متمنی رہتے تھے، رابعہ کے علوم و حکمت کو سفیان ثوری اور شعبہ نے روایت کیا ہے۔

جعفر بن سلیمان سے روایت ہے کہ سفیان الثوری نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: مجھے ادب سکھانے والی کے پاس لے چلو جس سے جدا ہو کر مجھے راحت نہیں ملتی۔ جب ہم رابعہ کے پاس گئے تو سفیان نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور کہا: اللھم انی اسئلک السلامۃ۔ تو رابعہ رونے لگیں، انہوں نے پوچھا آپ کیوں رونے لگیں تو جواب دیا کہ: مجھے آپ نے رُلایا ہے۔ پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا آپ کو معلوم ہے کہ سلامتی یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے اسے چھوڑ دیا جائے، اور یہ ہو نہیں سکتا چونکہ لوگ دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

شیبان الابلی کہتے ہیں کہ میں نے رابعہ کو کہتے سنا کہ ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور معرفت کا پھل اعتراف ہے۔ یہی راوی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا: میں استغفار میں قلت صداقت سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا: رسول اللہ سے تمہاری محبت کا کیا عالم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: مجھے رسول اللہؐ سے محبت ہے؛ لیکن مجھے خالق کی محبت نے مخلوق کی محبت سے پھیر رکھا ہے۔ حضرت رابعہ نے ایک دن رباح کو دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے بچے کو بوسہ لے رہے ہیں، حضرت رابعہ نے پوچھا: کیا تم اس بچے سے محبت کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ حضرت رابعہ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتی تھی کہ غیر اللہ کی محبت کے لیے آپ کے دل میں کوئی جگہ ہے، تو رباح بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو کہا: "بلکہ یہ تو رحمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔"

جعفر سے روایت ہے کہ محمد بن واسع رابعہ کے پاس گئے، وہ جھوم رہی تھیں، انہوں نے پوچھا: آپ کیوں جھوم رہی ہیں؛ انہوں نے جواب دیا کہ: میں رات اپنے رب کی محبت میں مدہوش ہو گئی تھی، جب صبح ہوئی تو میں اس کے خمار میں ہوں۔

حضرت سفیان ثوری نے حضرت رابعہ سے پوچھا کہ بندے کو اس کے رب سے قریب کرنے والی چیز کیا ہے؟ تو حضرت رابعہ رونے

لگیں اور فرمایا کہ مجھ جیسی سے یہ سوال کیا جارہا ہے۔ پھر جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی چیز یہ ہے کہ اللہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ بندہ دنیا و آخرت میں اس کے سوا کسی چیز سے محبت نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا: ہائے غم! حضرت رابعہ نے کہا: جھوٹ مت بولو، یہ کہو: ہائے غم کی کمی! چونکہ اگر تم سچ مچ غم زدہ ہوتے تو یہاں آرام سے نہ رہتے۔

حضرت رابعہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میرا غم یہ نہیں ہے کہ مجھے غم ہے، بلکہ میرا غم یہ ہے کہ مجھے غم ہی نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ کا گذر بصرہ میں ایک آدمی کے پاس سے ہوا جس کو بدکاری کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔ حضرت رابعہ نے فرمایا کہ اس زبان پر میرے ماں باپ قربان ہوں جس سے تو "لا الہ الا اللہ" کہتا تھا (یعنی تیرے عمل نے تیرے قول کو باطل کر دیا)۔

ایک مرتبہ صالح مری نے ان کے سامنے کہا کہ جو دروازہ کھٹکھٹائے گا اس کے لیے دروازہ کھل جائے گا، انہوں نے جواب میں کہا کہ دروازہ تو کھلا ہوا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ کون اس میں داخل ہوتا ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ کے یہ وہ حالات ہیں جو ابو عبد الرحمن السلمی نے ذکر النسوۃ الصوفیات المتعبدات میں لکھے ہیں، اس کے علاوہ حضرت رابعہ کے بارے میں مستند معلومات نہیں ہیں، حالانکہ حضرت رابعہ کا تذکرہ بعد کے بہت سے مصنفین نے کیا ہے؛ لیکن ان کے پیش نظر تذکرۃ الاولیاء (فرید الدین عطار) ہے، جس میں عام طور پر غیر محتاط واقعات نقل کیے گئے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ کے سلسلہ میں ایک مشکل اور بھی ہے، وہ یہ کہ رابعہ نام کی متعدد خواتین ہیں؛ تذکرہ نگاروں نے ان خواتین کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے۔ ابو عبد الرحمن السلمی نے اپنی کتاب میں رابعہ نام کی چار صوفی خواتین کا ذکر کیا ہے جبکہ علامہ جامی نے نفحات الانس میں دو رابعہ نام کی خواتین کا تذکرہ ہے، ایک رابعہ العدویہ اور دوسری رابعہ الشامیہ جو احمد بن ابی الحواری کی اہلیہ تھیں۔ امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں رابعہ العدویہ اور رابعہ بنت اسماعیل دونوں میں التباس کر دیا ہے، ابو عبد الرحمن السلمی نے رابعہ کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ آل عتبک کی آزاد کردہ باندی تھیں، والد کا نام یا خاندان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا؛ البتہ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابو عبد الرحمن نے لکھا ہے کہ رابعہ العدویہ اور رابعہ الشامیہ دونوں کے والد کا نام اسمٰعیل ہے؛ لیکن ابو عبد الرحمن کی مطبوعہ کتاب میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔

صوفی خواتین میں سب سے مشہور اور بڑا نام حضرت رابعہ بصریہ کا ہے، ان پر مستقل کتابیں موجود ہیں، اردو، عربی اور انگریزی میں کئی تحقیقی کتابیں لکھی گئیں، بلکہ قدماء میں ابن الجوزی نے ایک مستقل کتاب تصنیف بھی جس کا تذکرہ انہوں نے صفۃ الصفوۃ میں کیا ہے۔ لکھا ہے: قد اقتصرت ہہنا علی ہذا القدر من اخبار رابعۃ؛ لانی قد افردت لہا کتابا جمعت فیہ کلامہا و اخبارہا (یہاں میں نے رابعہ کے صرف اتنے ہی حالات لکھے ہیں اس لئے کہ میں نے اس کے احوال کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے)۔

لیکن زیادہ تر کتابوں میں استناد کا مسئلہ ہے، بہر حال مختلف کتابوں میں ان کی کچھ مناجات لکھی ہیں۔

رابعہ بصریہ نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ نماز و دعا میں گزار دیا، جب وہ سو جاتیں تو اٹھ کر اپنے نفس کو لعنت ملامت کرتیں کہ وہ اتنی دیر مولی سے کیسے غافل رہیں، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوتی تو چھت پر چڑھ جاتیں، قمیض اور دوپٹہ لپیٹ لیتیں اور کہتیں:

"پروردگار ستارے روشن رہ گئے۔ لوگ سو گئے، بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے ہر حبیب اپنے حبیب سے محو خلوت ہے اور میں یہاں تیرے سامنے کھڑی ہوں..."۔

پھر ساری رات نماز پڑھتی رہتیں حتی کہ فجر ہو جانے پر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو جاتیں، اور جب روشنی پھیل جاتی تو اس طرح مناجات کرتیں:

"اے خدا رات گزر گئی دن آ گیا، کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تو نے میری عبادت قبول کر لی یا رد کر دی، تیری عزت کی قسم، میرا یہی طریقہ رہے گا جب تک تو مجھے جواب نہیں دے گا یا میری مدد نہ کرے گا، قسم ہے تیری عزت کی اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو میں نہ ٹلوں گی؛ کیونکہ میرے دل میں تیری محبت گھر کر گئی ہے"۔

رابعہ پر جب نیند غالب آ جاتی اور وہ ذرا سو جاتیں تو فوراً جاگ اٹھتیں، ڈری ہوئی، گھبرائی ہوئی، اللہ سے دعائیں مانگتی ہوئی پھر وہ اس طرح سے فریاد کرتیں:

"لوگ سو گئے، غافل مدہوش ہو گئے اور رابعہ بے چاری تیرے سامنے کھڑی ہے، تیری نگاہ اسے سونے نہیں دیتی، قسم ہے تیری عزت و حرمت کی نہ میں دن میں سوں گی اور نہ رات میں مگر یہ کہ نیند غالب آ جائے حتی کہ تجھ سے آملوں۔"

حضرت رابعہ بصریہ کی مناجات اور ان کے اشعار کافی مشہور ہیں؛ لیکن ان کی زیادہ تر چیزوں کا ان کی طرف استناد ثابت نہیں ہے، وداد السکاکینی نے ان کی بہت سی مناجات نقل کی ہیں۔

10.2.3 ابراہیم بن ادہم (718-782ء)

ابراہیم بن ادہم تصوف کی تاریخ کی عجیب و غریب شخصیت ہیں۔ ان کی زندگی کے گرد اساطیر اور روایات کے اتنے ہالے ہیں کہ صحیح بات تک پہنچنا ممکن نہیں ہے، اساطیری روایات کے دائرے میں ان کی زندگی ایک چیستان بن کر رہ گئی ہے، ڈاکٹر عبد الرحمن بدوی جو تاریخ تصوف کے زبردست عالم ہیں انہوں نے اس قصہ کے کچھ پہلوؤں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی ہے اور عربی و فارسی کے علاوہ، ترکی ہندوستانی اور ملائی زبانوں میں جو ذخیرہ موجود ہے اس سب کا تجزیہ کیا ہے۔

ابراہیم بن ادہم کا پورا نام ابراہیم بن ادہم بن منصور بن یزید بن جابر التمیمی العجلی ہے، کنیت ابو اسحاق ہے، ان کا خاندان پہلے کوفہ میں رہتا تھا پھر ہجرت کر کے بلخ میں آباد ہو گیا، ابراہیم بن ادہم کی ولادت بلخ میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش قرن اول میں ہوئی ہے۔ راجح قول کے مطابق آپ کی پیدائش 100 ہجری بمطابق 13 مئی 718 عیسوی ہے۔ آپ کے سلسلہ نسب میں مؤرخین کا قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض آپ کو فاروقی (حضرت عمر فاروق) کی جانب منسوب کرتے ہیں اور بعض نے آپ کو حسینی سید بھی قرار دیا ہے۔

آپ شاہ بلخ کے متبنی یا نواسے تھے اور اسی نسبت سے شاہ نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں آگئی۔ حکومت سنبھالنے کے بعد آپ کے ساتھ پے در پے ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے آپ کے دل کی دنیا بدل دی اور ترک سلطنت پر آمادہ کر دیا تھا۔

انہوں نے راہ سلوک میں پورے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، بغداد گئے، خراسان میں رہے، دمشق میں طرطوس میں قیام کیا، مصر گئے، غرض پوری زندگی سیر وسیاحت میں بسر کر دی اور آخر میں ایک سرحدی چوکی پر شہید ہو گئے۔

ابراہیم بن ادہم کے بارے میں جو مشہور قصہ ہے وہ تصوف کے اکثر تذکروں میں لکھا ہے، اگرچہ اس میں جزوی اختلافات ہیں؛ لیکن قصہ کی اصل روح اور تفصیلی واقعات ایک ہیں، قصہ بصیغۂ متکلم وارد ہوا ہے، یعنی حضرت ابراہیم بن ادہم نے خود بیان کیا ہے، ابو نعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء میں یہ قصہ اس طرح بیان ہوا ہے :

''میرے والد خراسان کے بادشاہوں میں سے تھے اور بلخ میں رہتے تھے، مجھے شکار کا شوق تھا ایک دن میں شکار کے لئے گیا، مجھے ایک خرگوش یا ایک ہرن نظر آیا، میں نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا، اچانک میرے کانوں میں آواز آئی کہ: ''تم اس کام کے لئے نہیں بنائے گئے اور نہ اس کام پر مامور ہو''۔ میں رکا ادھر ادھر دیکھا کوئی نظر نہیں آیا تو میں اس کو اپنا واہمہ سمجھ کر پھر آگے بڑھا، پھر وہی آواز آئی میں پھر رکا؛ لیکن پھر کوئی نظر نہیں آیا تو پھر گھوڑے کو آگے بڑھایا، تیسری دفعہ وہ آواز میرے گھوڑے کی زین سے آئی اور میں ایک دم متنبہ ہو گیا کہ یہ کوئی غیبی ماجرا ہے اس لئے میں نے عہد کیا کہ اب زندگی میں کبھی بھی خدا کی نافرمانی نہیں کروں گا، میں گھر آیا گھوڑا چھوڑا، والد کے ملازم چرواہے سے کپڑے لئے اور عراق کی طرف نکل گیا، وہاں ایک عرصہ تک رہا۔ لیکن مطلوب حاصل نہ ہوا تو لوگوں سے مشورہ کیا، انہوں نے شام کی طرف رہنمائی کی، وہاں بھی ایک عرصہ تک رہا، پھر طرطوس گیا، وہاں مجھے ایک باغ میں ملازمت کرنے کا موقعہ ملا، میں انار کے باغات میں ملازمت کرتا تھا، اتفاق سے ایک دن مالک باغ آیا اور اس نے سب سے بڑے اور سب سے میٹھے انار کی فرمائش کی، میں بڑا انار تولے آیا لیکن وہ کھٹا نکلا، مالک بہت ناراض ہوا کہ تم میرے انار کھاتے ہو لیکن ابھی تک تمہیں کھٹے اور میٹھے کی تمیز نہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے آج تک آپ کا انار کھایا ہی نہیں۔ تو وہ اور غصہ ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ہاں تم تو بڑے ابراہیم بن ادہم ہو۔ لیکن اس کو خیال بھی رہا اور اس نے مسجد میں اس کا تذکرہ کیا، وہاں کچھ اور لوگ بھی تھے اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ میں ابراہیم بن ادہم ہوں۔ اس لئے پوری جماعت مجھ سے ملنے کے لئے باغ میں آئی، میں ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا، اور موقعہ پا کر باغ سے نکل بھاگا اور روم کے علاقے میں پناہ لی''۔

ابراہیم بن ادہم کے اس قصہ میں بعض اور راویوں نے بھی اضافے کئے ہیں، لیکن اصل روایت یہی ہے، لیکن حضرت ابراہیم بن ادہم سے اس پورے عرصہ میں بہت سے لوگوں کی ملاقات ہوئی ہے، اس لئے ان کا وجود مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اس عہد میں خراسان کے اندر ادہم نام کا کوئی بادشاہ ہی نہیں تھا وغیرہ، لیکن یہ امکان ہے کہ ان کے والد کوئی بڑے جاگیر دار یا چھوٹے امیر اور حاکم رہے ہوں جنہیں عمومی تاریخ میں جگہ نہیں ملی۔ عبدالرحمن بدوی نے ان سے متعلق تمام روایات کا محاکمہ کیا ہے اور فارسی تذکروں میں اس پر جو

تخیل کی پرواز دکھائی ہے اس پر تنقید بھی کی ہے۔

ابراہیم بن ادہم نے علم کے حصول اور باطنی تربیت کے سلسلے میں کئی اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ ان میں باطنی تربیت میں فضیل بن عیاض سے انہوں نے بیعت کی جو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے اور انہیں سے انہیں خلافت ملی۔ ان کے علاوہ بھی سلوک کے سفر میں امام باقر اور اویس قرنی سے بھی خلافت حاصل کی۔

ابراہیم بن ادہم نے علم حدیث امام اعمش، مالک بن دینار، قاتل اور محمد بن زیاد سے حاصل کیا اور اس میں کمال اٹھایا۔ آپ سے علم حدیث سے فیض یاب ہونے والے محدثین میں سفیان ثوری، شقیق بلخی، بقیہ بن ولید، امام اوزاعی اور محمد بن حمید وغیرہ شامل ہیں۔ امام بخارہ اور امام مسلم نے بھی اپنی مختلف کتب میں ابراہیم بن ادہم سے احادیث نقل کی ہیں۔

ابراہیم بن ادہم کی تعلیمات ابتدائی عہد کے تمام تذکروں میں موجود ہیں، ان کا سب سے مفصل تذکرہ قدماء کے یہاں حلیتہ الاولیاء میں ملتا ہے، ان کے علاوہ دیگر تذکروں میں بھی ان کی تعلیمات ملتی ہیں، امام ابوالقاسم قشیری نے الرسالہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم فرمایا کرتے تھے: اگر تم دن کو روزہ اور رات کو قیام لیل نہ کر سکو تب بھی کوئی بات نہیں، وہ اکثر فرماتے تھے کہ: خدایا! مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے۔

احمد خضرویہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم نے طواف کرتے ہوئے ایک شخص سے کہا: تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک تم چھ گھاٹیاں طے نہ کر لو تو صالحین کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتے:

1. ناز و نعمت کا دروازہ بند کر دو اور سختی کا دروازہ کھول دو۔
2. عزت کا دروازہ بند کر دو اور ذلت کا دروازہ کھول دو۔
3. آرام و راحت کا دروازہ بند کر دو اور کوشش کا دروازہ کھول دو۔
4. نیند کا دروازہ بند کر دو اور کوشش کا دروازہ کھول دو۔
5. مالداری کا دروازہ بند کر دو اور فقر کا دروازہ کھول دو۔
6. زندگی کا دروازہ بند کر دو اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دو۔

ابراہیم بن ادہم کا ایک خط جس کو حلیتہ الاولیاء میں نقل کیا گیا ہے، اس خط میں حضرت ابراہیم بن ادہم نے بطور نصیحت لکھا ہے کہ:

"میں تم کو تقوی کی وصیت کرتا ہوں اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس بندہ نے حقوق الٰہی اور فرائض الٰہی کی نگہبانی کر لی اور لوگوں کی دل آزاری سے بچا، بے شک وہ بہت ہی نصیب والا صاحب فہم و فراست ہے، اور جس نے اپنے نصیب کو بالائے طاق رکھ کر حقوق الٰہی کو پامال کیا لوگوں کے حقوق کو چھینا اور صاحب حق کو ذلیل و رسوا کیا، اس کا معاملہ رب العزت کی عدالت میں پیش ہے، ہم اللہ تعالی سے پناہ و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

اگر تجھ سے ہو سکے تو اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو اللہ تعالی سے ڈرتا ہو اور رضامندی اور غصہ دونوں حالتوں میں خدا کی اطاعت کرو۔ ضروری ہے کہ لایعنی باتوں سے بچو، اپنے نفس کی حفاظت کرو، جہاں تک ہو سکے اپنے لیے کام کرو چونکہ تمہارے لیے کوئی دوسرا کام نہیں کرے گا۔ جو شخص آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اس سے کم از کم اہل دنیا تو راحت میں رہتے ہیں، نہ وہ دنیاداروں کو طلب دنیا میں دھوکہ دیتے ہیں اور نہ مزید ذلیل کرتے ہیں اور خود بھی ذلیل نہیں ہو سکتے اور نہ دھوکہ کھا سکتے ہیں اور نہ وہ اہل دنیا سے دنیا چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق نہیں چھین سکتے، ہر صاحب حق کے حق کو ادا کرنے والا اللہ سبحانہ و تعالی ہے؛ البتہ لوگوں کی کوششوں کو اس کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے، تم قیامت میں خدا کے سامنے اس طرح حاضری دو کہ کسی کا ظلم تمھارے ساتھ وابستہ نہ ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادہم کا انتقال بحیرہ روم کے ایک جزیرے میں ہوا جہاں وہ ایک سرحدی چوکی کی نگرانی میں مصروف تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کی وفات کے سلسلہ میں مختلف اقوال موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق آپ کی وفات 162 ہجری ہے اور امام سمعانی کے مطابق 161 ہجری ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے محدثین کے قول کو زیادہ معتبر تسلیم کیا ہے۔

10.2.4 حارث بن اسد محاسبی (781-857ء)

حارث بن اسد محاسبی، ابو عبد اللہ صوفیہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتاب "الرعایہ لحقوق اللہ" تصوف کی اولین کتاب ہے، شیخ جنید اور بہت سے بڑے صوفیہ کے استاذ ہیں، بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں وفات پائی، یہ سنی متکلم تھے، بعض لوگوں نے ان کو علم کلام کے بانیوں میں لکھا ہے، شہرستانی نے ان کا تذکرہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری جیسے ائمہ کے ساتھ کیا ہے، انہوں نے امام شافعی سے تلمذ اختیار کیا، امام احمد بن حنبل نے ان پر سخت تنقید بھی کی ہے، ابن حجر نے ان کو مقبول رواۃ میں شمار کیا ہے۔ الرعایہ کے علاوہ ان کی بہت سی اور بھی کتابیں ہیں، جن میں کچھ شائع ہو گئی ہیں، فواد سیزگین نے ان کی 23 مطبوعہ مخطوطہ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ جنید پر ان کے بڑے اثرات تھے، ان کی بعض مفصل تحریریں شیخ جنید کی روایت سے ملتی ہیں، Margarete Smith نے ان پر ایک مفصل کتاب Al-muhasibi:An Early Mystic of Baghdad کے نام سے لکھی ہے۔

حارث محاسبی کا پورا نام ابو عبد اللہ الحارث بن اسد المحاسبی تھا، سنہ ولادت 170ھ اور سنہ وفات 243ھ ہے، انہوں نے اپنے عہد کے یگانہ روز لوگوں سے علم حاصل کیا، امام شافعی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، یزید بن ہارون اور ان کے طبقے کے محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے تلامذہ میں عباس بن مسروق، احمد بن عبد الجبار، حضرت جنید بغدادی، احمد بن قاسم بن نصر اور احمد بن عبد اللہ بن میمون وغیرہ ہیں، زندگی کے بیشتر ایام درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور زہد و عبادت میں بسر کئے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کے بارے میں اکثر ایسے الفاظ لکھے ہیں جیسے کہ وہ بڑے عبادت گزار، صوفی، زاہد، فقیہ، متکلم، واعظ، محدث اور خوف خداوندی سے بکثرت رونے والے تھے، اللہ نے ان کی زبان میں بڑی کشش، فصاحت و بلاغت اور چاشنی رکھی تھی، اور وہ لوگوں سے پوری طرح اپنی بات منوالیا کرتے تھے؛ لیکن ابو عبد اللہ (حارث محاسبی) سوائے بھلائی کی بات اور نصیحت کے کچھ اور نہیں کہتے تھے۔

حارث محاسبی کی کتابوں میں زیادہ سوالات وجوابات کی کیفیت ملتی ہے، اس کی وجہ، جیسا کہ حضرت جنیدؒ بغدادی نے لکھا ہے کہ وہ لوگوں کو (اور خاص طور پر حضرت جنید بغدادی کو) اپنے ساتھ جنگل میں لے جانے ان سے سوالات کرنے کا حکم کرتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے، اسی طرح مختلف موضوعات پر سوالات وجوابات کا سلسلہ رہتا اور جب واپس گھر آتے تو ان سوالات اور ان کے جوابات لکھ لیا کرتے تھے، اس لئے ان کی کتابوں میں سوال وجواب کا اسلوب زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے؛ بلکہ الرعایۃ لحقوق اللہ جو ان کی سب سے ضخیم کتاب ہے وہ تو سوالات وجوابات کے پیرائے میں ہی ہے۔

حارث محاسبی بڑے زاہد ومتورع تھے، ان کے والد بہت امیر آدمی تھے، انہوں نے اپنی وفات کے وقت ستر ہزار درہم نقد چھوڑے؛ لیکن حارث محاسبی جو ان سے اختلاف رکھتے تھے انہوں نے اپنے والد کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چونکہ خود بھی بڑے زاہد تھے اس لئے ساری زندگی عسرت وتنگ حالی میں بسر کردی، حتیٰ کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے پاس ایک چاندی کا سکہ بھی نہیں تھا۔

حارث محاسبی کے چند اقوال حکمت یہ ہیں:

1. ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر اس کی عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔
2. اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کو ان کی دنیا ان کی آخرت سے غافل نہ کردے اور ان کی آخرت ان کو ان کی دنیا سے غافل نہ کردے۔
3. حسن خلق نام ہے اذیت کو برداشت کر جانے، غصہ کا اظہار کم کرنے، چہرے کی بشاشت اور نرم گفتاری کا۔
4. جس آدمی کا باطن اخلاص اور نگرانی نفس کے ذریعہ اچھا ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو اتباع سنت اور مجاہدہ سے مزین کردے گا۔
5. ظالم کی چاہے لوگ تعریف کریں وہ ندامت میں ہے اور مظلوم کی چاہے لوگ مذمت کریں لیکن وہ سلامتی میں ہے۔

حارث محاسبی کی حسب ذیل کتابیں زیادہ معروف ہیں:

1. الرعایۃ لحقوق اللہ 2. رسالۃ المسترشدین 3. التوہم 4. آداب النفوس
5. شرح المعرفۃ 6. بدء من اناب الی اللہ 7. المسائل فی الزاہد 8. المسائل فی اعمال القلوب والجوارح

10.2.5 ذوالنون مصری (796-859ء)

ذوالنون مصری کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم (283-353ھ) ہے۔ ابوالفیض کنیت اور ذوالنون لقب ہے، اسحاق بن محمد انصاری کے غلام تھے، مصر کے ایک گاؤں اخیم میں پیدا ہوئے، سعدون مصری سے راہ سلوک میں مدد لی، علم حدیث میں امام مالک، لیث بن سعد اور ابن لہیعہ سے روایات کی، مختلف علوم کے ماہر تھے، لیکن تصوف میں ایک امتیازی شان پیدا کی۔

ذوالنون مصری کو معتزلہ کے اقتدار میں مظالم بھی سہنا پڑے۔ کیوں کہ آپ نے قرآن کو مخلوق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ صوفیہ کے احوال و مقامات اور باطنی تجربات پر سب سے پہلے انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا، اور اسی لئے مختلف حلقوں سے ان پر تنقید بھی ہوئی۔ الحاد و زندقہ کا الزام لگا اور نوبت قید و بند تک پہنچی، خلیفہ متوکل کے حکم سے محبوس کئے گئے، امیر مصر نے ان کو بلا کر ان کے عقائد وغیرہ کے بارے میں سوالات کئے تو وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے متوکل کو لکھا کہ ان پر الزامات بے بنیاد ہیں۔ لیکن متوکل کو اطمینان نہیں ہوا، آخر خود اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے سوالات کئے، تو وہ نہ صرف مطمئن ہوا بلکہ معتقد ہو گیا اور اکثر ان سے نصیحت سنا کرتا تھا۔

حضرت ذوالنون مصری نے طویل عمر پائی اور تقریباً 90 سال کی عمر میں 859ء میں ان کا انتقال ہوا، ذوالنون مصری جلیل القدر صوفی اور مجاہد تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کو رئیس الصوفیہ کا خطاب دیا ہے، ان کا خیال تھا کہ انسان کی روحانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ نفس امارہ ہے اور اس کا علاج نفس کشی ہے، اس لئے وہ سخت ریاضت اور نفس کشی پر زور دیتے تھے۔

ذوالنون مصری کی تعلیمات

حضرت ذوالنون فرماتے تھے کہ کلام کا دارومدار چار چیزوں پر ہے: اللہ برتر جلیل کی محبت، دنیا سے بغض، قرآن کی تابع داری اور اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں موجودہ حالت سے خدا تبدیل کر کے کفر کی حالت میں مبتلا نہ کر دے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کو دوست رکھنے کی علامت یہ ہے کہ وہ اخلاق، افعال، اوامر اور سنن میں اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل تابعدار ہو گا۔

ذوالنون مصری کی توبہ سے متعلق ایک واقعہ یوسف بن الحسین نے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ذوالنون کی مجلس میں گیا، اس وقت ان کے پاس سالم المغربی آئے ہوئے تھے، انہوں نے ذوالنون سے دریافت کیا کہ ابو الفیض تمہاری توبہ کا کیا سبب تھا۔ فرمایا کہ یہ ایک عجیب واقعہ ہے جس کے سمجھنے کی تجھ میں طاقت نہیں ہے۔ سالم المغربی نے کہا کہ آپ کو خدا کی قسم مجھے ضرور بتایئے۔ ذوالنون نے کہا کہ میں نے قاہرہ سے نکل کر کسی بستی کا ارادہ کیا، راستہ میں ایک جنگل میں سو گیا، جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلے سے زمین پر گر پڑی، پھر زمین پھٹ گئی اور اس میں سے دو کوزے نکلے، ایک سونے کا تھا اور دوسرا چاندی کا اور اس میں سے ایک میں تل تھے اور دوسرے میں پانی، چنڈول نے تل کھائے اور پانی پیا، یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ میرے لئے اسی قدر کافی ہے، میں نے توبہ کر لی اور اللہ کے دروازے سے چمٹ گیا۔

ذوالنون مصری فرماتے تھے کہ سب سے برا انسان وہ ہے جسے خدا کا راستہ معلوم نہ ہو اور وہ کسی سے معلوم بھی نہ کرتا ہو۔

حضرت ذوالنون مصری ایک بار کسی مسجد میں خطاب فرما رہے تھے، ایک شہزادہ بھی وعظ سن رہا تھا، آپ نے دوران وعظ فرمایا کہ سب سے احمق آدمی وہ ہے جو کمزور ہے لیکن طاقتور سے لڑتا ہے، جو سب پر غالب ہے۔ یہ سن کر شہزادے کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ اس دن تو چلا گیا۔ لیکن دوسرے دن پھر آیا اور ذوالنون مصری سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ کون سا ہے؟ ذوالنون نے جواب دیا کہ دو راستے ہیں، ایک مختصر ہے دوسرا طویل ہے، مختصر راستہ گناہ، نفسانی خواہشات اور دنیا کے ترک کرنے کا نام ہے، اور طویل راستہ ماسوی اللہ سے

قطع تعلق کر لینے کا نام ہے۔ وہ شہزادہ اس دن چلا گیا پھر دوسرے دن آیا اور صوفی بن کر ذوالنون کی خدمت میں رہنے لگا۔

حضرت ذوالنون مصری کے بارے میں ایک واقعہ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان اکثر آپ کے اوپر اور دیگر صوفیہ پر تنقید کرتا تھا، آخر ایک دن ذوالنون مصری نے ایک انگوٹھی اس نوجوان کو دی اور کہا کہ اسے نان بائی کے پاس گروی رکھ دو، وہ لے گیا؛ لیکن نان بائی نے اس کا ایک درہم سے زیادہ دینا منظور نہ کیا تو وہ واپس آ گیا، پھر حضرت نے اس کو جوہری کی دکان پر بھیجا، جوہری نے اس انگوٹھی کی قیمت ایک ہزار درہم دے دی۔ ذوالنون مصری نے اس سے فرمایا کہ صوفیہ کے بارے میں تمہارا علم اس نان بائی کی طرح ہے، جو اس انگوٹھی کی قیمت نہ پہچان سکا، اس کے بعد اس نوجوان نے توبہ کر لی۔

10.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حضرت حسن بصری معروف تابعی ہیں۔ آپ کی ولادت مدینہ میں ہوئی۔ آپ کو صوفیہ اپنا سرخیل مانتے ہیں، صوفیہ کے اکثر سلاسل حسن بصری کی ذات میں مجتمع ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ اگر اللہ تعالی ساتھ ہے تو کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، اور اگر اللہ ساتھ نہیں تو پھر امید کس سے وابستہ کی جائے۔
- حضرت رابعہ بصریہ، بصرہ کی رہنے والی تھیں اور بالاتفاق برگزیدہ صوفی تھیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، ان کی باتوں پر بھروسہ کرتے تھے اور ان سے نصیحت سنتے تھے اور دعا کرانے کے متمنی رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصری کے پاس گئے تو سفیان نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور کہا: اللھم انی اسئلک السلامۃ۔ تو رابعہ رونے لگیں، انہوں نے پوچھا آپ کیوں رونے لگیں تو جواب دیا کہ: مجھے آپ نے رُلایا ہے۔ پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا آپ کو معلوم ہے کہ سلامتی یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے اسے چھوڑ دیا جائے، اور یہ ہو نہیں سکتا چونکہ لوگ دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ شیبان الابلی کہتے ہیں کہ میں نے رابعہ کو کہتے سنا کہ ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور معرفت کا پھل اعتراف ہے۔
- ابراہیم بن ادہم قرن اول کے صوفی ہیں۔ آپ نے علم کے حصول اور باطنی تربیت کے سلسلے میں کئی اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ فضیل بن عیاض سے انہیں خلافت ملی۔ ان کے علاوہ بھی سلوک کے سفر میں امام باقر اور اویس قرنی سے بھی خلافت حاصل کی۔ آپ علم حدیث کے بھی ماہر تھے ثفیان ثوری نے بھی حدیث میں آپ سے کسب فیض کیا ہے۔
- ابراہیم بن ادہم کی تعلیمات ابتدائی عہد کے تمام تذکروں میں موجود ہیں، ان کا سب سے مفصل تذکرہ قدماء کے یہاں حلیۃ الاولیاء میں ملتا ہے، ان کے علاوہ دیگر تذکروں میں بھی ان کی تعلیمات ملتی ہیں، امام ابو القاسم قشیری نے الرسالہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم فرمایا کرتے تھے: اگر تم دن کو روزہ اور رات کو قیام لیل نہ کر سکو تب بھی کوئی بات نہیں، وہ اکثر فرماتے تھے کہ: خدایا! مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے۔

- حارث بن اسد محاسبی، ابوعبداللہ صوفیہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتاب "الرعایہ لحقوق اللہ" تصوف کی اولین کتاب ہے، شیخ جنید اور بہت سے بڑے صوفیہ کے استاذ ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کو علم کلام کے بانیوں میں لکھا ہے، شہرستانی نے ان کا تذکرہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری جیسے ائمہ کے ساتھ کیا ہے۔ حارث محاسبی کے چند اقوال حکمت میں سے ہے کہ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر اس کی عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کو ان کی دنیا ان کی آخرت سے غافل نہ کر دے اور ان کی آخرت ان کو ان کی دنیا سے غافل نہ کر دے۔
- ذوالنون مصری کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم ہے اور ذوالنون آپ کا لقب ہے، تصوف میں ایک امتیازی شان پیدا کی، اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ صوفیہ کے احوال و مقامات اور باطنی تجربات پر سب سے پہلے انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ذوالنون مصری فرماتے تھے کہ سب سے برا انسان وہ ہے جسے خدا کا راستہ معلوم نہ ہو اور وہ کسی سے معلوم بھی نہ کرتا ہو۔

10.4 نمونہ امتحانی سوالات

10.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. -----صوفیاے سرخیل امام اور مشہور تابعی ہیں۔

(a).حسن بصری (b).شقیق بلخی (c).حارث محاسبی (d).جنید بغدادی

2. ---مشہور صوفی ہیں، تصوف کی اولین کتاب کے مصنف اور علم کلام کے بانیین میں آپکا شمار ہوتا ہے۔

(a).حسن بصری (b).حارث محاسبی (c).شقیق بلخی (d)اذوالنون مصری

3. ابراہیم بن ادہم کا مفصل تذکرہ--------کتاب میں ملتا ہے۔

(a).حلیۃ الاولیاء (b).کشف المحجوب (c).کتاب الطواسین (d).ان میں کوئی نہیں

4. حارث محاسبی پر Al-muhasibi:An Early Mystic of Baghdad کس مستشرق کی تصنیف ہے؟

(a).لوئیس ماسینون (b).نکلسن (c).مارگریٹ اسمتھ (d).ان میں کوئی نہیں

5. صوفی خواتین میں سب سے مشہور اور معتبر نام------صوفیہ کا ہے۔

(a).رابعہ بصری (b).شعوانہ (c).سودا (d).فضہ

6. "خدایا! مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے" یہ کس کا قول ہے۔

(a)حسن بصری (b).رابعہ بصری (c).ابراہیم بن ادہم (d).ذوالنون مصری

7. ---نے فرمایا کہ ' اللہ کو دوست رکھنے کی علامت یہ ہے کہ وہ اخلاق، افعال، اوامر اور سنن میں اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کا کامل تابعدار ہو گا'۔

(a). حسن بصری (b). رابعہ بصری (c). ابراہیم بن ادہم (d). ذوالنون مصری

8. ابراہیم بن ادہم کو راہ سلوک میں ------ سے خلافت ملی؟

(a). فضیل بن عیاض (b). اویس قرنی (c). امام باقر (d). سب صحیح

9. شیبان الابلی کہتے ہیں کہ میں نے ------ کو کہتے سنا کہ ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور معرفت کا پھل اعتراف ہے۔

(a). رابعہ بصری (b). حسن بصری (c). ابراہیم بن ادہم (d). شقیق بلخی

10. ذوالنون مصری کو ----- کے اقتدار میں مظالم بھی سہنا پڑے۔ کیوں کہ آپ نے قرآن کو مخلوق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

(a). خوارج (b). معتزلہ (c). باطنی (d). اشاعرہ

10.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت رابعہ بصریہؒ کے ملفوظات اور تعلیمات کا تذکرہ کیجیے۔
2. حضرت حسن بصری کی ابتدائی زندگی پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. حضرت ابراہیم بن ادہم کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے۔
4. حضرت حارث محاسبی کی تعلیمات کو اپنے الفاظ میں قلمبند کیجیے۔
5. ابتدائی دور کے صوفیا کرام کے دور کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔

10.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریہ کی زندگی پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. حضرت حارث محاسبیؒ کا تعارف کرائیے۔
3. ابراہیم بن ادہم حضرت ذوالنون مصری کی تعلیمات افکار اور احوال پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔

10.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تابعین : از شاہ معین الدین احمد ندوی
2. تذکرۃ الاولیاء : شیخ فرید الدین عطار
3. صوفیاء کرام : اسلم بارہ بنکوی
4. حلیۃ الاولیاء : ابو نعیم اصفہانی

اکائی 11: مشہور صوفیائے کرام (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 ابتدائی دور کے صوفیائے کرام

11.2.1 شفیق بلخی (م810ء)

11.2.2 ابویزید بسطامی (804-874ء)

11.2.3 جنید بغدادی (826-910ء)

11.3 حسین بن منصور حلاج (858-922ء)

11.4 اکتسابی نتائج

11.5 نمونہ امتحانی سوالات

11.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

11.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

11.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

11.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

پچھلی اکائی کی طرح، اس اکائی میں بھی ابتدائی عہد کے اجلہ صوفیہ کے احوال و کوائف، ان کی بنیادی تعلیمات اور ان کے افکار کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں آپ شفیق بلخی، ابویزید بسطامی، جنید بغدادی اور منصور حلاج کی حیات و تعلیمات کا مطالعہ کریں گے۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائی دور کے مشہور صوفیائے کرام کی شخصیت سے آپ متعارف ہو سکیں اور جان سکیں کس طرح انہوں نے اپنی پر آسائش زندگی کو اللہ کی بندگی اور اسکی مخلوق کی خدمت کے لیے صرف کی۔ آپ جانیں گے کہ ابویزید بسطامی نے رضاالٰہی کے لیے اپنی زندگی میں کیا ریاضات اور مجاہدات کیے اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کر کے آپ جانیں گے کہ وہ شریعت کے اتباع پر کتنا زور دیتے تھے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ بیان کر سکیں گے کہ جنید بغدادی وہ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے تصوف کے مختلف عناصر پر گفتگو کی اور شریعت کی پابندی کے بغیر تصوف کو بے روح قرار دیا۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ منصور حلاج کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کا تجزیہ کر سکیں گے کہ کیوں وہ اسلامی تصوف کی متنازعہ شخصیت ہیں۔

11.2 ابتدائی دور کے صوفیائے کرام

11.2.1 شفیق بلخی (م810ء)

شفیق بلخی خراسان کے رہنے والے تھے اور قبیلہ ازد سے نسبی تعلق تھا؛ اس لیے الازدی کہلاتے تھے، ابتدا میں بہت دولت مند آدمی تھے، ان کے پوتے علی بن محمد بن شفیق روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا شروع میں بہت امیر تھے، ان کے پاس تین سو گاؤں کی جاگیر تھی، تجارت بھی کرتے تھے اور تجارت کے سلسلے میں مختلف علاقوں کے اسفار بھی کرتے تھے، تصوف اور زہد کی طرف ان کی طبیعت کے میلان کے سلسلے میں کئی واقعات ملتے ہیں، ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلے میں "ترکوں" کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، جہاں ان کا قیام تھا وہاں کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے- شفیق ان کے معبد میں گئے، وہاں دیکھا کہ اس مذہب کا پیشوا سر اور داڑھی کے بال منڈوائے ہوئے سرخ ارغوانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہے، شفیق نے اس سے کہا کہ یہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ غلط ہے، ان چیزوں کا بھی اور تمہارا بھی ایک خالق ہے ایک بنانے والا ہے اور کوئی اس جیسا نہیں، دنیا و آخرت اسی کی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کو رزق دینے والا ہے۔ معبد کے خادم نے کہا کہ تمہارے قول اور عمل میں تضاد ہے۔ شفیق رحمۃ اللہ نے پوچھا کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا ایک خالق و رازق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، حالاں کہ تم طلب رزق میں یہاں آئے ہوئے ہو، اگر آپ اپنی بات میں صادق ہوتے تو جو تمہیں رزق دے رہا ہے وہ وہاں بھی دیتا اور تم مصیبت سے بچے رہتے، شفیق فرماتے ہیں کہ میرے زہد کا سبب اس "ترکی" کا یہ کلام ہے، اس کے بعد شفیق واپس آئے اور سارا مال و منال صدقہ کر کے طلب علم میں لگ گئے۔

شفیق بلخی کے استاد ابراہیم بن ادہم تھے، لیکن مصادر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شفیق نے زہد اور تصوف کی طرف مائل ہونے کے بعد ابراہیم بن ادہم کی صحبت اختیار کی تھی، ابن الملقن نے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شفیق حج کو گئے، وہاں ابراہیم سے ملاقات ہوئی- ابراہیم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ طریقہ کہاں سے سیکھا: شفیق نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں تجارت کے لیے جا رہا تھا ایک جگہ میں نے ایک چڑیا دیکھی جس کے پنکھ ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک ویران جگہ پڑی تھی، میں نے سوچا کہ میں یہ دیکھوں کہ اس کو کہاں

سے کھانا ملتا ہے، اسی اثنا میں ایک دوسری چڑیا آئی اس کی چونچ میں دانا تھا اس نے وہ دانہ اس چڑیا کی چونچ میں رکھ دیا، مجھے اس نظارے سے عبرت حاصل ہوئی اور میں نے کمانا چھوڑ دیا اور عبادت میں لگ گیا۔ ابراہیم بن ادہم نے یہ سن کر شفیق سے کہا کہ تم نے وہ چڑیا بننا پسند کیوں نہیں کیا جس نے اس پر بریدہ چڑیا کو دانا دیا تھا، اس طرح تم اس سے افضل ہو جاتے، کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہوتا ہے" (حدیث، مسند احمد)، مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں دو درجوں میں سے اعلیٰ درجہ کا انتخاب کرے، اس طرح وہ ابرار کے درجے کو پہنچ جاتا ہے، شفیق نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بوسہ دے کر کہا کہ آپ ہمارے استاد ہیں۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیم بن ادہم سے شفیق کی ملاقات اور صحبت بہت طویل نہ رہی ہوگی؛ چونکہ اس کے بعد ابراہیم بن ادہم شام چلے گئے تھے اور شفیق کے شام جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا؛ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ملاقات اس وقت کی ہے جب شفیق بلخی خود راہ تصوف اختیار کر چکے تھے اور لوگوں میں یک گونہ شہرت بھی حاصل کر چکے تھے۔

شفیق بلخی کے بارے میں عام طور پر تذکرہ نگاروں نے یکے از مشاہیر مشائخ خراسان اور کبار مشائخ خراسان جیسے الفاظ لکھے ہیں، ان کے مریدین اور مسترشدین میں حاتم اصم کے علاوہ عبد الصمد بن یزید، محمد بن ابان المستملی اور حسن بن داؤد البلخی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ شفیق تین سو مریدوں کے ساتھ نیشاپور آئے، یہ زمانہ مامون کی امارت کا تھا، مامون نے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا؛ لیکن انہوں نے منع کر دیا تو لوگوں نے مامون کی شفارش کی۔ ابن العماد نے بھی ان کے ایک سفر میں تین سو مریدوں کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا حلقہ ارادت کافی وسیع تھا؛ لیکن ان کے اقوال عام طور پر حاتم اصم سے مروی ہیں، طبقات الصوفیہ میں ان کے 27 مقولے نقل کیے ہیں، سب حاتم اصم کی روایت سے ہیں، حاتم اصم ان کے سب سے مشہور شاگرد ہیں، خود بھی بڑے پائے کے صوفی تھے اور شفیق بلخی سے بہت طویل عرصہ تک تعلق رہا، خود کہا ہے کہ میں تیس سال شفیق بلخی کے پاس آتا جاتا رہا، جس جنگ میں شفیق شہید ہوئے اس میں حاتم ان کے ساتھ تھے اور ان کی شہادت کے واقعہ کے راوی بھی وہی ہیں، ان کے پوتے علی بن محمد بن شفیق کے حوالے سے بھی بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے بارے میں کچھ معلومات درج کی ہیں، حسن بن داؤد بلخی نے بھی ان کے اقوال روایت کیے ہیں۔

شفیق بلخی کی وفات کے سلسلے میں سبھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کولان کی جنگ میں ترکوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

شفیق بلخی کی تعلیمات

شفیق بلخی کے یہاں توکل پر بڑا زور تھا، غالباً اپنی ہنگامہ خیز معاشی زندگی کو ترک کرنے کے نتیجہ میں ان کے اندر توکل کی فکر زیادہ بڑھ گئی اور یہ فکر اتنی حاوی ہوئی کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کو اس حوالے سے ذکر کیا ہے۔

شفیق بلخی توکل کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''توکل یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کے وعدے پر مطمئن ہو جائے''۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر تم کو کسی کے بارے میں یہ دیکھنا ہو کہ کوئی شخص کیسا ہے تو دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور انسانوں کے وعدے میں سے کس وعدے پر اس کا دل زیادہ مطمئن ہے۔

شفیق بلخی نے توکل کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

1. توکل علی المال
2. توکل علی النفس
3. توکل علی الناس
4. توکل علی اللہ

مال پر توکل کی تفسیر یہ ہے کہ تم کہو کہ جب تک یہ مال میرے پاس رہے گا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ نفس پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر بھروسہ کرے۔ اور لوگوں پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ضرورت میں لوگوں پر اعتماد کرے۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، تمہارے رزق کا ضامن اور کفیل وہی ہے، وہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں کرے گا اور تم اس بات کو اس کی اپنی زبان میں یوں کہو ''**والذی یطعمنی و یسقین**'' (سورۃ الشعراء 79)، یہ توکل علی اللہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین**'' (المائدہ 23)، ''**وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون**'' (المائدہ 11)، ''**ان اللہ یحب المتوکلین**'' (آل عمران 159)۔

شفیق بلخی کے یہاں توکل پر اتنا زور ہے کہ بسا اوقات وہ ترک وسیلہ تک پہنچ جاتے ہیں، اس کی مثال چڑیا کا قصہ ہے جو اوپر گزر چکا ہے؛ لیکن شاید ابراہیم بن ادہم کی تربیت کے بعد انہوں نے ترک وسیلہ کو چھوڑ دیا ہو؛ البتہ اس سے ان کے معیار توکل میں کوئی کمی نہیں آئی، وہ فرماتے تھے کہ جو تمہارا رزق ہے وہ ہر حال میں تم کو ہی ملے گا، کسی کو نہیں مل سکتا اس لیے انسان کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے، اور انہوں نے بعض قرآنی آیات سے استشہاد کیا ہے کہ توکل ایمان کا تقاضا ہے اور مومنین کی صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس پر توکل کرتے ہیں۔

توکل صرف اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے اور دراصل توکل کی پہچان ہی یہ ہے کہ توکل ہے کس پر؟ شفیق بلخی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دیکھنا چاہے کہ اس کی معرفت الٰہی کس درجہ پر ہے تو یہ دیکھے کہ اس کا دل کس پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدوں پر یا انسانوں کے وعدوں پر۔

یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ شفیق بلخی کے عہد میں لفظ تصوف کا رواج نہیں تھا، البتہ اون پہننے کی روایت پڑ چکی تھی، اس عہد میں لفظ زاہد یا محب کا استعمال ہوتا تھا، شفیق بلخی نے بھی کہیں لفظ تصوف کا استعمال نہیں کیا ہے بلکہ وہ لفظ زہد کا استعمال کرتے ہیں۔

شفیق بلخی کی نظر میں زہد، رغبت کی ضد ہے، فرماتے ہیں: زاہد اور راغب کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جن میں سے ایک مشرق کی طرف جارہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف، کیا ان کے درمیان کوئی متفقہ بات ہے؟ ان کے مقاصد مختلف ہیں، راغب یہ دعا مانگتا ہے کہ: اے اللہ مجھے مال، اولاد اور دولت عطا فرما اور مجھے میرے دشمنوں کے مقابلے کامیاب فرما، اور ان کے شر اور حسد، زیادتی، مصیبت اور آزمائش مجھ سے دور فرما۔ زاہد کی دعا یہ ہوتی ہے کہ: اے اللہ مجھے ڈرنے والوں کا علم اور عمل کرنے والوں کا خوف عطا فرما، متوکلین کا علم، مومنین کا توکل، صبر کرنے والوں کا شکر اور شکر کرنے والوں کا صبر، اور مغلوب ہو جانے والوں کی فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کی انابت اور سچوں کا زہد عطا فرما، اور مجھے ان شہدا میں شامل فرما یا جو زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ اس کی دعا ہے، دونوں کی دعائیں الگ الگ ہیں اور بخدا دونوں کے راستے جدا جدا ہیں اس طرح شفیق بلخی زاہد یعنی صوفی کو دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز کرتے ہیں، یعنی جو شخص زاہد ہو گا اس کی فکر کا محور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس پر توکل، صبر اور انابت ہو گا اور اس کی منزل شہدا میں شامل ہونا ہو گا، یعنی آخرت میں کامیابی ہی اس کی زندگی کا اصل محرک ہو گا، اور اس کی کوشش یہ ہو گی کہ وہ آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل کرے، جو مقام ان شہدا کا ہے جن کو قرآن نے کہا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور کھلائے پلائے جاتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں شفیق بلخی راغب کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو متبع ہویٰ و ہوس کے لیے ہوتا ہے، جس کی فکر کا محور اس کی دنیا کی زندگی ہوتی ہے، دنیا میں مال و اولاد کا حصول اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنا ہی اس کی زندگی کا محور ہوتا ہے، آخرت کی فکر اس کے دائرہ فکر میں شامل نہیں ہوتی۔

اس طرح شفیق بلخی کے نزدیک جو آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی فکر میں یہ زندگی گزارے وہ زاہد ہے، اور جس کی فکر کا دائرہ اس دنیا میں ہی محدود ہو وہ راغب ہے۔

شفیق بلخی کی نصیحتوں میں سب سے زیادہ زور فکر آخرت پر ہے، شفیق بلخی کی نظر میں اہل طاعت ہی زندہ لوگوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں گناہ گار تو مردوں کی مانند ہیں۔ سالک کو ہمہ وقت اس فکر میں رہنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کی تیاری پوری رہے، فرماتے تھے کہ موت کی ایسی تیاری کرو کہ جب موت آجائے تو یہ احساس نہ رہے کہ کاش اور مہلت ملتی۔

شفیق بلخی کے نزدیک عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں رہے۔

1. اپنے پچھلے گناہوں پر ہر وقت خوف زدہ رہے۔
2. ہر وقت اگلے لمحے کی فکر میں لگا رہے۔
3. انجام کار سے ہر وقت خائف رہے؛ چونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہو گا۔

11.2.2 ابویزید بسطامی (804-874ء)

ابویزید بسطامی اپنے عہد کے جلیل القدر صوفی تھے، آپ نسلاً ایرانی تھے، آپ کے دادا صاحب حیثیت رئیس تھے، انہوں نے

اسلام قبول کیا۔ ابویزید کا اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن شر وشان تھا، ان کے والد عیسیٰ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے، ان کے پانچ بچے ہوئے تین بیٹے اور دو بیٹیاں اور خدا کی قدرت کہ ان کی سب اولاد نہایت متقی اور پرہیز گار ہوئی، ابویزید کو تو شہرت لازوال حاصل ہوئی، ابویزید بچپن ہی سے تنہائی پسند اور عبادت گزار تھے، بلکہ ان سے بچپن سے ہی حیرت انگیز واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے تھے، لوگ ان سے دعا کراتے، بیماریوں میں دم کرواتے اور ان کو فائدہ بھی ہو جاتا، اور اسی طرح شروع میں ہی ان کی شہرت پورے علاقے میں پھیل گئی تھی۔ آپ کی طرف سلسلہ طیفوریہ منسوب ہے۔

ابویزید کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے تین سو اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علم و تربیت حاصل کی۔ ان کے آخری استاد امام جعفر صادق تھے، دو سال ان کی خدمت میں رہے اور ان کے لئے پانی بھرنے کا کام کرتے تھے اس لئے طیفور سقا کے نام سے مشہور تھے۔

ابویزید کے بارے میں بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ وہ ناخواندہ تھے؛ لیکن خدا نے ان کو علم و فضل کے جس مقام پر پہنچایا تھا وہ بے مثال تھا؛ حضرت جنید بغدادی نے ان کے ملفوظات کی شرح لکھی، اور ان کے بارے میں فرمایا کہ ابویزید بسطامی کو اولیاء میں وہی مقام حاصل ہے جو کہ فرشتوں میں جبرئیلؑ کو حاصل ہے، جہاں تمام اولیاء کے علم و عمل کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے بایزیدؒ کی ابتدا ہوتی ہے ۔ احمد بن خضرویہ اور اس عہد کے اجلہ صوفیہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر، ان کے ملفوظات سنتے تھے اور ان ملفوظات کی روشنی میں اپنی زندگی کی اصلاح اور اپنے نفس کا تزکیہ کرتے تھے۔

خود ابویزید نے بھی کبھی اپنی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا؛ بلکہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی؟ تو فرمایا کہ: ”پیٹ کو بھوکا اور بدن کو ننگا رکھ کر“۔

ابویزید بسطامی کی تعلیمات

منصور بن عبد اللہ کہتے تھے کہ میں نے ایک بسطامی شخص سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابویزید سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا، مگر علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کسی چیز کو مشکل نہیں پایا۔ اگر علماء میں اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک ہی اجتہاد پر رہ جاتا اور مسائل میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے ابویزید نے تمام قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

ایک دفعہ ابویزید نے اپنے بھائی سے کہا: ”آ چل اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے۔ اور یہ شخص لوگوں میں اپنے زہد کی وجہ سے مشہور تھا اور دور دراز سے لوگ اس کے پاس آتے تھے، جب ہم اس کے پاس گئے تو وہ گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا اور قبلے کی جانب تھوک پھینکا، یہ دیکھ کر ابویزید واپس چلے آئے اور اسے سلام بھی نہ کیا اور فرمایا کہ: یہ شخص تو آداب نبویؐ میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں تو جس ولایت کا یہ مدعی ہے اس کا کیسے امین ہو سکتا ہے؟ اسی سند سے ایک روایت یہ ہے کہ ابویزید نے کہا میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ مجھے کھانے اور عورتوں کی مصیبت سے نجات دے، پھر خیال کیا کہ میرے لئے یہ درخواست کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے جب رسول اللہؐ نے بھی اللہ سے اس قسم کی درخواست نہیں کی، لہٰذا میں نے یہ درخواست نہیں کی،

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے عورتوں کی مصیبت سے بچالیا، یہاں تک کہ مجھے خیال ہی نہیں ہوتا کہ عورت سامنے آئی ہے یا دیوار۔

ابویزید نے ایک مرتبہ فرمایا زہد کی کوئی منزل نہیں، میں نے عرض کیا کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ صرف تین دن تک زہد میں رہا، چوتھے دن اسی سے نکل آیا اور پھر ماسوی اللہ سے زہد کیا، جب چوتھا دن ہوا تو اللہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا، میں دیوانہ وار پھرنے لگا۔ اچانک ہاتف کی آواز سنائی دی، اے بایزید! تو ہمارے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں نے کہا: میں تو یہی سوچتا ہوں۔ پھر ایک کہنے والے کو سنا کہہ رہا ہے کہ تو نے اپنا مقصد پالیا۔

ابویزید بسطامی کے ایک مرید نے نصیحت کرنے کی درخواست کی؛ تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تمہارے اندر کوئی بری عادت ہو تو اس کو اچھی عادت سے بدلنے کی کوشش کرو، اور اگر کوئی تمہاری اعانت کرے تو پہلے خدا کا شکر ادا کرو اور پھر معطی کا شکر ادا کرو۔ ایک اور مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان کو دیکھو، اس نے آسمان کی طرف دیکھا، حضرت نے پوچھا: اس کا خالق کون ہے؟ مرید نے کہا: اللہ۔ حضرت نے فرمایا کہ بس اسی سے ڈرتے رہو؛ کیونکہ وہ تمھارے ہر حال سے باخبر ہے، اور ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو اگر تم بیمار ہو جاؤ تو تمہاری تیمارداری کریں، اگر تم سے غلطی ہو جائے تو معاف کر دیں اور حق بات تم سے کبھی نہ چھپائیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: بندہ درجہ کمال کو اسوقت پہنچتا ہے جب اپنے عیوب کو پہچان لیتا ہے اور مخلوق سے دل اٹھالیتا ہے، اس وقت اللہ تعالی اس کو اس کی ہمت کے موافق اپنا قرب نصیب فرماتے ہیں، یعنی اس پر معرفت کا فیضان ہونے لگتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان خدا کو پالے اور پھر اس سے غافل ہو جائے۔ یعنی جو لوگ ایمان کا دعوی کرتے ہیں اور پھر بھی خدا سے غافل رہتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دعوی ایمان میں پورے طور پر سچے نہ ہوں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالی کو جانتا ہے وہ اللہ کے ذکر کے سوا اپنی زبان کو کسی اور ذکر میں نہیں کھولتا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ رب العزت دوست رکھتا ہے اس کو تین خصلتیں عطا فرماتا ہے: سخاوت دریا جیسی، شفقت آفتاب جیسی اور تواضع زمین جیسی۔

11.2.3 جنید بغدادی (826-910ء)

شیخ جنید گروہ صوفیہ کے سردار اور بڑے زبردست عالم، فقیہ صوفی اور خطیب تھے، تصوف کی پوری تاریخ پر ان کے زبردست اثرات ہیں، انہوں نے تصوف کو ایک نئی جہت عطا کی اور تصوف کو ایسا رخ اور منہاج دیا کہ بعد میں چند متصوفین کی بعض بے اعتدالیوں کے باوجود متفقہ طور پر تمام صوفیہ دائرہ شریعت سے باہر نہ جاسکے اور تصوف کی اس حقیقت کو مبرہن کرتے رہے کہ تصوف شریعت سے ماوراء کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے شریعت کے دائرے میں ہی ہے۔

شیخ جنید کے آباء واجداد نہاوند کے رہنے والے تھے؛ لیکن مستقل بود وباش بغداد میں اختیار کرلی تھی، ان کے والد شیشہ بیچنے کا کام کرتے تھے اس لیے قواریری کہلاتے تھے۔ اور خود شیخ جنید نے کچے ریشم کی تجارت اختیار کی، کچے ریشم کو عربی میں خز کہتے ہیں، شیخ جنید اس لیے الخزاز کہلاتے تھے۔ ان کی دکان بازار میں تھی۔ شیخ جنید کی ولادت 210/826ء میں ہوئی تھی، ان کی تعلیم وتربیت سب بغداد میں ہوئی، بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لیے سری سقطی جو بہت بڑے صوفی بزرگ ہیں بھانجے کو اپنے گھر لے آئے اور اس

طرح شروع سے ہی اپنے ماموں سری سقطی کی نگرانی میں رہے۔

ایک مجلس خاص میں حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرماتھے اور آپ کے گرد عارفوں کا ہجوم تھا۔ باتوں باتوں میں یہ مسئلہ چھڑا کہ شکر کیا ہے ؟ تمام بزرگوں نے مختلف انداز میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ بغدادی سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم ہی بتاو شکر کسے کہتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کی عمر اس وقت محض سات سال تھی جب سری سقطی نے حضرت سے اس مسئلہ پر رائے مانگی تو آپ نے فرمایا کہ 'لا عصی الله بنعمه' یعنی 'اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پاکر اس کی نافرمانی نہ کی جائے' میرے نزدیک اسی کا نام شکر ہے۔ ایک سات سالہ بچے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر تمام بزرگ جھوم اٹھے۔

بغداد میں آپ نے بڑے پائے کے علماء سے اکتساب فیض کیا، امام احمد بن حنبل سے تلمذ اختیار کیا، ابو عبید قاسم بن سلام سے حدیث پڑھی، حارث محاسبی سے کلام کی روایت حاصل کی، امام شافعی کے مخصوص شاگرد حسن بن محمد الزعفرانی سے اور امام ابو ثور کلبی سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی، صرف 20/ سال کی عمر میں امام ابو ثور کے حلقے میں فتویٰ دینے لگے تھے۔

تصوف کی روایت ایک بڑی تعداد سے حاصل کی، ان کے ماموں سری سقطی کے علاوہ ابراہیم آجری' ابو حمزہ بغدادی اور محمد بن علی القصاب وغیرہ 26/ لوگوں سے تصوف کے رموز و نکات حاصل کیے۔

حضرت جنید بغدادی اپنے حصول علم کے بارے میں ایک واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ جب اپنے ماموں سے فیض یاب ہو گئے اور حارث محاسبی کی صحبت سے فیض پانے کا ارادہ کیا تو حضرت سری سقطی نے انہیں اجازت دے دی اور نصیحت کے ساتھ ساتھ ان کے لیے دعا کی کہ 'اللہ تمہیں محدث صوفی بنائے نہ کہ صوفی محدث' حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں کا مضمون بھانپ لیا اور ان کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے حدیث اور فقہ کا علم حضرت ابو ثورؒ سے حاصل کیا اور آٹھ سال آپ کی خدمت میں رہے اور پھر تصوف کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے شیخ ابو عبداللہ حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور تین سال تک آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے بعد اپنے حقیقی مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے دستِ حق پر باقاعدہ بیعت کی۔

حضرت جنید بغدادی کے اساتذہ کی تعداد بہت ہے؛ لیکن تلامذہ کی تعداد اور بھی زیادہ ہے، اور ان کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے مشائخ علماء اور فقہا شامل ہیں، جیسے مشہور شافعی فقیہ قاضی ابن سریج ان کے شاگرد تھے، صوفیہ میں ممشاد دینوری، ابو بکر شبلی، ابو محمد مرعشی، عمرو بن عثمان مکی، ابوالحسن المزین، ابو علی الرودباری وغیرہ بہت سے مشائخ نے ان سے ارادت و تلمذ اختیار کیا تھا ان کے تلامذہ میں جو نام دستیاب ہو سکے ان کی تعداد 112 ہے۔

شیخ جنید علم و حال کے جامع تھے، ان کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کی بڑی تعریف کی ہے، مختلف علوم میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی امام غزالی اور بعض دوسرے لوگوں نے فقہ سے متعلق شیخ جنید بغدادی کی بعض رائیں نقل کی ہیں؛ لیکن اصلاً وہ ایک صوفی تھے ان کے ہر رنگ پر تصوف کا رنگ غالب ہے، انہوں نے قرآن مجید کی بہت سی آیات اور متعدد حدیثوں کی صوفیانہ تشریحات کی ہیں۔

شیخ جنید بغدادی خلوت نشین یا عزلت گزیں صوفی نہیں تھے؛ بلکہ مکمل سماجی ذمہ داریاں اٹھاتے تھے دوست احباب بھی تھے اوران کے سماجی تعلقات بھی بہت وسیع تھے، بیماروں کی عیادت کرتے، غریبوں کی مدد کرتے اور دیگر مواقع پر لوگوں کے ہمراہ رہتے۔

شیخ جنید بغدادی کا انتقال 297ھ مطابق 910ء میں ہوا، ان کی وفات ماہ شوال میں جمعہ کے دن شام کو ہوئی اور اگلے دن بروز ہفتہ دفن کیے گئے، عبداللہ انصاری نے صراحت کی ہے کہ نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھائی۔ ویسے تو ان کی پوری زندگی زہد وعبادت سے عبارت تھی؛ لیکن آخر عمر میں عبادت سے انہماک زیادہ بڑھ گیا تھا، 90 سال سے زیادہ کی عمر تھی لیکن اپنے معمولات پوری طرح ادا کرتے رہے، جب ان کے مرض میں شدت ہوئی تو لوگ بڑی تعداد میں عیادت کے لیے آنے لگے؛ لیکن ان کے معمولات میں فرق نہیں آیا ابن عطا کہتے ہیں کہ ایک دن میں گیا تو نزع کا سا عالم طاری تھا میں نے سلام کیا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، تھوڑی دیر بعد جواب دیا اور فرمایا کہ میں اپنے ورد میں مشغول تھا۔ شیخ جنید بغدادی کی وفات پر پورا بغداد امڈ آیا، مختلف مؤرخین نے نماز جنازہ میں شریک لوگوں کی تعداد 60 ہزار لکھی ہے۔

شیخ جنید بغدادی ایک عالم صوفی اور مربی تھے۔ انہوں نے وعظ وخطبہ کے ذریعہ اپنے افکار کی اشاعت کی، اپنا حلقہ قائم کر کے لوگوں کی تربیت کی اور خطوط کے ذریعہ اپنے افکار کی اشاعت دوسرے علاقوں تک کی، لیکن تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی، تصنیف کے نام پر ان کے چند رسائل دستیاب ہیں، اولین مصنفین نے بعض ایسی کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اس وقت دستیاب نہیں ہیں۔ مثلاً امام قشیری نے ایک کتاب جوابات مسائل الشامعین کا ذکر کیا ہے، ابو نصر سراج نے کتاب المناجاۃ کا تذکرہ کیا ہے، علی ہجویری نے تصحیح الارادہ کا ذکر کیا ہے؛ لیکن یہ سب کتابیں مفقود ہیں اس وقت ان کے صرف چند رسالے موجود ہیں۔

ان رسالوں کے علاوہ ان کے تقریباً بیس خطوط مکمل یا ناقص شکل میں موجود ہیں اوران کے ملفوظات بھی مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔

شیخ جنید بغدادی کی اولاد میں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا تذکرہ ملتا ہے؛ لیکن کہیں صراحت نہیں ملتی کہ ان کی اولاد صرف اتنی ہی تھی، ان کی کنیت ابو القاسم تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے بیٹے کا نام قاسم تھا، اور حلیۃ الاولیاء میں ابو بکر کو شیخ جنید کا داماد لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے بیٹی بھی تھی۔

شیخ جنید نے اپنی زندگی میں چند سفر کیے، دو مرتبہ یا تین مرتبہ حج بھی کیے اور ان کے بصرہ کا سفر کرنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی کی تعلیمات

شیخ جنید تصوف کو بہت اہمیت دیتے ہیں ان کا خیال ہے تصوف اصل حقیقت ہے، فرماتے ہیں کہ اگر مجھے تصوف سے زیادہ اشرف اور افضل کوئی علم معلوم ہوتا تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر مجھے صوفیہ کے پاس بیٹھنے کے مقابلے اور کوئی مجلس اہم ہوتی تو میں اس میں بیٹھتا۔

شیخ جنید بغدادی نے تصوف کو از سر نو مرتب کیا ہے، انہوں نے تصوف کو شریعت کے اصولوں پر مدون کیا' شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ جنید نے سب سے پہلے تصوف کے قوانین وضع کیے، انہوں نے جو بنیادیں قائم کیں ان میں پہلی بنیادی یہ تھی کہ طریقت کو مکمل طور پر شریعت کے ماتحت ہونا چاہئے، اصل بنیاد قرآن وسنت ہے اور ہمارا علم تصوف بھی اسی سے مضبوط ہے اور اسی میں مقید ہے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ سالک کو اپنی عملی زندگی میں مکمل پابند شریعت ہونا چاہئے، اگر اس کی زندگی میں اول سے آخر تک کہیں بھی ترک عمل کا رجحان ہے تو وہ بڑی کوتاہی ہے، شریعت پر پابند رہنا اور ہمہ وقت عمل کرتے رہنا ہر سالک کے لیے ضروری ہے۔

ان کے تصوف کی تیسری بنیاد توازن ہے، سالک کو عبادات میں اور معاشرت وغیرہ ہر پہلو میں میانہ رو ہونا چاہئے، عبادات میں غلو استغراق یا ذکر و مراقبہ کے ذریعے نئے جہانوں کی سیر کی خواہش ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اس کے ساتھ ایک اہم مسئلہ زہد کا ہے بعض صوفیہ زہد کے نام پر ترک دنیا کی تعلیم دیتے رہے ہیں؛ لیکن شیخ جنید بغدادی نے ترک دنیا کی دعوت نہیں دی، بلکہ زہد کی تعریف یہ بیان کی کہ دل میں دنیا کو چھوٹا جاننا، ورنہ وہ خود تجارت کرتے رہے اور اپنے متوسلین کو نصیحت کرتے رہے کہ حلال کمائی کے ذریعے رزق تلاش کرو اور حرام سے بچو۔ شیخ جنید کے تصوف کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں عزلت گزینی اور معاشرہ کو چھوڑ کر گوشہ گیر ہو جانا، یا اولاد وازواج کو ترک کر دینا ناپسندیدہ ہے، وہ معاشرے میں رہنے اور معاشرتی ذمہ داریاں اٹھانے کو دینی فریضہ قرار دیتے ہیں اور معاشرت کی ضرورت بھی قرار دیتے ہیں۔

شیخ جنید کے تصوف کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ اظہار کرامات کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور کرامات کو حجاب قرار دیتے ہیں، ان کی نظر میں کشف والہام کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے، فرماتے ہیں: الہام توفیق کا نام ہے۔ یعنی کوئی نیک کام کر لیا یہی الہام ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ابو عبد الرحمن سلمی نے آداب الصوفیہ وحسن العشیرہ میں شیخ جنید کے تصور تصوف کی وضاحت کی ہے، اگر چہ یہ بات درست ہے کہ وہ مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے لیکن ان سے وجد میں آنا یا رقص کرنا ثابت نہیں ہے۔

شیخ جنید تصوف کے امتیازی پہلوؤں میں فناء اور بقاء کو بھی قرار دیتے ہیں، شیخ جنید کا زور اس پر ہے کہ اپنے طبعی تقاضوں کو فناء کر کے ہمہ وقت عمل میں رہنا اور پھر اپنے اوصاف کو بھی محو کر دینا فناء ہے، یہ فناء ہے کہ ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرے اور غیر حق سے کلیۃ بے نیاز ہو جائے۔ شیخ جنید کی نظر میں فناء ذات الٰہی میں مدغم ہو جانے یا انفرادیت کو ختم کر کے ذات واجب الوجود میں ضم ہو جانا نہیں ہے، بلکہ اپنے برے اوصاف کو فناء کر کے اوصاف حسنہ کو باقی رکھنے اور خوبیوں کو پروان چڑھانے کا نام ہے۔

شیخ جنید بغدادی کے تصوف کا طرہ امتیاز صحو ہے، یعنی راہ سلوک میں جو سکر یا مدہوشی سالک پر طاری ہوتی ہے وہ شیخ جنید کی نظر میں کم تر درجہ ہے، سالک کو ہوشمند رہنا چاہئے اگر اس پر سکر یا مدہوشی کا غلبہ جمع کے نتیجہ میں ہو بھی جائے تو اس کو فرق ثانی کی طرف عروج کرنا چاہئے ورنہ اس کا سلوک ناقص رہے گا۔ شیخ جنید نے سکر کو جنون سے تعبیر کیا ہے اور اصحاب سکر صوفیہ کو مجنون کہتے ہیں۔

سکر کے نتیجہ میں سالک کی زبان سے ایسے کلمات کا صدور ہوتا ہے جن کے ظاہر کی دلالت خلاف شرع لگتی ہے، اس کو شطح کہتے ہیں، شیخ جنید شطحات کے بہت خلاف نہیں ہیں، سالک پر یہ کیفیت طاری ہو سکتی ہے اسی لیے شطحات کی بنیاد پر کسی کو مطعون بھی نہیں

کیا جاسکتا، بشرطیکہ اس کا سکر حقیقی ہو اور شطحات کا صدور غیر اختیاری ہو، البتہ اگر شطحات شعوری کوشش کا نتیجہ ہیں تو شیخ جنید ان پر سخت تنقید کرتے ہیں، خود شیخ جنید سے شطحات کا صدور نہیں ہوا بعض حضرات نے چند جملے نقل کیے ہیں لیکن وہ شطح نہیں ہیں۔

سیر اولیاء میں ہے کہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے مدینے کی گلیوں میں حق کو پایا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ایک روز میں مدینے کے بازار میں چلا جارہا تھا کہ چند خستہ حال لوگوں کو دیکھا جن کی پریشانی کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی مجھے ان پر رحم آیا۔ میں نے چاہا کہ میں بھی ان کے ساتھ رہوں ان سے موانست اختیار کروں۔ چنانچہ ان کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ خدا شکستہ حالوں کے ساتھ ہے۔ حضور معلم و مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد مومن کی شان اس طرح بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کے کان بن جاتے ہیں۔ اس کی آنکھ بن جاتے ہیں اس کی زبان بن جاتے ہیں۔

11.3 حسین بن منصور حلاج (858-922ء)

حسین بن منصور حلاج، ابو المغیث (244/858-309/922) مشہور صوفی ہیں، اصحاب سکر میں شمار ہوتا ہے، اجلہ صوفیہ کی خدمت میں رہے؛ لیکن بعد میں ان کے بعض افکار کی وجہ سے ان پر صوفیہ نے تنقید کی اور شیخ جنید نے تو ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا۔ عطار نے اس موقع پر طویل کلام کیا ہے، قدیم مراجع میں ان پر حلولی عقائد کا الزام ہے۔ حلاج نے ہندوستان سمیت عالم اسلام کے مختلف علاقوں کا سفر کیا، مختلف سیاسی اور دینی الزامات کے تحت جیل گئے، رہا ہوئے، جیل سے فرار بھی ہوئے، آخر عمر میں پھر جیل گئے، آٹھ سال جیل میں رہنے کے بعد پھانسی کی سزا پائی۔ L.Massignon نے اپنی پوری زندگی حلاج کے مطالعہ میں صرف کردی۔ ان کی کتاب La Passion d'al-Hallaj al L'order des Halladjiyah بہت مشہور ہے، اس کا انگریزی ترجمہ The Passion of Hallaj کے نام سے Herbert Massion نے چار جلدوں میں کیا ہے۔

حلاج کے بارے میں ان کے متعدد معاصر لوگوں نے لکھا ہے، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ان پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور حلاج کے بیٹے سے براہ راست معلومات حاصل کی ہیں، حلاج کی وفات کے سو سال بعد ایک کتاب اخبار الحلاج لکھی گئی، اس میں بھی ان کے حالات کافی تفصیل سے ملتے ہیں؛ لیکن سب سے زیادہ تفصیل سے فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے، ان کے لقب حلاج کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے عطار نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ منصور حلاج نے ایک کپاس کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا جس سے فوراً ہی بنولہ الگ ہوگیا، اسی کرامت کی وجہ سے وہ الحلاج یعنی دھنیا کہلاتے ہیں، ایک دوسری روایت بھی ہے جس کو خطیب بغدادی نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ واسط میں ایک دھنیے کے پاس گئے اور اس کو کسی کام سے بھیجنا چاہا، اس نے کام کی زیادتی کی بنا پر معذرت کی، حسین بن منصور نے کہا کہ تم میرے کام سے جاؤ میں تمہارے کام میں مدد کروں گا اور جب وہ ان کا کام کرکے واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا سارا کام مکمل ہوچکا ہے۔ اس لئے اس کے بعد یہ حلاج کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ابن منصور حلاج کی پیدائش واسط میں ہوئی، ان کے والد بیضاء کے رہنے والے تھے؛ لیکن واسط میں آکر آباد ہوگئے تھے، حلاج نے

کم عمری میں ہی تعلیم کی تکمیل کرلی، اس کے بعد سہیل بن عبداللہ تستری کے مرید ہوگئے، کچھ عرصہ بعد بصرہ میں حضرت حسن بصری کے قائم کردہ مدرسہ میں تعلیم کی تکمیل کے لئے گئے، یہاں ان کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی جن پر حکومت سے بغاوت کا الزام تھا، حسین سے بھی پوچھ گچھ کی گئی اور پریشان ہوکر انہوں نے بصرہ چھوڑ دیا اور بغداد جا بسے، وہاں انہوں نے ابویعقوب اقطع کی بیٹی سے شادی کی اور عمرو بن عثمان مکی کے مرید ہوگئے۔ اس دوران حلاج نے کئی سفر کئے اور بعض وجوہات کی بناپر ان کے پیر سے ان کے تعلقات خراب ہوگئے، اس سے قبل انہوں نے حضرت جنید بغدادی کی محفل میں بھی جانا شروع کر دیا تھا، بلکہ باضابطہ مرید ہوگئے تھے، لیکن بغداد سے سفر کرنے کے بعد ان کے بارے میں بدگمانیاں بہت پیدا ہوگئیں، خاص طور پر ہندوستان کے سفر کے بارے میں لوگوں کا تاثر تھا کہ وہ جادو سیکھنے کے لئے ہندوستان گئے تھے، بہر حال ان کے پیر عمرو بن عثمان مکی نے ان کو اپنی محفل سے نکال دیا اور ان کے استاد حضرت جنید بغدادی نے بھی ان پر پابندی لگادی۔ اس دوران حلاج کے خلاف ابن داود اصفہانی نے فتویٰ دیا، وہ گرفتار ہوئے، لیکن ایک سال جیل میں رہنے کے بعد فرار ہوگئے اور بغداد چھوڑ دیا۔ بعد میں خفیہ طور پر بغداد آئے؛ لیکن کچھ لوگوں کی مخبری پر گرفتار کرلئے گئے، تقریباً آٹھ سال جیل میں رہے، اس دوران ان پر مقدمہ چلتا رہا اور تحقیقات ہوتی رہیں، آخر علماء کی ایک بڑی جماعت نے مختلف مذہبی اور سیاسی الزامات کی بناپر ان کے قتل کا فیصلہ کیا اور 27 مارچ 922 کو دریائے دجلہ کے کنارے حلاج کو پھانسی دے دی گئی۔

منصور حلاج صاحب کرامت شخصیت تھے۔ ان کی عجیب وغریب کرامات کو اس وقت کے مصنفین نے اپنے تذکروں میں کثرت سے ذکر کیے ہیں۔

حسین بن منصور حلاج تاریخ اسلامی کی انتہائی متنازع شخصیت ہیں، ایک گروہ ان کو صوفی مانتا ہے، ایک گروہ ان پر طرح طرح کے اعتراضات کرتا ہے، ایک مشہور بات یہ ہے کہ حلاج نے "اناالحق" کہا تھا اس لئے اس کو پھانسی دی گئی تھی؛ لیکن یہ بات تحقیق طلب ہے۔

حسین بن منصور حلاج نے اپنی زندگی میں متعدد کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتابوں کی تعداد 46 لکھی ہے، ان کی دستیاب کتابوں میں: کتاب الطواسین، اور دیوان الحلاج بہت مشہور ہیں، ان دونوں کو لوئس یسینیون نے ایڈٹ کرکے شائع کر دیا ہے۔

کتاب الطواسین میں بڑی پیچیدہ عبارتیں ہیں، ان سے کوئی واضح مفہوم اخذ کرنا بہت مشکل ہے، البتہ امام ابوالقاسم القشیری نے ان کے بعض خیالات کی ترجمانی ہے۔

منصور بن حلاج کی تعلیمات

امام قشیری نے اپنے رسالے میں اپنے اقوال نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حسین بن منصور نے فرمایا کہ جو شخص حقیقت توحید سے آشنا ہو جاتا ہے اسکے دل سے چوں چرا ساقط ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آپ نے فراست کے بارے میں فرمایا جب حق کی یاد کسی لطیفہ پر (جو انسان کو عطا ہوا ہو) غالب ہو جاتا ہے تو وہ اس کا معائنہ کرنے لگتا ہے اور بیان میں بھی لاتا ہے۔ اور آگے فرمایا صاحب فراست اول نظر میں مقصد تک پہنچ جاتا ہے وہ کسی تاویل ظن اور

تخمین کی طرف التفات نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ مرید کسے کہتے ہیں؟ فرمایا 'جو اپنے اول قصد سے اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ واصل ہو جائے۔

ان کے بعض اشعار میں انہوں نے اللہ سے اپنی محبت کو اس طرح بیان کیا ہے: اللہ تعالی کو خوب خبر ہے کہ میری ذات میں کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیری یاد نہ بسی ہو کہ وہی حاصل ہے، اور میں نے کبھی کوئی سانس ایسا نہیں لیا کہ اس سانس میں تو نہ ہو آگے بیان کیا ہے اگر میرے نفس نے بجز تیرے کسی مخلوق سے الفت کی ہو تو خدا کرے اس کو اسکی مرادیں نصیب نہ ہوں۔

11.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- شفیق بلخی خراسان کے رہنے والے تھے۔ ابراہیم بن ادہم کے شاگرد تھے اور ترک امارت کر کے آپ نے زاہدانہ زندگی گذاری۔ شفیق بلخی کے نزدیک عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں رہے۔ پہلا اپنے پچھلے گناہوں پر ہر وقت خوف زدہ رہے، دوسرا ہر وقت اگلے لمحے کی فکر میں لگا رہے، یسرا انجام کار سے ہر وقت خائف رہے؛ چونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہو گا۔
- ابویزید المعروف بایزید بسطامی ایک جلیل القدر صوفی ہیں۔ آپ کے کے بارے میں بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ وہ ناخواندہ تھے؛ لیکن خدا نے ان کو علم و فضل کے جس مقام پر پہنچایا تھا وہ بے مثال تھا؛ حضرت جنید بغدادی نے ان کے ملفوظات کی شرح لکھی، اور ان کے بارے میں فرمایا کہ ابویزید بسطامی کو اولیاء میں وہی مقام حاصل ہے جو کہ فرشتوں میں جبرئیلؑ کو حاصل ہے، جہاں تمام اولیاء کے علم و عمل کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے بایزیدؒ کی ابتدا ہوتی ہے۔ احمد بن خضرویہ اور اس عہد کے اجلہ صوفیہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر، ان کے ملفوظات سنتے تھے اور ان ملفوظات کی روشنی میں اپنی زندگی کی اصلاح اور اپنے نفس کا تزکیہ کرتے تھے۔
- ابویزید بسطامی کے ایک مرید نے نصیحت کرنے کی درخواست کی؛ تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تمہارے اندر کوئی بری عادت ہو تو اس کو اچھی عادت سے بدلنے کی کوشش کرو، اور اگر کوئی تمہاری اعانت کرے تو پہلے خدا کا شکر ادا کرو اور پھر معطی کا شکر ادا کرو۔ ایک اور مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان کو دیکھو، اس نے آسمان کی طرف دیکھا، حضرت نے پوچھا: اس کا خالق کون ہے؟ مرید نے کہا: اللہ۔ حضرت نے فرمایا کہ بس اسی سے ڈرتے رہو؛ کیونکہ وہ تمہارے ہر حال سے باخبر ہے، اور ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو اگر تم بیمار ہو جاؤ تو تمہاری تیمارداری کریں، اگر تم سے غلطی ہو جائے تو معاف کر دیں اور حق بات تم سے کبھی نہ چھپائیں۔

- شیخ جنید گروہ صوفیہ کے سردار اور بڑے زبردست عالم، فقیہ صوفی اور خطیب تھے، تصوف کی پوری تاریخ پر ان کے زبردست اثرات ہیں، انہوں نے تصوف کو ایک نئی جہت عطا کی اور تصوف کو ایسا رخ اور منہاج دیا کہ بعد میں چند متصوفین کی بعض بے اعتدالیوں کے باوجود متفقہ طور پر تمام صوفیہ دائرہ شریعت سے باہر نہ جاسکے اور تصوف کی اس حقیقت کو مبرہن کرتے رہے کہ تصوف شریعت سے ماوراء کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے شریعت کے دائرے میں ہی ہے۔
- حسین بن منصور حلاج تاریخ اسلامی کی انتہائی متنازع شخصیت ہیں، ایک گروہ ان کو صوفی مانتا ہے، ایک گروہ ان پر طرح طرح کے اعتراضات کرتا ہے، ایک مشہور بات یہ ہے کہ حلاج نے "انا الحق" کہا تھا اس لئے اس کو پھانسی دی گئی تھی۔ حسین بن منصور حلاج نے اپنی زندگی میں متعدد کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتابوں کی تعداد 46 لکھی ہے۔

11.5 نمونہ امتحانی سوالات

11.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ------تصوف کے اولین اکابر صوفیا میں شامل ہیں؟

(a). نظام الدین اولیا (b). علی ہجویری (c). شفیق بلخی (d). کوئی نہیں

2. لویس ماسینون نے اپنی پوری زندگی------صوفی بزرگ کی حیات کے مطالعہ میں صرف کی اور ان پر کتابیں لکھیں۔

(a). جنید بغدادی (b). منصور حلاج (c). شفیق بلخی (d). سبھی صحیح

3. طیفوریہ سلسلہ------صوفی بزرگ کی طرف منسوب ہے؟

(a). شیخ جنید (b). ابراہیم بن ادہم (c). سری سقطی (d). بایزید بسطامی

4. ------صوفی تاریخ اسلامی کی انتہائی متنازع شخصیت ہیں۔

(a). حسین بن منصور حلاج (b). جنید بغدادی (c). ابراہیم بن ادہم (d). سبھی صحیح

5. شفیق بلخی نے توکل کی-------قسمیں بیان کی ہیں۔

(a). دو (b). تین (c). چار (d). پانچ

6. ان میں---------بایزید بسطامی کے استاد ہیں؟

(a). سری سقطی (b). امام جعفر صادق (c). جنید بغدادی (d). سبھی

7. شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ--------نے سب سے پہلے تصوف کے قوانین وضع کیے۔

(a). شیخ جنید (b). ابراہیم بن ادہم (c). سری سقطی (d). بایزید بسطامی

8. سکر کے نتیجہ میں سالک کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو بظاہر خلاف شرع لگتے ہیں، اس کو.....کہتے ہیں۔

(a). جذب (b). شطحات (c). ہوش (d). سماع

9. -------کے متعلق ایک مشہور بات یہ ہے کہ حلاج نے "انا الحق" کہا تھا اس لئے اس کو پھانسی دی گئی تھی۔

(a). ابراہیم بن ادہم (b). بایزید بسطامی (c). منصور حلاج (d). جنید بغدادی

10. کتاب الطواسین کے مصنف-------ہیں۔

(a). جنید بغدادی (b). ابراہیم بن ادہم (c). بایزید بسطامی (d). منصور حلاج

11.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت شفیق بلخیؒ کی حیات و خدمات پر ایک معلوماتی نوٹ لکھیے۔
2. حضرت جنید بغدادی کی تعلیمات کا جائزہ پیش کیجیے۔
3. ابویزید بسطامیؒ کی شخصیت پر مختصر نوٹ قلمبند کیجیے۔
4. حسین بن منصور حلاج کی حیات اور افکار پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
5. حضرت جنید بغدادی اور منصور حلاج کی تعلیمات پر ایک تقابلی نوٹ تحریر کیجیے۔

11.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. حضرت جنید بغدادی کی حیات و تعلیمات پر سیر حاصل گفتگو کیجیے۔
2. بایزید بغدادی کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیجیے۔
3. منصور بن حلاج کے صوفیانہ افکار کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

11.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تابعین : از شاہ معین الدین احمد ندوی
2. تذکرۃ الولیاء : شیخ فرید الدین عطار
3. صوفیاء کرام : اسلم بارہ بنکوی
4. حلیۃ الاولیاء : ابو نعیم اصبہانی
5. طبقات الاولیا : عبد الوہاب شعرانی
6. Encyclopedia of Islam (3rd Edition)
7. The Early Mystics of Islam : R.A Nicholson

اکائی 12: مشہور صوفی سلسلے (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 قادریہ

12.3 سہروردیہ

12.4 شطاریہ

12.5 شاذلیہ

12.6 اکتسابی نتائج

12.7 نمونہ امتحانی سوالات

12.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

آپ نے پچھلی اکائیوں میں تصوف کے تاریخی ارتقا اور اس کے ادوار کا مطالعہ کیا۔ تصوف کے سلسلوں کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہو گیا تھا لیکن اس وقت سلسلے کسی خاص نام سے معنون نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ سلسلے صوفیا کی طرف منسوب ہوتے تھے جیسے کہ شیخ جنید بغدادی کی طرف منسوب سلسلہ جنیدیہ، حارث محاسبی کی طرف منسوب سلسلہ محاسبیہ بایزید بسطامی کی طرف طیفوریہ وغیرہ۔ مشہور صوفی شیخ علی ہجویری نے سب سے اول اپنی کتاب کشف المحجوب میں ان سلاسل کا ذکر کیا ہے۔

اس اکائی میں مشہور سلاسل میں سے سلسلہ قادریہ سہروردیہ کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دو اور سلسلے شاذلیہ اور

رفاعیہ پر بھی گفتگو کی جائے گی۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ تصوف کے مشہور سلسلوں میں سے سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کا تفصیلی تعارف حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے کے بانیین اور مختلف ممالک میں ان سلسلوں کے نشو نما میں کردار ادا کرنے والے صوفیا کے بارے میں گفتگو کر سکیں گے اسی طرح ان دونوں سلسوں کی خصوصی تعلیمات اور انفرادیت کا تقابل کر سکیں گے۔ ان سلاسل کی ہندوستان میں حیثیت اور اس کے ارتقاء کے بارے میں جانیں گے۔ ان دو سلاسل کے علاوہ رفاعیہ اور شاذلیہ سلسلے اور ان کی اہمیت اور تعلیمات پر بھی تبصرہ کر سکیں گے۔

12.2 قادریہ

سلاسلِ تصوف میں سلسلۂ قادریہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مشہور و مستند سلسلۂ روحانیت مانا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ بر صغیر کے علاوہ ترکی، مشرقی اور مغربی افریقہ کے ممالک میں زیادہ بہت مقبول ہے۔ یہ سلسلہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے۔

حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کا نام عبد القادر اور لقب محی الدین تھا، غوث پاک یا غوث اعظم کے نام سے معروف ہیں، آپ ابھی بچے ہی تھے کہ والد ابو صالح موسی جنگی دوست کا انتقال ہو گیا، والدہ ماجدہ امۃ الجبار فاطمہ نے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی اور ابتدائی تعلیم کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے بغداد بھیجا جہاں مدرسہ نظامیہ میں آپ نے آٹھ سال تعلیم حاصل کی، حصول علم کے بعد باطنی تربیت آپ نے ابو الخیر حماد بن مسلم اور ابو سعید مبارک بن علی مخرمی سے حاصل کی، کئی سال سخت محنت و ریاضت میں تکمیل تربیت کے بعد بغداد میں وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے وعظ میں ایسی تاثیر تھی کہ بہت جلد آپ کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل گئی اور لوگ آپ کا وعظ سننے کے لیے پیدل اور سوار دونوں طرح آنے لگے، اور آپ کی مجلس وعظ جگہ کی تنگی کی وجہ سے کئی مرتبہ تبدیل کرنی پڑی، سلسلہ قادریہ کی اشاعت آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھی چنانچہ آپ کے مریدین میں محمد البطائحی نے اس طریقہ کی اشاعت شام میں کی، علی بن مراد اس طریقہ کو لے کر یمن کے علاقے میں گئے، تقی الدین محمد البونین نے مختلف علاقوں میں اس سلسلہ کو پھیلایا، بعض تذکروں میں محمد بن عبد الصمد نام کے ایک شخص کا بھی ذکر ملتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ کو مصر میں پھیلایا تھا :

اس طرح اس سلسلہ کی توسیع و اشاعت خود حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے عہد مبارک میں ہی شروع ہو گئی تھی، آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد امجاد نے اس سلسلہ کو مزید فروغ بخشا اور اسے دور دراز علاقوں تک پھیلایا۔

تصوف کے سلاسل میں یہ واحد سلسلہ ہے جس کا مرکزی مقام ابھی تک وہی ہے جہاں سے یہ شروع ہوا تھا اور ابھی تک اسی مرکزی مقام سے سارے علاقے وابستہ ہیں، بغداد کے نقیب الاشراف ہندوستان اور دیگر علاقوں میں مستقل آمد و رفت رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ایک بزرگ شخصیت حضرت مخدوم شیخ محمد حسینی لے کر آئے خراسان ہوتے ہوئے ہندوستان کا سفر کیا، اور اُچ کے مقام پر فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم حضرت کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا، اور چند

دن آپ کی صحبت میں رہ کر ایسا معتقد ہوا کہ مرید ہو گیا، مثل مشہور ہے الناس علی دین ملوکھم لہٰذا وہاں کی رعیت بھی حضرت کی ایسی گرویدہ ہوئی کہ جوق در جوق حضرت کی خدمت میں آکر مرید ہو گئی، ہزاروں لوگوں نے فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے دین و تقوی کی راہ اختیار کی۔ اس سلسلے کی عظمت اس وقت کے مغل سلطان جہانگیر اور وزیر ابو الفضل علامی دونوں نے اس سلسلہ کی بزرگی اور عظمت کا تذکرہ اپنی کتب میں کیا کیا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جو شیخ محمد حسینی کے صاحبزادے تھے وہ اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اور اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے وہ عبد القادر ثانی کہلاتے تھے، آپ کی توجہات اور اصلاح و تربیت سے ہزاروں لوگوں نے فسق و فجور سے توبہ کی اور راہ استقامت اختیار کی، کہتے ہیں آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر ہی کفار و فساق ایسے گرویدہ ہو جاتے تھے کہ لہو و لعب اور کفر و فسق کو چھوڑ کر توبہ و انابت کی راہ اختیار کر لیتے تھے، آپ نے ایک عرصہ تک سلسلہ قادریہ کی اشاعت کی، اور فقر و توکل کا نمونہ بن کر زندگی بسر کی، آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبد الرزاق آپ کے جانشین ہوئی، انہوں نے بھی اس سلسلے کو آگے بڑھایا ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مخدوم شیخ حامد جانشین مقرر ہوئے اور انہوں نے سلسلہ عالیہ قادریہ کو بہت توسیع و اشاعت سے ہم کنار کیا۔

شیخ عبد القادر ثانی

حضرت مخدوم شیخ محمد حسینی جیلانی (793 تا 894)، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے، سلسلہ قادریہ کی نسبت و برکت کو آپ ہی ہندوستان لے کر آئے اور اوچ میں قیام فرمایا، حضرت کے ساتھ آپ کے حشم و خدم کی ایک بڑی تعداد تھی اور دنیاوی اسباب و احوال کی بھی بڑی فراوانی۔ اوچ کا حاکم آپ سے مل کر آپ کا معتقد ہو گیا، اس وقت اوچ علماء و فضلاء کا مرکز تھا، بادشاہ کی ارادت سے عوام اور علماء دونوں میں آپ کی مقبولیت ہو گئی اور اس طرح آپ کا فیضان تمام لوگوں میں جاری ہو گیا۔ آپ نے ایک لمبے عرصے تک اوچ میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کا کارنامہ انجام دیا اور پورے ہندوستان میں اس سلسلہ عالیہ کی داغ بیل ڈالی، جو اگرچہ مسلکاً ایک حنبلی عالم یعنی شیخ عبد القادر جیلانی سے شروع ہوا تھا لیکن اس کو غیر معمولی مقبولیت حنفی مسلک کے پیروکاروں میں ملی اور پورے ہندوستان میں اس کے اثرات مرتب ہوئے۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی داغ بیل تو حضرت شاہ محمد حسینی جیلانی نے ڈالی تھی، لیکن اس بابرکت سلسلہ کو اصل فروغ ان کے لائق صد افتخار فرزند حضرت مخدوم شیخ عبد القادر (862 تا 940) کے زمانے میں حاصل ہوا، حضرت مخدوم جو اپنے جد اعلیٰ کے ہم نام بھی تھے اور برصغیر میں اس سلسلہ کی اشاعت میں آپ نے جو کارنامہ انجام دیا اس کی وجہ سے حضرت عبد القادر ثانی کہلاتے تھے، شخصی طور پر آپ کی زندگی صاحبزادوں کی زندگی تھی، دولت کی فراوانی نے بے فکری عطا کی اور معاشرے میں عزت و وقار نے اعتماد و حوصلہ دیا، جوانی کا زمانہ زیادہ تر لہو و لعب اور محفل سماع یا شکار میں بسر ہوا، اسی اثناء میں ایک دن ایک تیتر کی صدا سنی، رحمت حق کس کی طرف کس بہانے سے متوجہ ہو جائے اس کا کوئی ریاضیاتی اصول نہیں ہے، تیتر کی دل نشیں آواز نے وہ کام کیا جو حضرت واعظ کے دفتر لغت ہائے حجازی نہ کر سکے، اس وقت آلات لہو و لعب توڑ ڈالے، تمام عیش و آرام سے توبہ کی اور اپنے جد اعلیٰ کے طریقہ پر تن من دھن سے گامزن ہو گئے، اس

درمیان والد محترم کا وصال ہو گیا اور یہ ان کی جگہ جانشین مقرر ہو گئے، دل کی لگی جب لگتی ہے تو ہر لگاوٹ ختم ہو جاتی ہے، حضرت کے لئے بھی دنیا کے سارے لگاؤ بے معنی ہو چکے تھے، شاہی وظیفہ جو حضرت کے والد کو ملتا تھا وہ حضرت کے نام جاری ہوا۔ لیکن آپ نے اس کو لینے سے سختی سے منع کر دیا اور ساری زندگی توکل اور فقر کا نمونہ بن کر بسر کی۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ہمہ وقت ایک خاص طرح کے جذب کے زیر اثر رہتے تھے، یک گونہ سکر کی کیفیت رہتی تھی، اپنے اوراد واشغال، مریدین کی تربیت اور سلسلہ قادریہ کی اشاعت کے علاوہ آپ کو کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی، چہرے پر ایسا نور موجزن رہتا تھا کہ کفار وفساق آپ کا دیدار کرتے ہی تائب ہو جاتے اور آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو جاتے تھے، فقر و توکل، جذب و سرمستی میں آپ نے پوری عمر بسر کی۔ لیکن سلسلہ قادریہ کی توسیع واشاعت کے لئے ایسی بنیادیں فراہم کر دیں کہ پھر یہ سلسلہ پورے ملک میں پھیل گیا۔

مخدوم شیخ حامد کے صاحبزادے اور ان کے بعد ان کے جانشین شیخ موسیٰؒ نے بھی قادریہ سلسلہ کو فروغ دینے میں خصوصی کردار ادا کیا، اور شمالی ہند کے چشتیہ خطوں میں قادریہ سلسلہ کی اشاعت انہی کی سعی جمیل کی مرہون منت ہے۔

بنگال اور مشرقی علاقے میں قادریہ سلسلہ کو شاہ فیض اللہ نے پھیلایا، دہلی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اسے فروغ دیا، ان کے علاوہ شیخ نعمت اللہ قادری، سید محمد غوث گوالیاری، شاہ محبوب الہ، شاہ ندیم اللہ، شاہ عبداللطیف قطب ویلور، شاہ شاہد اللہ وغیرہ بزرگوں نے اس سلسلہ کو ہندوستان کے مختلف گوشوں تک پہنچایا، شاہ کمال کیتھلی اور شیخ تقی قادری کے متعدد مریدوں میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو بھگتی تحریک میں شامل ہوئے، خاص طور پر شیخ تقی قادری جن سے کبیر کو بڑی ارادت تھی اور کبیر نے اپنی شاعری میں بھی اس ارادت کا ذکر کیا ہے، ان کے اثرات بڑے دوررس رہے اور عوام کا ایک بڑا طبقہ ان سے متاثر ہوا، اس سلسلہ کے دیگر اہم مشائخ میں شیخ اسحاق قادری، سید اسماعیل گیلانی، شیخ بہلول دریا، شیخ حسن لاہوری، شیخ مادھو اور شیخ ابوالفتح وغیرہ ہیں۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کا تذکرہ ادھورا ہے جب تک میاں میر کا ذکر نہ ہو، حضرت میاں میر نے اس سلسلے کو پنجاب میں فروغ دیا، مغل شہزادہ داراشکوہ ان کا مرید تھا، اور اس نے ان کا ایک مفصل تذکرہ بھی لکھا ہے۔ اس ارادت کے علاوہ میاں میر کی عوامی مقبولیت بہت تھی، مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، سکھ گرو ارجن دیو کو ان سے ایسی عقیدت تھی کہ جب انہوں نے دربار صاحب بنانے کا ارادہ کیا تو جگہ تو اکبر اعظم سے حاصل کی لیکن سنگ بنیاد رکھنے کے لیے اس فقیر بے نوا میاں میرؒ کو زحمت دی۔

اس موقع پر ایک بات کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہو گا کہ سلسلہ قادریہ جو بلاد اسلامیہ کے اکثر حصوں میں پھیلا اور خاص طور پر ہندوستان کے علاوہ شمالی افریقہ کے ممالک میں اس کی اشاعت زیادہ ہوئی، لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر اس سلسلہ میں حضرت غوث اعظم کی شخصیت کے گرد عقیدت کا ایک ہالہ تعمیر ہو گیا ہے اور یہ تصورات ظاہر ہے، عوام کا اضافہ ہیں ان میں صاحب سلسلہ اور اکابر سلسلہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

سلسلہ قادریہ کی تعلیمات

قادریہ سلسلہ میں حضرت شیخ القادر جیلانیؒ کی تینوں کتابیں، فتوح الغیب، الفتح الربانی اور غنیۃ الطالبین کو بڑی اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر فتوح الغیب، سب سے زیادہ مقبول ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، بلکہ یہ کتاب اس سلسلہ کے باہر بھی بہت مقبول ہے، امام ابن تیمیہ نے اس کے ایک حصہ کی شرح بھی لکھی ہے جو ان کے فتاوی کی گیارہویں جلد میں شامل ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ الفیوضات الربانیہ بھی اس سلسلہ کی اہم کتاب ہے، سلسلہ قادریہ چونکہ بہت وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے اس لیے اس میں طریق کار کے اختلافات بھی بہت ہیں، لیکن الفیوضات الربانیہ کے اوراد اور وظائف پر تقریباً ہر جگہ کے لوگ اتفاق رکھتے ہیں۔

سلسلہ قادریہ میں رائج اور ادواذکار بالعموم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے تلقین کردہ تھے، ان کے یہاں نوافل کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، ذکر خفی ہمہ وقتی ذکر ہوتا ہے اور ذکر جہری وہ ذکر ہوتا ہے جو مخصوص اوقات میں کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں یہ دونوں ذکر رائج ہیں، ان کے علاوہ درود شریف کے ورد پر اس سلسلہ میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

سالک کے اندر کیفیات باطن کے پیدا کرنے کے لیے اس سلسلہ میں بعض اور چیزیں بھی اختیار کی گئیں، جیسے صلوۃ غوثیہ، یا بعض وظائف وغیرہ۔ سلسلہ قادریہ میں سماع کو ناپسند کیا جاتا ہے، اور سجدہ تعظیمی، طواف مزار اور خواتین کے لیے زیارت قبور کو ناپسند کرتے ہیں۔

12.3 سہروردیہ

سلسلہ سہروردیہ کا بانی بالعموم شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبد اللہ سہروردی (1145ء۔1234) کو مانا جاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ کی توسیع واشاعت میں بھی ان کا غیر معمولی کردار ہے، اور منجملہ تصوف کی تاریخ پر ان کے بڑے دور رس اثرات ہیں؛ لیکن اس سلسلہ کے بانی حقیقتاً ان کے چچا ابو نجیب ضیاء الدین عبد القاہر سہروردی ہیں۔

شیخ عبد القاہر سہروردی نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اس کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور وہاں فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ نظامیہ میں استاد ہو گئے، اور علوم باطن کی تکمیل کے لیے شیخ ابو علی فارمذی کی صحبت میں رہ کر استفادہ کرنے لگے، رفتہ رفتہ ان کا رجحان تصوف وسلوک اور باطنی علوم کی طرف بڑھنے لگا اور ان پر ان حالات کا ایسا غلبہ ہوا کہ انہوں نے نظامیہ کی تدریس ترک کر دی اور گوشہ گیر ہو گئے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین نے خلوت نشینی کرنا پسند فرمایا ہے، ان کا استدلال یہ تھا کہ خلوت سے شہرت ملتی ہے اور شہرت بسا اوقات حصول مقصد میں رکاوٹ بن جاتی ہے، شیخ عبد القاہر کی زندگی میں ان کی دلیل کا اظہار نظر آتا ہے، شیخ نے خلوت نشینی اختیار کی تو رفتہ رفتہ ان کی شہرت ہونے لگی اور کچھ ہی دن میں اتنی شہرت ہو گئی کہ ان کی زیارت اور ان سے استفادہ کے لیے

ایک مخلوق امڈ امڈ کر آنے لگی، دجلہ کے کنارے جہاں وہ خلوت نشین تھے ایک عظیم رباط تعمیر کی گئی، جہاں ان کے زیر تربیت افراد مستقل آتے اور قیام پذیر ہوتے، انہوں نے ایک مدت تک بے شمار لوگوں کی تربیت کی اور تعلیم و تربیت کے وسیع تجربہ کے بعد انہوں نے ایک کتاب آداب المریدین لکھی، جو راہ سلوک کے آداب میں ایک معرکہ آراء کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

اس خانقاہ میں روز بہاں بقلی صاحب شطحات الصوفیہ نے ان سے اکتساب فیض کیا، اور اس محفل میں ان کے بھتیجے ابو حفص عمر نے بھی ان کی خدمت میں وقت گذارا، سعادت مند بھتیجے میں علم و سلوک کی بڑی صلاحتیں دیکھ کر ان کو ہی جانشین تسلیم کر لیا گیا۔

جس وقت شیخ شہاب الدین سہر وردی جانشین بنے اس وقت یہ خانقاہ عروج پر تھی اور عراق میں اس وقت یہ سب سے بڑی خانقاہ مانی جاتی تھی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات کے بعد تو طالبان حق کا رجوع اس طرف بہت بڑھ گیا تھا، اور ہر جگہ سے لوگ اس خانقاہ کی طرف رجوع ہونے لگے، غوث پاک کے دو سال بعد شیخ عبد القاہر کا بھی وصال ہو گیا اور اب اس خانقاہ کی پوری ذمہ داری شیخ شہاب الدین سہر وردی کے ذمہ آگئی۔

حضرت شہاب سہر وردی نے ایک طرف تو طالبان حق کی تربیت کی دوسری طرف ایسے انتظامات کیے کہ یہ فیضان مستقل جاری ہو جائے اور اس کا دائرہ بھی وسیع ہو جائے، آپ نے اس کے لیے ایک معرکہ آراء کتاب ''عوارف المعارف'' لکھی جس کو ہر زمانے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی دوسرا کام یہ کیا کہ حکومت وقت کو بندگان خدا کی اصلاح و تربیت کے لیے استعمال کیا، خود بھی بادشاہ کو متاثر کیا کہ وہ خود بھی راہ حق پر گامزن ہو اور جب حکمران وقت کا مزاج دینی ہوتا ہے تو عوام پر بھی اس کے اثرات زیادہ ہوں گے، حضرت شہاب الدین سہر وردی خلیفہ وقت کی طرف سے خوارزم شاہ کے یہاں سفیر بھی بن کر گئے اور دیگر علاقوں کے اسفار بھی کئے، اس طرح ان کو موقع ملا کہ اپنے افکار اور اپنے طریقہ تربیت کو عالم اسلام کے دیگر گوشوں تک خود پہنچا سکیں، آپ جہاں بھی گئے طالبان حق کی رہنمائی کرتے رہے۔

سہر وردیہ سلسلہ بھی عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پھیلا، ہندوستان کے حصہ میں یہ دولت چار عظیم شخصیات کے ذریعہ آئی یعنی صوفی حمید الدین ناگوری، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ نور الدین مبارک غزنوی اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، یہ چاروں شیخ شہاب الدین کے خلفاء تھے، ان میں سے اول الذکر نے تو ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت کر لی، اور سلسلہ چشتیہ میں شامل ہو گئے۔

سہر وردیہ سلسلہ کو ہندوستان میں اصل فروغ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ذریعہ حاصل ہوا، حضرت اصلاً ملتان کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، حصول علم کے لیے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، اور بغداد میں حضرت شہاب الدین سہر وردی کی خدمت میں رہ کر اس سلسلے کی اجازت حاصل کی۔ ملتان واپس آکر انہوں نے ہندوستان میں سہر وردی سلسلہ کی پہلی خانقاہ تعمیر کی اور لوگوں کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے، ان کے دو خلفاء حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری اور حضرت لعل شہباز قلندر کے اثرات پنجاب اور سندھ میں اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت جلال الدین تبریزی نے پہلے پنجاب میں قیام کیا، پھر دہلی اور بدایوں ہوتے ہوئے بنگال چلے گئے، اور وہاں سلسلہ سہر وردیہ

کی اشاعت کی، بنگال میں آپ کی خانقاہ صدیوں تک مرکز فیض وہدایت بنی رہی اور طالبان حق طریقہ سہر وردیہ کے مطابق دینی اصلاح کرتے رہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف ان کے جانشین مقرر ہوئے، شیخ صدر الدین کا طریقہ سہر ودودیہ کے بر خلاف چشتیہ کے مشرب سے قریب تر تھا، ان کے یہاں وہی توکل اور فقر کی روشنی تھی جو چشتیہ کا طرہ امتیاز ہے، لیکن ان کے جانشین ان کے صاحبزادے ابوالفتح رکن الدین نے اپنے سلسلہ کی روایتی شناخت کو بحال کیا، حکومت سے بھی روابط استوار کیے اور عوام کی دادرسی میں وہ ایک طرح حکومت اور عوام کے درمیان پل کا کام کرتے تھے، ذاتی زندگی کی سادگی اور فقیر میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن شاہی دربار سے خلعتیں لے کر غریبوں میں تقسیم کرنا، اپنے سرکاری عہدے جن کا تعلق براہ راست عوام کی فلاح وبہبودی سے ہوتا تھا، جیسے صدر الصدور یا شیخ الاسلام کا عہدہ یا قاضیوں کا تقرر، ان پر اثر انداز ہوئے اور ان مناصب کے لیے بہتر لوگوں کا انتخاب کرنے میں حکومت کا تعاون کیا۔

سہر وردیہ سلسلے کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جو سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے پوتے اور ابوالفتح رکن الدین کے مجاز تھے انہوں نے سلسلہ سہر وردیہ کو پورے شمالی ہند میں پھیلایا، اور آپ کے خلفاء نے ہندوستان کے دیگر حصوں میں اس کی اشاعت کی، سلسلہ سہر وردیہ کی ہندوستان کے اندر توسیع واشاعت میں جن دوسرے بزرگوں کا اہم کردار رہا ان میں شیخ فخر الدین نے دکن میں اور سید برہان الدین قطب عالم نے گجرات میں اس سلسلے کی توسیع کی۔

سلسلہ سہر وردیہ میں دو کتابوں کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، ایک شیخ ضیاء الدین عبد القاہر کی کتاب آداب المریدین جو اس سلسلہ میں نصاب کا درجہ رکھتی ہے، اس کے علاوہ دوسری اہم ترین کتاب عوارف المعارف ہے جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے میراث اسلامی کی مشہور ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور اس میں تصوف، سلوک کے آداب، اور خانقاہی نظام پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ کچھ ملفوظات اور دوسری کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے، تاہم اصل نصاب کی کتاب یہی دونوں ہیں۔

سہر وردیہ سلسلہ کی بنیادی تعلیمات بالعموم وہی ہیں جو چشتیہ سلسلہ کی ہیں، دونوں سلسلوں کی بنیادی کتابیں بھی ایک ہی ہیں، لیکن کچھ امور میں اختلاف بھی ہے، مثلاً وحدۃ الوجود کا رویہ چشتی صوفیہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے؛ لیکن سہر وردی صوفیہ بالعموم وحدۃ الوجود کا انکار کرتے ہیں، چند صوفیہ نے اس کو تسلیم کیا ہے لیکن سلسلہ میں بالعموم اس کو قبول حاصل نہیں ہوا۔

دوسرا بڑا اختلاف حکومت کے معاملے میں ہے، سہر وردی صوفیہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں اور عوام کی فلاح وبہبودی کے لیے اس تعلق کو استعمال کرتے ہیں، حکمرانوں سے خلعت بھی لیتے ہیں جب کہ چشتی صوفیہ حکومت سے دور رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔

سلسہ سہر وردیہ کی تعلیمات

سلسلہ سہر وردیہ کی دیگر تعلیمات میں سانس بند کر کے اللہ کے نام کا ورد کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے ان کے یہاں ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں جائز ہیں، اس سلسلے میں قرآن کی تلاوت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، سہر وردیہ سلسلے میں فقر وفاقہ اور ترک دنیا کی بھی زیادہ اہمیت نہیں ہے، نفس کشی اور زہد وریاضت پر بھی اس سلسلہ میں زیادہ زور نہیں دیا جاتا، بلکہ عام طور پر رمضان المبارک کے روزے رکھے جاتے ہیں اور نفل روزوں میں صرف کچھ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مال ودولت کمانے کو اس سلسلہ میں راہ سلوک کے منافی نہیں سمجھا جاتا اور سالکین کو اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے پر ابھارا جاتا ہے، اور درباروں سے خلعت وانعام لینے کو بھی سلوک کے منافی نہیں سمجھا جاتا، سماع کے سلسلے میں ان کا موقف کافی سخت ہے، اول تو اس کی اجازت ہی نہیں دیتے اور اگر اجازت ہے بھی تو اتنی شرائط کے ساتھ ہے کہ اس کو اجازت شمار کرنا ہی مشکل ہے، سماع کی جگہ وہ تلاوت قرآن مجید کی تلقین کرتے ہیں۔

سہر وردی سلسلہ میں شعر ونغمہ کا ذوق بھی رہا ہے، اس سلسلہ کے بہت سے شیوخ شعری ذوق رکھتے تھے اور ابن الفارض جیسے عظیم صوفی شاعر کا تعلق بھی اسی سلسلہ سے تھا، شیخ سعدی شیرازی بھی اس سلسلہ سے وابستہ تھے۔ سہر وردی سلسلے میں سیر وسیاحت کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے، اس سلسلہ کے بہت سے شیوخ نے بکثرت اسفار کیے، خود شیخ شہاب ابو حفص نے متعدد ملکوں کا سفر اختیار کیا، ہندوستان میں اس سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت اپنی سیاحت اور جہاں نوردی کے لیے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے سہر وردی صوفیہ بالعموم سلاطین وحکام سے قریبی تعلق رکھتے تھے، تاکہ مبادی ومسائل دین ان کے ذہن نشین کراتے رہیں، سلطان عادل کا مقام اور اس کی ذمہ داریاں یاد دلاتے رہیں، امانتوں کو ان کے مستحق تک پہنچانے میں سلاطین کی مدد کریں، امور سلطنت کی دینی اہمیت اور نوافل وکثرت عبادت پر موثر اور پرامن نظم ونسق کی برتری ذہن نشین کراتے رہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی، دینی عہدے مثلاً صدر الصدور یا شیخ الاسلام یا مفتی شرع یا قاضی یا محتسب پر مناسب لوگوں کے تقرر کی سفارش کریں، بیت المال اور اوقاف کے نظام کو حدود شرع کے مطابق امانت داروں کے سپرد کریں، وہ کبھی کبھی سماع کی محفل میں بھی شریک ہوتے تھے، لیکن یہ ان کا وطیرہ نہیں تھا، اور اس کو شعار بنانے کی انہوں نے سخت مخالفت کی ہے۔

مریدین کو علوہمت کی طرف ترغیب دلاتے، ان کو اذکار واشغال، مجاہدہ، محاسبہ، مراقبہ، مشاہدہ، معائنہ اور مرتبہ احسان کے حصول کی طرف توجہ دلاتے، ساتھ ساتھ اپنی خانقاہوں میں اتنا اناج اور اتنا مال محفوظ رکھتے کہ ہنگامی حالات میں حوائج انسانی پوری ہوتی رہیں، بیش تر ہدایا پر ممتاز ترین علماء کی خدمات برائے تدریس حاصل کی جاتیں تاکہ وہ یکسوئی سے ذی استعداد طلبہ کو درجہ تحقیق تک پہنچا دیں۔

12.4 شطاریہ

شطاری سلسلہ ان سلسلوں میں سے ہے جن کی روایت اب تقریباً معدوم ہے اور عہد وسطی میں بھی ان کی زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں، دائرۃ المعارف میں شطاری سلسلہ کو چالاکی اور عیاری سے منسوب کرنے کی کوشش کی ہے، چونکہ لفظ شطاری کے لفظی معنی چالاکی کے ہوتے ہیں، لیکن خود اس سلسلہ کے لوگ اپنے آپ کو شطاری اس لیے کہتے ہیں کہ بقول ان کے یہ لوگ دوسرے سلسلوں کے مقابلے میں زیادہ سرگرم اور تیز گام ہوتے ہیں۔

شطاری سلسلہ بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے، ہندوستان میں اس سلسلہ کا آغاز شیخ عبداللہ شطاری سے ہوتا ہے، وہ اپنے مرشد کی ہدایت پر ایران سے ہندوستان آئے اور مختلف علاقوں میں ہوتے ہوئے مانکپور گئے، پھر جونپور گئے اور آخر میں مالوہ چلے گئے، جہاں اس سلسلہ کو ساز گار ماحول ملا اور وہاں اس کو بڑی ترقی حاصل ہوئی، اس سلسلہ کے دوسرے بڑے امام شیخ محمد علا ہوئے جو شیخ قاضی شطار کے نام سے مشہور ہیں، کہتے ہیں کہ جب شیخ عبداللہ شطاری بہار پہنچے تو انہوں نے شیخ محمد علا کو پیغام بھیجوایا کہ اس درویش نے اس خیال سے سیاحی اختیار کی ہے کہ اگر کلمہ توحید کے معنی کوئی اس سے بہتر جانتا ہے تو وہ مسافر کو تعلیم دے اور اگر ایسا نہ ہو تو بے مشقت وہ گنج توحید مسافر سے حاصل کرے، شیخ محمد علا نے جواب دیا کہ ایسے فضول گو اشخاص خراسان اور ایران سے بہت آتے ہیں، شاہ صاحب نے سن کر فرمایا کہ شیخ محمد علا کے کمالات کا ظہور مجھ ہی فضول گو کی تلقین پر منحصر ہے۔

اس کے بعد شاہ عبداللہ تو مانڈو کی طرف روانہ ہو گئے لیکن شیخ محمد علا کو خواب میں اشارہ ہوا کہ تمہاری گرہ کشائی شاہ عبداللہ سے وابستہ ہے، چنانچہ وہ وطن چھوڑ کر مانڈو روانہ ہوئے، شاہ صاحب کے دروازے پر تین روز کھڑے رہے، چوتھے روز وہ باہر تشریف لائے، سرزنش کی، امتحان لیا اور بالآخر خلعت خلافت سے سرفراز کر کے واپس روانہ کیا۔

شاہ عبداللہ شطاری کی وفات 1072 میں ہوئی، مزار مالوہ کے سابق دارالخلافہ مانڈو میں قلعہ کے اندر ہے، ان کے خلیفہ اعظم شیخ محمد علا المعروف شیخ محمد قاضن شطاری تھے، مرشد سے خرقہ خلافت پانے کے بعد انہوں نے باقی عمر اس سلسلے کی توسیع واشاعت میں بسر کی۔

شیخ محمد علا نے اپنا مرکز مظفر پور، بہار کو بنایا تھا، ان کے بعد ان کے بیٹے مخدوم منصور حلاج ان کے جانشین ہوئے، اور ان کے دوسرے بیٹوں، عبدالرحمن شطاری اور ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست شطاری نے بھی بہار کے مختلف علاقوں میں اس سلسلہ کی اشاعت کی، موخر الذکر کے مرید شیخ ظہور حاجی حمید بھی اس سلسلے کے بڑی نامور شخصیت تھے، ان کا مزار حاجی پور بہار میں ہے، انہوں نے دو بچوں کی پرورش کی تھی، ان میں ایک شیخ بہلول شطاری کے نام سے معروف ہوئے اور دوسرے شیخ محمد غوث گوالیاری کے نام سے مشہور ہوئے۔

شیخ بہلول اور شیخ محمد غوث دونوں سگے بھائی تھے، مشہور ہے کہ یہ دونوں خواجہ فرید الدین عطار کی اولاد میں سے تھے، شطاری سلسلہ کو مقبول عام بنانے میں ان دونوں بھائیوں کا سب سے اہم کردار ہے، ہندوستان میں سلسلہ شطاریہ کے سب سے مشہور بزرگ شیخ محمد غوث شطاری تھے۔

شیخ محمد غوث شطاری کے مغل حکمرانوں سے اچھے روابط رہے، جب بابر نے گوالیار پر حملہ کیا تو اس وقت شیخ محمد غوث نے مغلوں کی مدد کی اور ان کی مدد سے ہی گوالیار فتح ہوا تھا، اس طرح ان کے روابط بابر کے ساتھ اچھے ہو گئے، اور ہمایوں ان کا مرید بن گیا، بدایونی نے ہمایوں کی عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمایوں بادشاہ کو ان دونوں بھائیوں سے بڑی عقیدت تھی۔

ہمایوں کو شیر شاہ نے شکست دی تو اس کے بعد شیخ محمد غوث کے لیے بھی مشکلات کا دور شروع ہوا شیخ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ گجرات کا رخ کیا، وہاں کئی مقامات پر رہے، اس دوران شیخ علی متقی الہندی صاحب کنز العمال نے ان پر کفر کا فتوی لگایا، حاکم گجرات محمود شاہ نے شیخ وجیہ الدین گجراتی سے استصواب رائے کیا تو شیخ نے محمد غوث گوالیاری کے حق میں رائے دی اور ان کے مرید ہو گئے، اس واقعہ سے گجرات میں سلسلہ شطاریہ کی اشاعت کی راہ ہموار ہو گئی اور بڑی تعداد میں لوگ ان کے مرید ہو گئے۔

ہمایوں کے دہلی آنے کے بعد شیخ نے بھی دہلی کا رخ کیا اور اکبر کے دربار میں حاضری دی، لیکن اب بساط سیاست کچھ پیچیدہ تھی، اکبر صاحب اختیار نہیں تھا، شیخ گدائی ان کا مخالف، اس لیے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ شیخ دل برداشتہ ہو کر گوالیار چلے گئے، اکبر کی طرف سے ان کو ایک کروڑ روپیہ کا عطیہ ملا، اس سے انہوں نے گوالیار میں ایک بڑی خانقاہ تعمیر کرائی اور سماع ووجد وتواجد کا سلسلہ شروع کیا۔

شیخ محمد غوث شطاری بڑے صاحب کمالات بزرگ تھے، انہوں نے تصوف اور عرفان کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی تھیں، ان کی تصنیفات میں رسالہ معراجیہ، جواہر خمسہ، کلید مخازن، وغیرہ بہت مشہور ہیں، اپنی ایک تصنیف بحر الحیوۃ میں انہوں نے ہندو مذہب کے راہبوں اور جوگیوں کے افکار ذکر کئے ہیں۔

شیخ محمد غوث کے بعد اس سلسلہ میں عبد النبی شطاری اور غوثی مانڈوی (صاحب گلزار ابرار) مشہور ہوئے ہیں، اس سلسلہ کے دیگر مشہور لوگوں میں شاہ عبد اللہ شطاری شیخ بہاؤالدین شطاری، اور شیخ بدہن جونپوری بہت مشہور ہوئے ہیں۔ شیخ زرق اللہ مشتاقی جو واقعات مشتاقی کے مصنف ہیں، اسی سلسلہ سے وابستہ تھے۔

شطاری سلسلہ میں کوئی مستقل تصنیف بطور نصاب شامل نہیں ہے بلکہ اصل اہمیت پیر کو حاصل ہے، اس کے تلقین کردہ اذکار و اوراد کا اہتمام کیا جاتا ہے، شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، دوران سلوک جنگلوں میں رہ کر سخت ریاضتیں کی جاتی ہیں، ان کے طریقہ میں سالکین کے امتحان کا ایک عجیب وغریب طریقہ رائج ہے، جب کوئی شخص مرید ہونے آتا ہے تو اس کو کھانا اور سالن ایک ساتھ دیتے ہیں، اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، اگر وہ دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ختم کرتا ہے تو سوچا جاتا ہے کہ وہ باصلاحیت شخص ہے چیزوں کا اندازہ کر لیتا ہے اس لیے اس کو مرید کر لیتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس نظم کو صحیح صحیح طور پر باقی نہ رکھ سکے، مثلاً کھانا ختم ہو جائے یا سالن پہلے ختم ہو جائے، تو اس شخص کو بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے لیکن اس کو اسرار ہائے درونی میں شریک نہیں کرتے تھے۔

شطاری سلسلہ میں بادشاہوں سے قربت کو پسند کیا جاتا ہے، بیشتر شطاری صوفیہ یا تو خود اعلی سرکاری مناصب پر فائز تھے یا بادشاہوں سے خصوصی اور گھریلو قسم کے مراسم رکھتے تھے، شطاری سلسلہ کے صوفیہ خود بھی بادشاہوں کی سی شان وشوکت سے رہتے تھے، ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تو نقارہ بجواتے ہوئے جاتے، سامنے علم ہوتا خود شاہی لباس زیب تن کرتے اور ان کے مریدین فوجی لباس میں ہوتے،

اس طرح ان کے سلسلہ میں ظاہری شان وشوکت کو پسند کیا جاتا تھا، اور وہ بالکل بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔

دوران سلوک اس سلسلہ میں بھی سخت ریاضتیں کرائی جاتی تھیں سالکین جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں جاکر عبادت وریاضت کرتے تھے، اور اس طرح ان کو مختلف تصرفات کی بھی قدرت حاصل ہو جاتی تھی، جو اس سلسلے کے بزرگوں کی طرف بکثرت منسوب ہیں۔

سید محمد غوث گوالیاری

سید محمد غوث گوالیاری سلسلہ شطاریہ کے سب سے بڑے عالم اور صوفی تھے، انہوں نے ہی اس سلسلہ کو شہرت کے بامِ عروج پر پہنچایا، ان سے قبل یہ سلسلہ بہت محدود تھا، شیخ محمد غوث گوالیاری کے بارے میں عام طور پر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت دائمی سکر میں رہتے تھے، لیکن بظاہر ان کا سکر ایسا تھا جس پر فرزانگی بھی قربان ہو؛ چونکہ حضرت نے نہ صرف یہ کہ مغل حکمرانوں سے قریبی روابط استوار کئے بلکہ میدان جنگ میں ان کی اعانت کی اور شیر شاہ کی داروگیر سے بچنے کے لئے آپ نے ہجرت بھی کی، آپ کا انداز بود و باش رئیسانہ اور شاہانہ تھا آپ بالکل بادشاہوں کی طرح رہتے تھے، آپ جب چلتے تو طبل ونقارہ کے ساتھ چلتے تھے اور آپ کی جائیداد وغیرہ بھی کروڑوں میں تھی۔

شیخ کا ابتدائی زمانہ گوالیار میں بسر ہوا، جب مغل حکمران بابر نے گوالیار کا محاصرہ کیا اس وقت حضرت قلعہ کے اندر ہی تھے اور ان کی ترکیب سے مغل فوج نے وہ قلعہ فتح کیا تھا اس کے بعد حضرت کے تعلقات مغل حکمرانوں سے قائم ہو گئے، بابر کے بعد ہمایوں بھی حضرت کا بڑا معتقد رہا لیکن شیر شاہ سوری کے ہاتھوں ہمایوں کو شکست کھا کر ہندوستان سے جانا پڑا، اس کے بعد شیر شاہ نے ان مشائخ وصوفیہ سے بھی بدلہ لینے کی سعی کی جو مغل خاندان سے اچھے تعلقات رکھتے تھے، کئی مشائخ اس داروگیر میں پریشان کئے گئے، شیخ محمد غوث نے اپنے متوسلین اور مریدین کے ہمراہ گجرات کی طرف ہجرت کر کے اپنے آپ کو اس مصیبت سے بچایا۔ آپ تقریباً 18 سال گجرات میں رہے زیادہ وقت احمد آباد میں گزارا، ان کے قیام گجرات کے زمانے میں مشہور ہندوستانی محدث شیخ علی متقی برہانپوری نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا، شاہ محمود گجراتی نے شیخ وجیہہ الدین گجراتی سے استصواب رائے کیا لیکن انہوں نے علی متقی کے فتویٰ کی مخالفت کی اور خود بھی جاکر شیخ محمد غوث کے مرید ہو گئے، اس کے بعد ان کو گجرات میں قبول عام حاصل ہو گیا۔

ہندوستان کی بساط سیاست نے بھی اس دوران نئی کروٹ لی ہمایوں دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو گیا، اور سوری سلطنت ختم ہو گئی۔ شیخ نے بھی حالات کی تبدیلی دیکھ کر گجرات سے گوالیار کی طرف واپس کی اور پھر آگرہ بھی تشریف لائے، ہمایوں کا انتقال ہو چکا تھا، اکبر نو عمر اور بیرم خاں اتالیق تھے، شیخ گدائی صدر الصدور تھے، انہوں نے حضرت کی بعض تحریروں، خاص طور پر اس دعویٰ پر اعتراض کئے کہ انہوں نے جاگتے میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ اس پر دربار میں ان سے سوال وجواب ہوئے، غالباً اکبر بھی ان سے زیادہ متاثر نہیں تھا اس لئے ان کو دو کروڑ روپیہ دے کر گوالیار کی طرف واپس بھیج دیا، وہیں 1562ء میں شیخ گوالیاری کا انتقال ہو گیا۔

شیخ محمد غوث گوالیاری عظیم صوفی اور بڑے متبحر عالم تھے، انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ ہندو مسلم اتحاد اور مذہبوں کی روحانی بنیادوں میں یکسانیت تلاش کی، اس لئے حضرت کا طرز عمل ہندو جوگیوں کے ساتھ بڑی عقیدت اور احترام کا تھا، وہ آتے تو حضرت کھڑے

ہو جاتے تھے، حضرت کی کتابوں میں، بحر الحیات اور جواہر خمسہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے علاوہ امرت کنڈم کا ترجمہ بحر الحیات کے نام سے کیا، اس کے علاوہ رسالہ معراجیہ کلیہ مخازن، ضمائر وبصائر، دعائے سیفی اور اوراد غوثیہ ان کی اہم تصنیفات ہیں، ان میں انہوں نے اپنے روحانی تجربات بیان کئے ہیں اور خاص طور پر جواہر خمسہ میں ہندوستانی جوگ اور روحانیت پر گفتگو کی ہے۔ حضرت کی علمیت اور وسیع المشربی کی وجہ سے حضرت کی تصنیفات کو ان کے زمانے میں بھی قبول عام حاصل تھا اور بعض کتابیں آج بھی اہمیت اور ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

شیخ محمد غوث گوالیاری ترک دنیا اور سلاطین سے بے زاری کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔ دراصل ان کے طریقے میں بنیادی بات تربیت نفس ہے۔ نفس کی مخصوص تربیت کے بعد انسان کے لئے نہ کوئی عہدہ کوئی معنویت رکھتا ہے اور امراء و سلاطین سے قربت کچھ مضرت رساں ہو سکتی ہے، اس لئے انہوں نے حکمرانوں سے اچھے روابط رکھے اور بسا اوقات ان کا فائدہ بھی اٹھایا، لیکن عوام کی اصلاح و تربیت اور عام لوگوں کی روحانی ترقی سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔

12.5 شاذلیہ

سلسلہ شاذلیہ کوئی مستقل بالذات سلسلہ اس معنی میں نہیں ہے جس طرح دیگر سلسلے ہیں۔ بلکہ یہ سلسلہ ایک طرح سے قادریہ سلسلہ کی توسیع ہے، اس کے بانی سید ابوالحسن شاذلی (1196-1208) ہیں، انہوں نے حضرت عبدالسلام بن مشیش سے بیعت کی تھی جو قادریہ سلسلہ کے شیخ تھے، اس طرح یہ سلسلہ دراصل قادریہ ہی ہے، لیکن بعد میں ابوالحسن شاذلی کی قد آور شخصیت اور ان کے بعض تفردات کی وجہ سے یہ سلسلہ بھی دوسرے سلسلوں کی طرح ایک مستقل سلسلہ بن گیا۔

ابوالحسن شاذلی کی ولادت تیونس کے ایک گاؤں شاذلہ میں ہوئی اس لیے وہ شاذلی نسبت سے مشہور ہوئے، شروع میں کیمیا گری کا شوق تھا لیکن جلد ہی یہ شوق ختم ہو گیا اور انسانوں کی کیمیا گری یعنی اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوئے، بلاد اسلامیہ کا طویل سفر کیا، حرمین کی زیارت کی، افریقہ گئے، مصر میں آپ کا قیام مدتوں رہا آپ کی مجلس میں علامہ عزالدین بن عبدالسلام، علامہ ابن دقیق العید، حافظ زکی الدین منذری صاحب "الترغیب والترہیب"، ابن حاجب اور قاضی بدرالدین ابن جماعہ جیسے اساطین شریک ہوتے تھے، ابن دقیق العید فرماتے تھے کہ میں نے ابوالحسن شاذلی سے بڑا عارف باللہ نہیں دیکھا۔

شاذلیہ سلسلہ ہندوستان میں کم پھیلا اس کا زیادہ اثر افریقہ کے ممالک میں ہوا، مصر الجزائر اور تیونس میں اس سلسلہ کی بہت اشاعت ہوئی، اور ان علاقوں میں اس سلسلہ کی خانقاہیں اور اس سے وابستہ مشائخ آج بھی موجود ہیں۔

شاذلیہ سلسلہ سے وابستہ اہم شخصیات میں ابوالعباس مرسی، یاقوت عرشی، محمد ابن صباغ، محمد وفا، علی بن وفا، جلال الدین سیوطی، عبدالوہاب شعرانی، داؤد ابراہیم اسکندری، ابن عباد وغیرہ مشہور لوگ ہیں، مشہور شاعر ابن عطا اسکندری بھی اس سلسلہ کے اہم لوگوں میں شامل تھے اور ہندوستان کے مشہور محدث علی متقی الہندی جنہوں نے "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" جیسی بلند پایہ کتاب تصنیف کی وہ

بھی اس سلسلہ سے وابستہ تھے۔

سلسلہ شاذلیہ میں کوئی مخصوص کتاب تو بطور نصاب شامل نہیں ہے؛ البتہ خود ابوالحسن شاذلی کی مرتب کردہ "حزب" بہت مقبول ہے۔ بلکہ ان کی مرتب کردہ حزب البحر تو دیگر سلسلوں سے وابستہ لوگ بھی اپنے معمولات میں شامل رکھتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر حزب الحمد، حزب اللطف، حزب الاخفاء، حزب النصر، حزب البر، حزب الکفایہ، حزب الشکوی وغیرہ شامل ہیں۔

سلسلہ شاذلیہ کے بنیادی اصول پانچ ہیں، جن کو اصول خمسہ کہا جاتا ہے: (1) ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرنا (2) اقوال وافعال میں سنت کی پابندی کرنا (3) بلندی و پستی میں خلق سے بے تعلق رہنا (4) چھوٹی بڑی ہر بات میں اللہ سے موافقت کرنا (5) خوش حالی اور بد حالی ہر حال میں اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا۔

ان کے علاوہ سید ابوالحسن علی شاذلی نے تقوی، کتاب و سنت میں بتائے گئے اوامر و نواہی کی پابندی اور مکارم حسنہ سے مزین ہونے کی بھی تلقین فرمائی، آپ کی تعلیمات میں کامل استقامت، صدق مع اللہ، حسن معاملہ، عبودیت تامہ، رعایت عامہ، علوہمت، معرفت الہیہ، وصول میں پیش آنے والی رکاوٹوں پر عدم وقوف، مجاہدہ، یقین کبیر، ترک ارادہ، ترک تدبیر، تخلق باخلاق اللہ، اتباع سنت، غیر اللہ کی طرف عدم میلان، رضا بقضاء الہی، رجوع الی اللہ، توکل علی اللہ شامل ہیں، مواظبت علی الذکر کی بابت فرماتے ہیں کہ مدار اعمال یہی ہے، اس سے وصال ہوتا ہے اور اسی سے کامل درجہ کمال کو پہنچتا ہے۔

سلسلہ شاذلیہ میں ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی جاتی، بلکہ دنیاوی وسائل کے اختیار کی ترغیب دی جاتی ہے، یہ سلسلہ رہبانیت کے خلاف ہے، ریاضت و مجاہدات اور تقشف پر اس میں زیادہ زور نہیں دیا جاتا؛ بلکہ بانی سلسلہ کی نصیحت ہے کہ شیخ وہ نہیں جو تجھے تھکا دینے والی چیزوں میں الجھادے، شیخ تو وہ ہے جو تیری راحت کا خیال کرے۔

12.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- سلسلہ قادریہ صوفی سلاسل کا سب سے معروف اور قدیم سلسلہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی جانب منسوب ہے۔ تصوف کے سلاسل میں یہ واحد سلسلہ ہے جس کا مرکزی مقام ابھی تک وہی ہے جہاں سے یہ شروع ہوا تھا یعنی بغداد۔
- ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ایک شخصیت حضرت مخدوم شیخ محمد حسینی لے کر آئے۔
- قادریہ سلسلہ میں حضرت شیخ القادر جیلانیؒ کی تینوں کتابیں، فتوح الغیب، الفتح الربانی اور غنیۃ الطالبین کو بڑی اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر فتوح الغیب، سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ الفیوضات الربانیہ بھی اس سلسلہ کی اہم کتاب ہے۔
- سلسلہ قادریہ میں رائج اوراد واذکار بالعموم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے تلقین کردہ ہیں، ان کے یہاں نوافل کا بڑا اہتمام کیا جاتا ذکر خفی اور ذکر جہری کے ساتھ ساتھ درود شریف کے ورد پر اس سلسلہ میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

- سالک کے اندر کیفیات باطن کے پیدا کرنے کے لیے اس سلسلہ میں بعد میں بعض اور چیزیں بھی اختیار کی گئیں، جیسے صلوۃ غوثیہ۔ سلسلہ قادریہ میں سماع کو ناپسند کیا جاتا ہے، اور سجدہ تعظیمی، طواف مزار اور خواتین کے لیے زیارت قبور کو ناپسند کرتے ہیں۔
- ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی داغ بیل تو حضرت شاہ محمد حسینی جیلانی نے ڈالی تھی، لیکن اس بابرکت سلسلہ کو اصل فروغ ان کے فرزند حضرت مخدوم شیخ عبد القادر کے زمانے میں حاصل ہوا، حضرت مخدوم جو اپنے جد اعلیٰ حضرت غوث پاک کے ہم نام بھی تھے اور برصغیر میں اس سلسلہ کی اشاعت میں آپ نے جو کارنامہ انجام دیا اس کی وجہ سے حضرت عبد القادر ثانی کہلاتے تھے۔
- سلسلہ سہروردیہ کے بانی ابو نجیب سہروردی ہیں۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ ان کے بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردی لے کر آئے۔ اس سلسلے کے اہم بزرگوں میں بہاؤالدین زکریا ملتانی اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت شامل ہیں۔
- سلسلہ سہروردیہ میں دو کتابوں کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، ایک شیخ ضیاء الدین عبد القاہر کی کتاب آداب المریدین جو اس سلسلہ میں نصاب کا درجہ رکھتی ہے، اس کے علاوہ دوسری اہم ترین کتاب عوارف المعارف ہے جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے میراث اسلامی کی مشہور ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور اس میں تصوف، سلوک کے آداب، اور خانقاہی نظام پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔
- سہروردی صوفیہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں اور عوام کی فلاح و بہبودی کے لیے اس تعلق کو استعمال کرتے ہیں، حکمرانوں سے خلعت بھی لیتے ہیں۔ سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔ دیگر تعلیمات میں سانس بند کر کے اللہ کے نام کا ورد کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں مطلوب ہیں، اس سلسلے میں قرآن کی تلاوت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔
- سلسلہ شطاریہ بایزید بسطامی کی طرف منسوب سلسلہ طیفوریہ سے نکلا ہے۔ ہندوستان میں صوفی محمد غوث گوالیاری نے اس سلسلے کو بام عروج پر پہنچایا۔ اس سلسلے کی تعلیمات میں نفس کی تربیت کے علاہ مذہبی ہم آہنگی کی بہت اہمیت ہے۔
- سلسلہ شاذلیہ ابو الحسن شاذلی کی طرف منسوب سلسلہ ہے سلسلہ شاذلیہ کے بنیادی اصول پانچ ہیں، جن کو اصول خمسہ کہا جاتا ہے: (1) ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرنا (2) اقوال وافعال میں سنت کی پابندی کرنا (3) بلندی و پستی میں خلق سے بے تعلق رہنا (4) چھوٹی بڑی ہر بات میں اللہ سے موافقت کرنا (5) خوش حالی اور بد حالی ہر حال میں اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا۔

12.7 نمونہ امتحانی سوالات

12.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تصوف کے سلسلوں کا آغاز صدی ہجری میں ہوا۔

(a). پہلی صدی ہجری (b). دوسری صدی ہجری (c). چوتھی صدی ہجری (d). پانچویں صدی ہجری

2. شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف منسوب سلسلہ ہے۔

(a) . قادریہ (b). چشتیہ (c). سہروردیہ (d). نقشبندیہ

3. ہندوستان میں قادریہ سلسلہ بزرگ لے کر آئے۔

(a) . شیخ عبد القادر ثانی (b) . شیخ محمد الحسینی (c). شیخ عبد القاہر (d). ان میں کوئی نہیں

4. سلسلہ قادریہ کے نصاب میں کتاب کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔

(a) . عوارف المعارف (b). آداب المریدین (c). فتوح الغیب (d). مکتوبات امام ربانی

5. سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔

(a) . باقی باللہ (b) . محمد بہاؤالدین (c) . شیخ شہاب الدین (d) . ابو نجیب ضیاء الدین

6. عوارف المعارف------سلسلے کی ایک اہم تصنیف ہے۔

(a) . قادریہ (b) . چشتیہ (c) . سہروردیہ (d) . نقشبندیہ

7. بہاوالدین زکریا ملتانیؒ کا تعلق------سلسلے تھا۔

(a) . قادریہ (b) . چشتیہ (c) . سہروردیہ (d) . نقشبندیہ

8. .....سلسلے کے بزرگ سلاطین اور حکمراں سے قریبی تعلقات رکھتے ہیں۔

(a) . قادریہ (b) . چشتیہ (c) . سہروردیہ (d) . نقشبندیہ

9. سلسلہ شطاریہ-------صوفی کی طرف منسوب ہے۔

(a) . محمد غوث گوالیاری (b) . ابوالحسن شاذلی (c) . بایزید بسطامی (d) . سب صحیح

10. سلسلہ---کے بنیادی اصول پانچ ہیں، جن کو اصول خمسہ کہا جاتا ہے۔

(a) . شاذلیہ (b) . شطاریہ (c) . مولویہ (d) . رومیہ

12.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. سلسلہ قادریہ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
2. .سلسلہ سہروردیہ کے مشہور صوفیا پر تبصراتی مضمون لکھیے۔
3. سلسلہ شطاریہ کے بارے میں ایک معلوماتی مضمون تحریر کریں۔
4. سلسلہ شاذلیہ کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کریں۔
5. سلسلہ سہروردہ اور سلسلہ قادریہ کی نصابی کتب اور تعلیمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

12.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. سلسلہ قادریہ کے آغاز وارتقااور اسکی تعلیمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. سلسلہ سہروردیہ پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
3. سلسہ شاذلیہ اور شطاریہ پر ایک تبصراتی مضمون تحریر کیجیے۔

12.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تصوف اسلام : عبدالماجد دریابادی
2. عوارف المعارف (ترجمہ) : شیخ شہاب الدین سہروردی
3. فتوح الغیب (ترجمہ) : شیخ عبدالقادر جیلانی
4. تزکیہ، احسان : مولانا ابوالحسن علی الندوی
5. نزہۃ الخواطر : عبدالحئ

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 13: مشہور صوفی سلسلے (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 چشتیہ

13.3 نقشبندیہ

13.4 اکتسابی نتائج

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

اس اکائی میں ہماری کوشش ہوگی کہ تاریخ تصوف کے طالب علم کو مختلف سلسلوں کے آغاز وارتقاء کی تاریخ بتانے کے ساتھ ان صوفی سلسلوں کی اہم تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، اور ان کو بتایا جائے کہ مختلف سلسلے کن حالات میں وجود میں آئے اور کن صوفیہ نے مختلف ممالک میں کس طرح صوفی سلسلوں کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ تصوف کے مشہور سلسلوں میں سے سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے کے بانیین اور مختلف ممالک میں ان سلسلوں کے نشو نما میں کردار ادا کرنے والے صوفیا کے بارے میں گفتگو کر سکیں گے اسی طرح ان دونوں سلسوں کی خصوصی تعلیمات اور انفرادیت کا تقابل کر سکیں گے۔ ان سلاسل کی ہندوستان میں حیثیت اور اسکے ارتقاء

کے بارے میں جانیں گے۔

13.2 چشتیہ

صوفیہ کے جن سلاسل کو ہندوستان میں غیر معمولی مقبولیت ملی ان میں سلسلہ چشتیہ سب سے زیادہ مشہور ہے، سلسلہ چشتیہ کی بنیاد خواجہ اسحاق چشتی نے افغانستان کے شہر چشت میں رکھی، حضرت خواجہ اسحاق چشتی حضرت ممشاد علوی دینوری کے خلیفہ تھے۔

سلسلہ چشتیہ کو افغانستان اور ہرات کے علاقہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے بہت سے بڑے بڑے صوفیہ وابستہ رہے، خواجہ مودود چشتی بھی اس سلسلہ کے بڑے صوفیہ میں تھے، ان کے ایک خلیفہ خواجہ عثمان ہارونی ہوئے اور ان کے خلیفہ مجاز خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اس سلسلہ کو ہندوستان لے کر آئے۔

خواجہ معین الدین چشتی

خواجہ اجمیری کا اصل وطن ایران ہے۔ 13 سال کی عمر میں یتیم ہوگئے، ایک باغ ایک چکی وراثت میں ملی، آپ اس باغ کی نگہبانی کرنے لگے، لیکن اللہ نے آپ کو انسانوں کی نگہبانی کے لیے بنایا تھا اور اس کا انتظام بھی خود فرمایا، ہوا یہ کہ ایک دن ان کے باغ میں ابراہیم قلندر نامی ایک بزرگ وارد ہوئے، خواجہ نے امکان بھر ان کی خدمت کی، بزرگ نے خوش ہو کر ان کو دعا دی اور کھلی کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کو کھلا دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ دل انوار الٰہی کی تجلیات سے جگمگا اٹھا اور دنیا کی ہر چیز بے وقعت ہوگئی، اور اس کے بعد بھلا ایسے شہباز کو باغ کی نگہبانی کب تک مقید رکھتی، انہوں نے وہ باغ اور چکی فروخت کر کے راہ خدا میں خرچ کر دی اور توکلاً علی اللہ گھر سے نکل پڑے۔ سمرقند پہنچے یہاں کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل میں لگ گئے۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد مرشد کامل کی تلاش میں قصبہ ہرون کا رخ کیا اور شیخ عثمان ہرونی کی خدمت میں حاضر ہوئے، ڈھائی سال مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد مرشد کے ساتھ سیاحت کے لیے نکل پڑے، دس سال بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی، اس سیاحت میں حرمین شریفین کی زیارت کی۔ مشہور ہے کہ بارگاہ رسالت میں حاضری دی تو ندا آئی کہ 'معین الدین ہمارا دوست ہے، ہم نے اس کو قبول کر لیا اور برگزیدہ بنالیا' اور واقعہ یہ ہے کہ خواجہ کو جو قبول حاصل ہوا اس نے فرمان رسالت کو حرف بحرف ثابت کر دیا۔

مرشد سے رخصت لے کر بغداد گئے، سنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں رہے پھر بغداد میں چلہ کشی کی، سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہے۔ بغداد سے ہمدان آئے، پھر تبریز پہنچ کر شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں رہے، وہاں سے پھر مختلف بلاد و امصار کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان کا رخ کیا۔ خواجہ صاحب کو جو پیغام محبت سرزمین ہند میں پھیلانا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہاں کی مقامی زبان سے واقف ہوتے، اس لیے انہوں نے مقامی زبان سیکھی اور پھر دہلی میں فروکش ہوئے، اس کے بعد اجمیر میں بود و باش اختیار کی۔ جہاں یک سوئی سے عبادت و ریاضت اور خلق خدا کی فیض رسانی میں لگ گئے۔

اجمیر میں اس وقت رائے پتھورا کی حکومت تھی، فقیرِ بے نوا سے صاحب شوکت راجا کو خوف کھانے کی کیا ضرورت تھی، لیکن

خواجہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے راجہ کو حسد ہونے لگا اور آخر وہ خواجہ کے درپے آزار ہو گیا، لیکن اجمیر کا حکمراں اس پردیسی فقیر کو وہاں سے نہ نکال سکا اور دست قدرت نے خود اس راجہ کو ہمیشہ کے لیے اجمیر سے باہر کر دیا۔

خواجہ کے مرشد نے وقت رخصت ان کو نصیحت کی تھی: 'اے معین الدین اب جب کہ تم نے فقیری اختیار کر لی ہے تو فقیروں کی طرح عمل کرنا، وہ اعمال یہ ہیں: غریبوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آنا، ناداروں کی خدمت کرنا، برائیوں سے اجتناب کرنا اور ابتلاو مصائب میں ثابت قدم رہنا'۔ خواجہ کی زندگی اس نصیحت کی عملی تفسیر بن گئی، خواجہ نے ہر مصیبت کو ثابت قدمی سے برداشت کیا اور ہر برائی سے اجتناب کیا، غریبوں کی دست گیری، ناداروں کی خدمت اور بے سہارا لوگوں کی حوصلہ افزائی کو اپنا وطیرہ بنا لیا، حکمرانِ وقت کا استبداد بھی ان کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ پیدا کر سکا اور ہر مصیبت کے سامنے جرأت و استقلال کا کوہِ گراں ثابت ہوئے۔

ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب اور مذہب سے قطع نظر مشترکہ اقدار، بلا تفریق مذہب و ملت باہمی الفت و یگانگت اور کمزوروں اور ناداروں کی دادرسی کی جو روایت خواجہ اجمیری نے قائم کی تھی وہ ہندوستان کی شناخت بن گئی۔ ان کے مریدوں نے مستقل سلسلہ قائم کر کے ان کے فیض کو پورے ہندوستان میں پھیلایا، ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی بنا آپ نے ڈالی اور اس کو اپنی ضیاپاشیوں سے منور کر دیا۔

خواجہ اجمیری انسانوں کے محسن تھے، انہوں نے ایسے رجال کار تیار کئے، جنہوں نے ان کے پیغام کو پورے ملک میں پھیلایا۔ ان کے بعض مریدوں نے ان کے ملفوظات اور ارشادات کو بھی جمع کر لیا تھا، اس طرح ان کے ملفوظات پر مشتمل تین کتابوں میں ان کے افکار بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ رسالے ہیں: 1. انیس الارواح، 2. رسالہ در کسب نفس، 3. دلیل العارفین۔

خواجہ نے ان میں بتایا ہے کہ سلوک کی راہ کیسے طے کی جائے اور سلوک کی غایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم، بلکہ ایسے اخلاق کا نام ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو، سالک کی غایت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا جامع ہو، اس کی زندگی شریعت کی آئینہ دار ہو اور اس کا کردار اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہو، غریبوں کا حامی ہو، ناداروں کا معاون ہو اور کمزوروں کا خیر خواہ ہو۔

خواجہ فرماتے تھے کہ سلوک کے مراتب میں ارباب طریقت کے لیے مندرجہ ذیل دس شرائط کا ہونا لازمی ہے:

1. طلب حق، 2. طلب مرشد کامل، 3. ادب، 4. رضا، 5. محبت، 6. لایعنی چیزوں کا ترک کرنا، 7. تقویٰ، 8. استقامت، 9. کم کھانا اور کم سونا، 10. خلوت اختیار کرنا۔

اسی طرح راہ سلوک میں ان دس اعمال کا انجام دینا بھی ضروری قرار دیا:

1. کسی کو رنج نہ پہنچانا، 2. کسی کی برائی نہ کرنا، 3. تواضع اختیار کرنا، 4. ہر شخص سے محبت کرنا، 5. کسی کو حقیر نہ سمجھنا، 6. ہر کام میں تسلیم و رضا کا رویہ اختیار کرنا، 7. ہر مصیبت میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا، 8. قناعت اختیار کرنا، 9. توکل کرنا، 10. سوز و گداز اپنانا۔

اس طرح آپ نے اپنی شخصیت کے ذریعے اور اپنے ملفوظات کے ذریعے اپنے متوسلین کی ایسی تربیت کی جنہوں نے پورے ہندوستان میں ایک نئی روشنی پھیلا دی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء، حضرت صابر کلیری، طوطیٔ

ہند امیر خسرو، چراغ دہلی خواجہ نصیر الدین، اردو نثر کے بانی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور غرض۔ایک طویل سلسلہ ہے جس نے حضرت خواجہ اجمیری کے چشمہ فیض سے سیر اب ہو کر کتنے ہی تشنگان طریقت و معرفت کو سیر اب کیا اور ملک میں ہم آہنگی، یک جہتی اور مشترکہ اقدار کو فروغ دیا، جن کی روایت آج بھی زندہ و تابندہ ہے، ان کا پیغام محبت آج بھی عام ہے اور ان کے چشمہ فیض کا فیضان آج بھی جاری ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیریؒ ایک طویل سیاحت کر کے لاہور ملتان اور دہلی ہوتے ہوئے اجمیر میں قیام پذیر ہوئے اور مدت العمر اسی شہر میں مقیم رہے، یہاں رہ کر آپ نے اس سلسلہ کو بر صغیر میں پھیلایا، اور اس کی تعلیمات کے ذریعہ دکھی دلوں کے لیے مرہم کا کام کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین کے بہت سے خلفاء و مجازین ہیں؛ لیکن چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں دو خلفاء کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے، ایک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دوسرے حضرت صوفی حمید الدین ناگوری۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اس سلسلہ کو دہلی اور دیگر مرکزی شہروں میں پھیلایا اور صوفی حمید الدین ناگوری نے راجستھان کی سرزمین میں خاص طور پر دیہات میں اس سلسلہ کی اشاعت کی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عہد تک یہ سلسلہ دہلی اور اجمیر تک محدود تھا؛ لیکن پھر اس سلسلہ کی اشاعت میں ایک انقلاب آیا، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید ہوئے اور انہوں نے اس سلسلہ کو پنجاب میں پھیلایا اور انہی کی ذات سے اس سلسلہ کی دو شاخیں نکلیں جنہوں نے اس سلسلہ کی روایت کو آج تک جاری رکھا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے ایک خلیفہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء ہوئے جن سے اس سلسلہ کی شاخ چشتیہ نظامیہ کا آغاز ہوا، دوسرے خلیفہ مخدوم علاو الدین صابر کلیری ہوئے ان سے اس سلسلہ کی شاخ چشتیہ صابریہ کا آغاز ہوا۔ ان دونوں شاخوں نے ہی اس سلسلہ کی اشاعت میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ تاہم زیادہ خدمات چشتیہ نظامیہ کی ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء کا مستقل قیام دہلی میں تھا، اور یہاں آپ نے اس سلسلہ کی اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں، آپ کے مریدین و تلامذہ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں گئے اور سلسلہ چشتیہ کو مختلف صوبوں میں پھیلایا۔

حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء میں شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج بنگال تشریف لے گئے اور وہاں اس سلسلہ کی اشاعت کی، ان کے خلیفہ شیخ علاء الحق بن اسعد ہوئے، ان کے دو خلفاء سید اشرف جہانگیر سمنانی اور سید نور قطب عالم کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور انہوں نے اس سلسلہ کو بنگال، بہار اور مشرقی یوپی میں پھیلایا، اور ان کے اثرات اب بھی اس علاقے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو گجرات میں خواجہ قطب الدین اور شیخ حمید الدین نے پھیلایا، ان کے بعد سید حسام الدین ملتانی اور شیخ بارک اللہ نے اس کی اشاعت کی؛ لیکن گجرات میں اس سلسلہ کو زیادہ مقبولیت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بھتیجے علامہ کمال الدین کے ذریعہ ملی۔

شیخ برہان الدین غریب نے اس سلسلہ کو دکن میں پھیلایا ان کے مرید شیخ زین الدین علاؤالدین کو دکن میں بڑی قبولیت حاصل ہوئی، بہمنی سلطنت میں ان کو بڑا رسوخ حاصل تھا، ان کے بعد خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ایک خلیفہ سید محمد گیسو دراز کے ذریعہ اس سلسلہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، آپ نے دکن میں پہلگام تک سلسلہ چشتیہ اور اسلام کی اشاعت کی، گلبرگہ میں انہوں نے ایک عظیم الشان مرکز قائم کیا، جس کی ضیاپاشی آج بھی روزافزوں ہے۔

سید محمد گیسو دراز جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے بھی معروف ہیں ان کا کارنامہ صرف چشتیہ سلسلہ کی اشاعت نہیں تھا، بلکہ تاریخ میں وہ اپنے دیگر کارناموں کی وجہ سے بھی معروف ہیں، خاص طور پر اردو نثر کی پہلی کتاب لکھ کر انہوں نے اردو نثر نگاری کا آغاز کیا، ان کی کتاب معراج العاشقین اردو نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے، دکن کے علاوہ مالوہ اور مدھیہ پردیش کے علاقوں میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت شیخ وجیہ الدین اور مولانا کمال الدین وغیرہ نے کی، مالوہ کے علاقہ مانڈو میں مولانا مغیث الدین جابے اور شیخ وجیہ الدین چندیری میں آباد ہو گئے۔

اس طرح حضرت محبوب الٰہی اور ان کے مرید حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلفاء نے بالکل شروع میں ہی اس سلسلہ کو ہندوستان کے اکثر گوشوں میں پہنچا دیا تھا، اور اس کے مراکز رشد وہدایت کا مرکز بن گئے، جہاں سے ہر علاقے میں فیضان علم ورشد جاری ہوا۔

سلسلہ چشتیہ کی خانقاہیں صدیوں تک لوگوں کی رہنمائی کے مرکز بنی رہیں؛ لیکن اس سلسلہ میں پھر اس پائے کی کوئی شخصیت کئی صدیوں تک پیدا نہیں ہوئی، دور آخر میں اس سلسلہ میں ایک عظیم شخصیت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے اس سلسلہ میں نئی روح پھونکی، اور انہوں نے بعض نئے اضافے بھی کیے ان کے بعد میں شاہ فخر الدین نے بھی اس سلسلے کو مزید فروغ دیا۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت ہندوستان میں سب سے زیادہ ہوئی، اس سلسلے کی دوسری شاخ سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی یہاں پھیلی، خاص طور پر شمالی ہند میں اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی، شیخ عبد القدوس گنگوہی اس سلسلہ کے سب سے مشہور فرد تھے، انہوں نے سب سے پہلے رودولی میں مرکز قائم کیا تھا، اس کے بعد دہلی کے نواح میں شاہ آباد میں قیام کیا اور مغلوں کی فتح کے بعد انہوں نے گنگوہ میں قیام کیا، اور وہیں مدفون ہوئے، اس پورے علاقے میں ان کے غیر معمولی اثرات ہیں۔ اور ان کی وسیع المشربی کی وجہ سے وہ اب بھی ہر دل عزیز ہیں۔ اس سلسلہ کو پنجاب میں شیخ جلال الدین تھانیسری اور شیخ نظام الدین فاروقی کے ذریعہ فروغ ملا اور جہانگیر کے عہد تک پنجاب کے علاوہ مغربی یوپی میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔

شاہجہاں کے عہد میں چشتیہ صابریہ سلسلہ کے اندر شاہ محب اللہ الہ آبادی جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا ظہور ہوا، انہوں نے ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کو بڑے پرزور انداز میں پھیلایا، اس نظریہ کی شرح وتفصیل پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں تسویہ سب سے مشہور ہے، اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کتاب کو جلاڈالنے کا حکم دیا تھا، اور ان کے مذہبی نظریات پر نکتہ چینی کی تھی۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں شاہ محب اللہ الہ آبادی کے بعد شاہ عبدالرحیم ایک عظیم شخصیت پیدا ہوئے جنہوں نے سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جہاد میں حصہ لیا۔ اور بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اس شاخ کی اشاعت کا کام کیا ان کی متعدد کتابیں بھی ہیں۔ ان کے تین خلفا مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ ان کے ذریعہ اس سلسلہ کی اشاعت ہندوستان اور بیرون ہندوستان بڑے پیمانے پر ہوئی۔ علماء دیوبند، مظاہر العلوم، ندوۃ العلماء اور تبلیغی جماعت وغیرہ سب اسی چشتیہ صابریہ سلسلے کی توسیع ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت تمام صوفی سلاسل میں سب سے زیادہ ہوئی، اور اس کی خدمات بھی سب سے زیادہ ہیں، اس لیے اس سلسلہ کی اشاعت کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا گیا، سلسلہ چشتیہ میں جو نصاب تربیت وضع کیا گیا ہے اس میں کتابی اعتبار سے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف کا رواج ہے، یہ کتاب شروع سے ہی اس سلسلہ میں رائج رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب کو بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت دی جاتی ہے، لیکن اصل ہدایت نامہ اور نصاب تربیت کی کتاب عوارف المعارف ہی سمجھی جاتی رہی ہے۔

عوارف المعارف کے علاوہ حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید اور حضرت نظام الدین اولیاء نیز حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات جو مشائخ چشت کی اصطلاح میں "ہشت بہشت" کہلاتے ہیں ان کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر اکثر سلاسل کی طرح وحدۃ الوجود کو خاص اہمیت حاصل تھی، وحدت الوجود کے معاملے میں چشتیہ صوفیہ پر ابن عربی کا اثر ہے، شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور شاہ محب اللہ الہ آبادی تو اس نظریہ کے زبردست شارح رہے ہیں، علماء دیوبند میں سے مولانا اشرف علی تھانوی نے وحدت الوجود کی حمایت کی۔

توحید کے بعد دوسرا مقام توکل کا ہے، توکل کا مفہوم حضرات چشتیہ یہ لیتے ہیں کہ سالک کی ملکیت میں کوئی چیز نہ رہے، تمام دنیاوی مال و اسباب کو راہ خدا میں خرچ کر کے سلوک کی منزل کا آغاز کرے، سالک کے لیے جس طرح ملکیت رکھنا ناپسندیدہ ہے اس طرح کوئی دوسرا دنیاوی وسیلہ رزق رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے، حتی کہ بھیک مانگنا تو ایک بڑا جرم ہے، صرف توکل علی اللہ پر گذارہ کیا جائے، یا پھر فتوحات قبول کی جاسکتی ہیں۔

حکومت سے دوری برقرار رکھنے کا اصول بھی چشتیہ سلسلہ میں شروع سے رائج رہا ہے، اور حضرات چشتیہ کی سوانح حیات میں بادشاہوں سے دور رہنے کے واقعات اور ان سے دوری بنائے رکھنے کے بہت سے حیران کن واقعات درج ہیں۔ چشتی صوفیہ کا مسلک صلح کل کا مسلک تھا، اور امن و آشتی پر وہ بہت زور دیتے تھے۔ مذاہب کے سلسلے میں ان کا رویہ تھا کہ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے (ہر قوم کا اپنا سیدھا راستہ ہوتا ہے اور اپنا دین اور اپنی قبلہ گاہ ہوتی ہے)

چشتی صوفیہ کا پانچواں اصول یہ تھا کہ زندگی کی غایت صرف ذکر و فکر الٰہی ہے، اللہ تعالی کو یاد کرنا، اس کے ذکر کو عام کرنا اور راہ حق سے برگشتہ لوگوں کو ذکر الٰہی کی حلاوت سے راہ حق پر گامزن کرنا ان کی نظر میں زندگی کا مقصد تھا۔

چشتی تعلیمات میں تخلیہ (رزائل سے نجات) اور تحلیہ (فضائل اخلاق سے آراستگی) کے ذریعہ تجلیہ (آئینہ قلب کی جلا) کی جاتی ہے، اور ذکر الہی کی مداومت، مجاہدات، مراقبات، مشاہدات اور اذکار و اوراد کے ذریعہ معائنہ ذات تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ علم الیقین کو حق الیقین اور اجمالی معرفت کو تفصیلی معرفت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور فناء و بقاء کے ذریعہ فناء الفنا کے مقام تک پہنچنے کی سعی کی جاتی ہے اور تواضع و انکساری اور حب شرعی کا حصول کیا جاتا ہے۔

مقام فناء اور حق الیقین کے حصول کے لیے اس سلسلے میں 5 طریقے اختیار کیے جاتے ہیں (1) ذکر جہری یعنی مقررہ اوقات میں خدا کا بالجہر ذکر کیا جاتا ہے۔ (2) ذکر سری: یعنی خاموشی کے ساتھ ہر وقت اللہ تعالی کا ذکر کرنا۔ (3) پاس انفاس یعنی ہر سانس میں ذکر الہی کرنا۔ (4) مراقبہ یعنی اپنے اعمال و افعال کی ہمہ وقت نگرانی کرنا اور استغراق کی کیفیت میں رہنا۔ (5) چلہ یعنی وقت فارغ کر کے چالیس دن کسی گوشے میں لگاتار عبادت الہی میں مصروف رہنا

13.3 نقشبندیہ

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین البخاری (717۔ / 7901317۔1389) ہیں بخارا کے قریب ایک گاؤں جو پہلے کشک ہندواں کہلاتا تھا اس میں ان کی ولادت ہوئی، بعد میں اس کا نام کشک عارفاں ہو گیا، نسبت نقشبندیہ کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے "علم الہی کی لاثانی تصویر کھینچنے والا" بعض نے لکھا ہے "اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا' بعض نے اس کی اور بھی تشریحات کی ہیں۔

خواجہ محمد نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اس کے بعد 18 / سال کی عمر میں محمد بابا السماسی سے تصوف کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے السماس گئے، دراصل اس دوران حضرت خواجہ نے وہ طریقہ اختیار کیا جو ان کی انفرادیت کا سبب بنا، اور اس طرح طریقہ نقشبندیہ کا آغاز ہوا۔ انہوں نے بعض طریقوں میں اپنے مرشد سے اختلاف کیا اور نئی راہ نکالی، مرشد نے شروع میں تو ناراضگی ظاہر کی لیکن بعد میں ان کی تصویب کرتے ہوئے ان کو خلافت دے دی۔

خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہ وسطی ایشیاء کے متعدد ملکوں میں سیاحی کرتے رہے، امیر کلال کے خلیفہ عارف الدیک گرانی کی صحبت میں رہ کر سلوک کے مزید مدارج طے کیے، اس کے بعد شاہی ملازمت کی۔ ابن بطوطہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بارہ سال شاہی ملازمت کرنے کے بعد انہوں نے تقریباً 14 سال خدمت خلق میں بسر کی اور آخر عمر میں آبائی وطن میں مقیم ہو گئے وہیں ان کا انتقال ہوا۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبند نے ایک بھرپور سیاسی، سماجی، رفاہی اور صوفیانہ زندگی بسر کی، وہ ایوان حکومت میں بھی اعلی عہدوں پر فائز رہے اور سماجی خدمات میں لوگوں کی امداد، حاجت مندوں کی حاجت روائی، درویشوں کی خدمت، جانوروں کی خدمت حتی کہ سڑکوں اور راستوں کی مرمت و صفائی وغیرہ میں بھی مصروف رہے اور بانی سلسلہ کی زندگی کا یہ عکس ان کے پورے سلسلے میں نظر آتا ہے۔ نقشبندی

صوفیہ نے حکومت سے تعلق کو کبھی شجر ممنوعہ نہیں سمجھا اور سماجی خدمت اور لوگوں کے فائدے کے لیے دنیاوی وسائل کے استعمال کو بھی نہ صرف پسند کیا بلکہ مستحسن گردانا۔

حضرت خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین بخاری نقشبندی جو خواجہ بہاؤالدین محمد کے نام سے بھی مشہور ہیں، انہوں نے اس سلسلہ کی کی داغ بیل ڈالی اور اس کے اصول و آداب وضع کیے اور اس کو وسطی ایشیاء میں پھیلایا، ان کے بعد خواجہ عبید اللہ احرار، خواجہ محمد زاہد حضرت خواجگی امنگی اور درویش محمد نے اس سلسلہ کی اشاعت کی۔

ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ لے کر آئے، حضرت خواجہ باقی باللہ کو مہلت عمر بھی کم ملی اور ہندوستان میں ان کا قیام بہت مختصر وقت کے لیے ہوا، صرف چار سال وہ یہاں رہے اور 39 سال کی عمر میں 1603 میں ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا قیام دہلی میں تھا اور اس وقت حکومت کا مرکز آگرہ تھا یہاں رہ کر حضرت خواجہ کی شخصیت سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی بہت متاثر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا اصل نام خواجہ عبد الباقی تھا، والد کا نام عبد السلام اور بدخشاں کے رہنے والے تھے، آپ کی ولادت کابل میں 971ھ کے قریب ہوئی، مولانا محمد صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا، حضرت کی طبیعت میں کچھ ایسی بے چینی اور بے قراری تھی کہ کتابی علم اس کی تسکین کے لئے ناکافی تھا، آخر شدید اندرونی داعیہ کے سبب درسیات کی تحصیل ترک کرکے حصول علم باطن میں سرگردانی اختیار کی، متعدد اکابر مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، توبہ کی، بیعت کی لیکن طبیعت کو مطلوبہ استقامت نہ مل سکی، متعدد مرتبہ توبہ شکنی کی اور نئے مرشد کی تلاش میں سرگردانی اختیار کی۔ اسی درمیاں خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا، اس سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ باب کبروی سے مستفید ہوئے اور خواجہ عبید اللہ امراء کی کتب و رسائل سے استفادہ کرتے رہے، اس کے بعد شیخ محمد امکنگی سے ملاقات ہوئی اور طبیعت سلسلہ نقشبندیہ کے طریقہ پر جم گئی اور اس طریقہ کے ہو رہے۔

باطنی علوم کی تکمیل اور منازل سلوک کی راہ پیمائی کے بعد آپ نے اس سلسلہ کی اشاعت شروع کی، پہلے ماوراء النہر میں لوگوں کی اصلاح کرتے رہے، پھر ہندوستان کا رخ کیا اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، جذبہ دروں بے تحاشا تھا، آپ کی رباعیات میں ان کے جذب باطن کی جھلک ہر صاحب ذوق محسوس کر سکتا ہے، اس کے ساتھ کسر نفسی بے انتہا تھی، علماء و فضلاء کا غایت درجہ اکرام کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی کی باطنی کیفیات کو محسوس کرکے ایک مرتبہ ایک خط میں تحریر فرمایا کہ شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے گم ہو جائیں گے۔

انکسار اور تواضع کی وجہ سے اکثر لوگوں کو خاص طور پر اہل علم کو ذکر کی تلقین سے بھی اعراض فرماتے تھے، بعض لوگوں نے اپنے مرید ہونے کے واقعات کو جس انداز میں لکھا ہے وہ پوری ایک داستان ہے، اس کے ساتھ حضرت خواجہ میں تحمل و بردباری بھی اعلیٰ درجہ کی تھی، ایک واقعہ مولانا کشمی نے لکھا ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا جو بڑے فسق و فجور میں مبتلا تھا، لیکن آپ اس کی ہر چیز کو

برداشت کرتے رہتے تھے، آخر آپ کے ایک مرید نے اس کی شکایت کر کے حکام سے اسے گرفتار کرادیا، حضرت کو خبر ہوئی تو مرید پر برہم ہوئے اور پوچھا کہ تم نے کیوں اس کی شکایت کی؟ اس نے کہا حضرت وہ بڑا فاسق و فاجر تھا اس لئے میں نے ایک حاکم سے اس کی شکایت کر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی تم اہل صلاح و تقویٰ ہو اس لئے تم کو اس کا فسق و فجور نظر آگیا، ہم نے اپنے آپ کو کبھی اس سے بہتر نہیں سمجھا اس لئے ہم نے اس کی کبھی شکایت بھی نہیں کی۔ اس کے بعد آپ نے کوشش کر کے اس نوجوان کو رہا کرایا، وہ حضرت کے اس احسان سے اتنا متاثر ہوا کہ حضرت کا مرید ہو کر تمام فسق و فجور سے تائب ہو گیا۔

صاحب زبدۃ المقامات نے حضرت کے ایسے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت کی تواضع، انکساری، تحمل، بردباری اور فروتنی نیز مخلوقات سے محبت اور شیفتگی کی علامت ہیں۔

حضرت کا اصل کارنامہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی تربیت ہے، حضرت خواجہ باقی باللہ نے حضرت مجدد کی ایسی تربیت فرمائی اور سلسلہ نقشبندیہ کو ان کی شکل میں ایسا آفتاب و ماہتاب عطا کیا کہ یہ سلسلہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا، اور اس کی ضیاپاشی سے سارا مشرق روشن ہو گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کو قدرت کی طرف سے گویا اسی کام کے لئے مامور کیا گیا تھا، آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا، اس کے بعد فوراً بعد ہی داعی اجل کا پیغام آن پہنچا اور صرف چالیس سال کی عمر میں 14 جمادی الآخر 1014ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا، مزار مبارک دہلی میں ہے اور ہنوز زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے اصل تصنیفی کام انسانوں کی تصنیف یعنی تربیت رجال کا کیا تھا، صفحہ قرطاس پر روئے خامہ سے انہوں نے بہت کم لکھا، صرف چند رسائل اور کچھ رباعیات ہیں، لیکن ان سے بھی حضرت کے جذب و شوق، ذوق و استغراق اور علمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت کے چند ملفوظات یہ ہیں:

حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی سالک مقام معصیت میں پھنسا ہوا ہے، یا دنیا کی طرف اس کی رغبت کم نہیں ہوتی تو اس کے اندر درج ذیل اسباب میں سے کوئی سبب ضرور ہو گا۔

1. یا وہ بقدر ضرورت معاش پر قانع نہیں ہو گا۔
2. یا عوام کے ساتھ اس کا اختلاط زیادہ ہو گا۔
3. یا اس کے اوقات ذکر الٰہی سے معمور نہیں ہوں گے۔
4. یا وہ خدا سے غیر خدا کا طالب ہو گا۔
5. یا اس کے مجاہدہ نفس میں کمی ہو گی۔
6. یا وہ اپنے احوال و مقامات اور اپنی قوت کو سراہتا ہے۔
7. یا پھر ازلی احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا ہو گا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ توکل یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے، یہ تو بے ادبی ہے، توکل کا مطلب ہے سبب کو قائم کرنا، لیکن سبب کو اصل نہ سمجھنا، سبب دراصل دروازے کے قفل کے درجے میں ہے۔

ان کا بڑا کارنامہ شیخ احمد سرہندی کی تعلیم و تربیت تھا، شیخ احمد سرہندی سفر حجاز کے ارادہ سے دہلی آئے لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ کی پر اثر شخصیت نے ان کو بہت متاثر کیا، دوڈھائی مہینہ ان کی صحبت میں رہ کر واپس سرہند آگئے اور انسانوں کی گلہ بانی کا ارادہ فرمایا، حضرت شیخ احمد سرہندی جو تاریخ میں مجدد دالف ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کے بارے میں ان کے پیر خواجہ باقی باللہ فرماتے تھے کہ شیخ احمد ایسا آفتاب ہے جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔

خواجہ باقی باللہ کے انتقال کے بعد ان کی خلافت شیخ احمد سرہندی کو ملی اور وہ سلسلہ نقشبندیہ کے لیے سچ مچ میں آفتاب ہی ثابت ہوئے، انہوں نے اس سلسلہ کو نہ صرف ہندستان بلکہ عالم اسلام کے دیگر گوشوں تک پھیلایا۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنے افکار اور سلسلہ کی اشاعت کے لیے ایک اجتہادی طریقہ اختیار کیا، انہوں نے ایک طرف تو اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت کی، دوسری طرف خطوط کا سلسلہ شروع کیا، وہ نہایت تفصیلی خطوط لکھتے تھے جن میں بعض مستقل کتابچے ہیں، ان خطوط کے ذریعہ اپنے افکار کو وہاں تک لے جاتے جہاں تک خود ان کے لیے پہنچنا ممکن نہیں تھا، یہ خطوط بڑی تعداد میں دستیاب ہیں اور مکتوبات امام ابانی کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ ان پر بہت سے مطالعات بھی ہوئے اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی نے نقشبندیہ سلسلہ کی اشاعت میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں، سلطان جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ "شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گیے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مریدین اور خلفاء کو ملک کے مختلف حصوں میں متعین کیا تاکہ اس سلسلے کی توسیع کا کام کریں اور کچھ اہم خلفاء کو ہندوستان کے اہم شہروں جیسے لاہور، دہلی آگرہ، سہارنپور، بدایوں، جونپور، الہ آباد، مکن پور، پٹنہ، منگل کوٹ (بنگال) اور برہان پور وغیرہ میں متعین کیا تاکہ سلسلہ کی اشاعت کے کام کو منظم طریقہ پر کیا جاسکے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ واحد سلسلہ ہے جو آیا تو ہندوستان کے باہر سے ہی جیسے کے دوسرے سلاسل آئے، لیکن پھر ہندوستان سے دوبارہ باہر گیا اور بلاد اسلامیہ میں پھیلا، اس کے اثرات آج تک ترکی، افغانستان، مصر اور دیگر مسلم علاقوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی نے اس سلسلہ کو ہندوستان سے باہر پھیلانے کے لیے بہت سے مریدین کو ہندوستان کے باہر بھی بھیجا، مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ستر مریدین ترکستان کی طرف روانہ ہوئے، چالیس مرید حضرت مولانا فرخ حسین کی قیادت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس مرید مولانا محمد صادق کابلی کے زیر قیادت کاشغر کی طرف گئے اور تیس خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں، اور خراساں گئے اور ان حضرات کو اپنے اپنے مقامات پر بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بندگان خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا، بہت سے نامی گرامی علماء مشائخ جو اپنے اپنے مقامات پر بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سفر کی دشوار گذار منزلیں طے کر کے سرہند حاضر ہوئے اور بیعت و استفادہ سے مشرف ہوئے، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد شیخ طاہر بدخشی، طالقان کے جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد برس، مولانا یار محمد اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو اجازت عطا فرما کر دعوت و ارشاد کے لیے اپنے اپنے مقامات پر واپس کیا۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی اس سلسلہ کی توسیع و اشاعت کے لیے حضرت مجد دالف ثانی نے بڑی جدوجہد کی، خواجہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا کر کے دکن بھیجا، ان کی خانقاہ میں کئی سو سوار اور بے شمار پیادے ذکر و مراقبہ کے لیے حاضر ہوتے تھے، شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرما کر پہلے سہارن پور پھر شاہی لشکر گاہ آگرہ میں متعین کیا ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بڑے بڑے امراء کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی تھی، میر محمد نعمان کشمی کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے تجویز بیعت و اجازت نامہ مرحمت فرما کر برہان پور روانہ کیا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے۔ شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لیے روانہ کیا، شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا اور ان سے اس دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا، شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کرا کے بنگال روانہ کیا، شیخ طاہر بدخشی کو تعلیم و تربیت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا، مولانا احمد برکی کو تعلیم و تربیت کے بعد پٹنہ روانہ کیا، شیخ نور محمد کو دریا گنگا کے کنارے بیعت و ارشاد کے لیے متعین کیا، شیخ حسن برکی بھی اپنے وطن میں اشاعت طریق و سنت پر مامور تھے، سید محب اللہ مانکپوری کو خلافت عطا کر کے مانکپور روانہ کیا، بعد میں وہ حضرت کی اجازت سے الہ آباد میں مقیم ہو گئے۔ اور شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی کو ان کے وطن میں مقرر کیا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقشبندیہ سلسلہ کو حضرت مجد دالف ثانی نے بڑی جدوجہد کر کے پورے ہندوستان اور بلاد اسلامیہ میں پھیلایا۔ اس سلسلہ میں حکومت سے روابط کو بھی ممنوع نہیں سمجھا جاتا تھا، اس لیے حضرت مجد دالف ثانی نے معسکر کے دوران قیام خود جہانگیر کو بھی متاثر کرنے کی کوشش اور بہت سے دیگر امراء کو بھی خطوط لکھ کر اور بالمشافہ بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسلام کی اشاعت میں تعاون کریں، چنانچہ ایسے بہت سے خطوط آپ کے مجموعہ خطوط میں شامل ہیں۔

حضرت مجد دالف ثانی کی وفات کے بعد خواجہ معصوم ان کے جانشین ہوئے اور انہوں نے بھی اس سلسلے کی اشاعت کی، انہوں نے بھی اپنے والد کا طریقہ اختیار کیا اور مختلف علاقوں میں اپنے مریدین کو خطوط کے ذریعہ منظم کیا، ان کے مکاتیب کا مجموعہ مکتوبات خواجہ معصوم کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

حضرت خواجہ معصوم کے بعد اس سلسلہ میں مرزا مظہر جان جاناں ایک عظیم شخصیت گذرے ہیں، ان کے علاوہ شاہ غلام علی بھی اس سلسلے کے بڑے اولیاء میں سے ہیں، اس سلسلے میں اور بھی کئی نامور شخصیات گذریں ہیں، لیکن اس سلسلہ کو جو وسعت حضرت خواجہ سرہندی کے عہد میں ہوئی، وہ بعد میں نہیں ہوئی۔

سلسلہ چشتیہ میں جس طرح حکومت سے دور رہنے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، اس طرح سلسلہ نقشبندیہ میں حکومت شجر ممنوعہ نہیں ہے، بلکہ حکومت کو اور حکومت کے افراد کو دین کی اشاعت اور اپنے افکار کی توسیع کے لیے استعمال کیا گیا، بہت سے امراء اس سلسلہ سے وابستہ ہوئے اور اورنگ زیب عالمگیر کو تو اس سلسلہ سے بڑی عقیدت تھی، وہ خود خواجہ معصوم کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔

نقشبندیہ سلسلہ میں سب سے اہم کتاب شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات ہیں جو مکتوبات امام ربانی کے نام سے مشہور ہیں، یہ مکتوبات

تین جلدوں میں ہیں اور حضرت کے کئی مریدوں نے مرتب کیے ہیں۔ ان کے علاوہ مکتوبات خواجہ معصوم سرہندی بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے، متقدمین کی کتابوں میں سے الرسالہ القشیریہ کا مطالعہ بھی ان کے یہاں معمول میں رہا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی افکار بانی سلسلہ نے حضرت عبد الخالق غجدوانی سے اخذ کیے تھے اور بعد میں ان میں کچھ اضافہ کر کے اس کو سلسلہ نقشبندیہ کا بنیادی نصاب اور اس کی بنیادی خصوصیت بنایا، حضرت عبد الخالق غجدوانی کے یہاں یہ آٹھ الفاظ تھے جو اصول ہشتگانہ کہلاتے ہیں:(1) ہوش دردم (2) نظر بر قدم (3) سفر دروطن، (4) خلوت درانجمن (5) یاد کرد(6) بازگشت (7) نگاہ داشت (8) یادداشت، حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند نے اس پر تین کلمات یا اصولوں کا مزید اضافہ کیا یعنی:(9) وقوف عددی (10) وقوف زمانی (11) اور وقوف قلبی۔

اس طرح نقشبندیہ سلسلہ میں یہ گیارہ بنیادی اعمال وافکار ہیں، ان کی مختصر تشریح اس طرح ہے :

(1) ہوش دردم : ایک بھی سانس بے خبری کے عالم میں نہ لیا جائے

(2) نظر بر قدم : نظر اپنے قدموں پر رہے تاکہ حصول منزل میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے

(3) سفر دروطن : اپنے مقام پر رہتے ہوئے سفر اختیار کرنا

(4) خلوت درانجمن : محفل میں بھی اپنی لو صرف اللہ سے لگائے رکھنا

(5) یاد کرد : دل وزبان سے اللہ تعالی کو یاد کرتے رہنا

(6) بازگشت : دل ودماغ میں ہر وقت اللہ کے ذکر کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہے

(7) نگاہ داشت : اپنے اعمال پر ہر وقت نگرانی رکھنا،

(8) یادداشت : اللہ تعالی کو ہر وقت اور ہر حالت میں یاد رکھنا

(9) وقوف زمانی : اپنے قول وفعل کا ہر وقت تجزیہ کرتے رہنا

(10) وقوف عددی : ذکر کے شمار کے ذریعہ دماغ کو بھٹکنے سے روکا جائے

(11) وقوف قلبی : خدا کی یاد اس طرح کی جائے کہ اس کے دل میں کوئی دوسرا خیال نہ آنے دیا جائے

حضرت عبد الخالق غجدوانی جن سے بانی سلسلہ نے یہ افکار اخذ کیے انہوں نے ایک موقعہ پر حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند کو کچھ نصیحتیں کی تھیں، وہی نصیحتیں بانی سلسلہ نے بطور بنیاد تسلیم کر لیں، اور ان میں ضروری ترمیمات بھی کیں، انہوں نے فرمایا کہ:

"تقوی کو اپنا شعار بناؤ، وظائف وعبادات کی پابندی کرو اور احوال کی نگہبانی، اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، حقوق اللہ، حقوق الرسول، حقوق الوالدین، حقوق المشائخ کی ادائیگی کی سعی کرتے رہو تاکہ رضائے الہی سے مشرف ہو جاؤ۔۔۔ قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے یا آہستہ تفکر، خوف اور گریہ کے ساتھ پابندی سے کرو، تمام امور میں قرآن کی پناہ لو کہ وہ بندوں پر حق تعالی کی حجت ہے، علم فقہ اکابر علم

حدیث سے سیکھو، جاہل صوفیوں سے دور رہو کہ وہ دین کے راہزن ہیں، اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف کے مسلک کو اختیار کرو، عورتوں، نوعمر لڑکوں، بدعتیوں اور دولت مندوں سے محبت مت رکھو، کیونکہ یہ دین کو برباد کر دیتے ہیں، فقراء کی صحبت، خلوت نشینی، رزق حلال اور قناعت اختیار کرو، حق تعالی کے جلال کا استحضار رکھو، یوم حساب کو فراموش نہ کرو، نہ کسی کی مدح سے مغرور ہو اور نہ کسی کی مذمت سے غمگیں، لوگوں سے حسن خلق سے پیش آؤ، نہ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو اور نہ اس کی رحمت سے نا امید ہو، کثرت سے نماز پڑھو، روزے رکھو، مشائخ کی خدمت کرو، ان میں سے کسی کا انکار نہ کرو؛ الا یہ کہ وہ مخالف شرع ہو، جوانمرد اور سخی بنو، بخل وحسد سے بچو، نفس کی ضرورتوں کا خیال رکھو، لیکن نفس کی عزت اور لایعنی کلام سے بچو، کم بولو، کم کھاؤ، اور کم سوؤ۔ سماع میں بہت نہ بیٹھو کہ سماع کی کثرت سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور دل مردہ، سماع کا انکار بھی نہ کرو، سماع جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو، چاہیے کہ تمہارا دل غمگین، بدن بیمار، آنکھیں اشکبار، عمل خالص، دعا مجاہدہ کے ساتھ، کپڑا پرانا، رفیق درویش، گھر مسجد، مال کتب دین، آرائش زہد اور مونس باری تعالی ہو، اس شخص کی صحبت اختیار کر جس میں پانچ خصلتیں ہوں: (1) فقیری کو امیری پر ترجیح دے (2) دین کو دنیا پر ترجیح دے (3) ذلت کو عزت پر ترجیح دے (4) علم ظاہر و باطن کا جاننے والا ہو (5) موت کے لیے تیار ہو۔

یہ شیخ عبد الخالق غجدوانی کی نصیحتیں تھیں، بانی سلسلہ نے ان میں کچھ ضروری ترمیم اور حذف واضافہ فرما کر ان کو سلسلہ نقشبندیہ کے لیے دستور العمل بنا دیا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی افکار میں ایک اہم اضافہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود ہے، مجدد الف ثانی نے اپنے خطوط میں اس کی جابجا تشریح فرمائی ہے، حضرت مجدد الف ثانی کی رائے ہے کہ سالک کو مقام جمع پر جس فنائیت کا احساس ہوتا ہے، اور وہ دیکھتا ہے کہ سوائے ایک ذات واحد کے اور کچھ موجود ہی نہیں ہے حتی کہ خود سالک کا بھی وجود نہیں ہے، وہ دراصل راہ سلوک کے غلبہ کے نتیجہ میں ایسا محسوس کرتا ہے، ورنہ یہ کیفیت جس سے وہ دوچار ہوتا ہے یہ خود بھی ذات واجب الوجود نہیں ہے؛ بلکہ ایک مخلوق ہے، سالک کو چاہیے کہ اس مقام کو صرف ایک مشاہدہ سمجھے اور اس کو عقیدہ نہ بنائے، چونکہ عقیدہ بنانے کی صورت میں سالک اس مقام پر رک جائے گا، اگر اس کو مشاہدہ سمجھے اور یہ یقین جانے کہ وہ ذات انسان کے مشاہدہ سے ماوراء ہے تو پھر بندہ اس مقام سے گذر جائے گا اور پھر وہ مقام فرق بعد الجمع تک جائے گا، اور یہی مقام دراصل راہ سلوک کی غایت ہے کہ بندہ مقامات سلوک کو طے کر کے پھر مقام عبدیت میں واپس آجائے، راہ سلوک مقام عبدیت سے شروع ہوتی ہے اور مقامات سلوک کو طے کرنے کے بعد دوبارہ مقام عبدیت کے احساس پر مکمل ہوتی ہے، بہت سے متقدمین صوفیہ نے اس کیفیت کو رجوع الی البدایہ سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے اس کو فرق ثانی یا فرق بعد الجمع کی اصطلاح سے واضح کیا ہے۔

شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں کہ مقام جمع پر بندہ جس وحدت کا ادراک کرتا ہے وہ صرف مشاہدہ ہوتا ہے حقیقت نہیں، اس لیے انہوں نے اس کو وحدۃ الشہود کہا، اور وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والے صوفیہ پر تنقید کی۔

13.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تصوف کے مشہور سلاسل پانچویں صدی ہجری میں وجود میں آئے۔ ان میں کئی سلسلے کافی مقبول عام ہوئے اور آج بھی ان کا وجود باقی ہے۔ ان میں چار سلسلے بہت زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ قادریہ سہروردیہ، چشتیہ اور نقشبندیہ۔
- صوفیہ کے جن سلاسل کو ہندوستان میں غیر معمولی مقبولیت ملی ان میں سلسلہ چشتیہ سب سے زیادہ مشہور ہے، سلسلہ چشتیہ کی بنیاد خواجہ اسحاق چشتی نے افغانستان کے شہر چشت میں رکھی، حضرت خواجہ اسحاق چشتی حضرت ممشاد علوی دینوری کے خلیفہ تھے۔
- خواجہ معین الدین اجمیریؒ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے پہلے بزرگ تھے۔ آپ نے اجمیر سے اپنی تعلیمات عام کیں اورر ایک کثیر طبقے کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ آپ کی تعلیمات کے مطابق کہ تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم، بلکہ ایسے اخلاق کا نام ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔
- حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک طویل سیاحت کر کے لاہور ملتان اور دہلی ہوتے ہوئے اجمیر میں قیام پذیر ہوئے اور مدت العمر اسی شہر میں مقیم رہے، یہاں رہ کر آپ نے اس سلسلہ کو برصغیر میں پھیلایا، اور اس کی تعلیمات کے ذریعہ دکھی دلوں کے لیے مرہم کا کام کیا۔
- حضرت خواجہ معین الدین کے بہت سے خلفاء و مجازین ہیں؛ لیکن چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں دو خلفاء کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے، ایک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دوسرے حضرت صوفی حمید الدین ناگوری۔
- سید محمد گیسو دراز جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے بھی معروف ہیں ان کا کارنامہ صرف چشتیہ سلسلہ کی اشاعت نہیں تھا، بلکہ تاریخ میں وہ اپنے دیگر کارناموں کی وجہ سے بھی معروف ہیں، خاص طور پر اردو نثر کی پہلی کتاب لکھ کر انہوں نے اردو نثر نگاری کا آغاز کیا، ان کی کتاب معراج العاشقین اردو نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے
- سلسلہ چشتیہ میں جو نصاب تربیت وضع کیا گیا ہے اس میں کتابی اعتبار سے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف کا رواج ہے، یہ کتاب شروع سے ہی اس سلسلہ میں رائج رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب کو بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت دی جاتی ہے، اس کے علاوہ حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید اور حضرت نظام الدین اولیاء نیز حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات جو مشائخ چشت کی اصطلاح میں ''ہشت بہشت'' کہلاتے ہیں ان کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر اکثر سلاسل کی طرح وحدۃ الوجود کو خاص اہمیت حاصل تھی، وحدت الوجود کے معاملے میں چشتیہ صوفیہ پر ابن عربی کا اثر ہے، شیخ عبد القدوس گنگوہی اور شاہ محب اللہ الہ آبادی تو اس نظریہ کے زبردست شارح رہے ہیں، علماء دیوبند

میں سے مولانا اشرف علی تھانوی نے وحدت الوجود کی حمایت کی۔

- سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین البخاری ہیں بخارا کے قریب ایک گاؤں جو پہلے کشک ہندواں کہلاتا تھا اس میں ان کی ولادت ہوئی، بعد میں اس کا نام کشک عارفاں ہو گیا، نسبت نقشبندیہ کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے "علم الٰہی کی لاثانی تصویر کھینچنے والا" بعض نے لکھا ہے "اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا' بعض نے اس کی اور بھی تشریحات کی ہیں۔
- سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی افکار بانی سلسلہ نے حضرت عبد الخالق غجدوانی سے اخذ کیے تھے اور بعد میں ان میں کچھ اضافہ کر کے اس کو سلسلہ نقشبندیہ کا بنیادی نصاب اور اس کی بنیادی خصوصیت بنایا، حضرت عبد الخالق غجدوانی کے یہاں یہ آٹھ الفاظ تھے جو اصول ہشتگانہ کہلاتے ہیں:(1) ہوش دردم (2) نظر بر قدم (3) سفر دروطن، (4) خلوت درانجمن (5) یاد کرد (6) بازگشت (7) نگاہ داشت (8) یادداشت، حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند نے اس پر تین کلمات یا اصولوں کا مزید اضافہ کیا یعنی: (9) وقوف عددی (10) وقوف زمانی (11) اور وقوف قلبی۔
- نقشبندیہ سلسلہ کو حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی جدوجہد کر کے پورے ہندوستان اور بلاد اسلامیہ میں پھیلایا۔ اس سلسلہ کے بنیادی افکار میں ایک اہم اضافہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود ہے، مجدد الف ثانی نے اپنے خطوط میں اس کی جابجا تشریح فرمائی ہے۔
- اس سلسلہ میں حکومت سے روابط کو بھی ممنوع نہیں سمجھا جاتا تھا، اس لیے حضرت مجدد الف ثانی نے معسکر کے دوران قیام خود جہانگیر کو بھی متاثر کرنے کی کوشش اور بہت سے دیگر امراء کو بھی خطوط لکھ کر اور بالمشافہ بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسلام کی اشاعت میں تعاون کریں، چنانچہ ایسے بہت سے خطوط آپ کے مجموعہ خطوط میں شامل ہیں۔

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تصوف کے سلسلے------صدی ہجری میں وجود میں آئے۔

(a). تیسری صدی ہجری (b). چوتھی صدی ہجری (c). پانچویں صدی ہجری (d). چھٹی صدی ہجری

2. ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے پہلے معروف بزرگ-----ہیں۔

(a). امام علی ہجویری (b). خواجہ معین الدین (c). بہاؤالدین زکریا (d). خواجہ نظام الدین اولیا

3. سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر اکثر سلاسل کی طرح-----کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

(a). وحدۃ الوجود (b). وحدۃ الشہود (c). اصول ہشتگانہ (d). سبھی

4. ہشت بہشت میں ------کے ملفوظات ہیں کجو چشتیہ سلسلہ میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

(a).خواجہ اجمیری (b).بختیار کاکی (c).خواجہ فرید (d).سب صحیح

5. خواجہ -------اردو نثر کی پہلی کتاب معراج العاشقین اردو نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے۔

(a).محمد گیسو دراز (b).خواجہ چشتی اجمیری (c).خواجہ نظام الدین اولیا (d).سب صحیح

6. امام--------نے وحدۃ الوجود کے مقابل وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا۔

(a).خواجہ باقی باللہ (b).احمد سرہندی (c).محمد الحسینی (d).شیخ عبد القادر

7. -------سلسلہ کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ وہ انگشت شہادت سے دل پر لفظ اللہ کا نقش بناتے ہیں۔

(a).سلسلہ قادریہ (b).سلسلہ چشتیہ (c).سلسلہ سہروردیہ (d).سلسلہ نقشبندیہ

8. ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کو لانے والے بزرگ--------ہیں؟

(a).خواجہ معین الدین چشتی (b).شہاب الدین سہر دردی (c).خواجہ باقی باللہ (d).خواجہ عبد القادر

9. -----کے بنیادی افکار بانی سلسلہ نے حضرت عبد الخالق غجدوانی سے اخذ کیے تھے۔

(a).سلسلہ قادریہ (b).سلسلہ چشتیہ (c).سلسلہ سہروردیہ (d).سلسلہ نقشبندیہ

10. مکتوبات امام ربانی--------سلسلے کی سب سے اہم کتاب ہے۔

(a). سلسلہ قادریہ (b). سلسلہ چشتیہ (c). سلسلہ سہروردیہ (d). سلسلہ نقشبندیہ

13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. سلسلہ چشتیہ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
2. ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور صوفیا پر تبصراتی مضمون لکھیے۔
3. سلسلہ نقشبندیہ کی بنیادی تعلیمات پر ایک تجزیاتی نوٹ تحریر کیجیے۔
4. مکتوبات امام ربانی کا تعارف اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔
5. سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی نصابی کتب اور تعلیمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. سلسلہ چشتیہ کے آغاز وارتقا اور اس کی تعلیمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. سلسلہ نقشبندیہ پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
3. امام مجدد الف ثانی کی حیات وخدمات پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔

13.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تصوف اسلام : عبدالماجد دریابادی
2. عوارف المعارف (ترجمہ) : شیخ شہاب الدین سہروردی
3. فتوح الغیب (ترجمہ) : شیخ عبدالقادر جیلانی
4. تزکیہ، احسان : مولانا ابوالحسن علی الندوی
5. نزہۃ الخواطر : عبدالحئ

اکائی 14: مشہور صوفی تصنیفات (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 الرسالۃ القشیریہ

14.2.1 صاحب کتاب امام قشیری

14.3 کشف المحجوب

14.3.1 صاحب کتاب سید علی ہجویری

14.4 دیگر اہم کتب تصوف

14.4.1 کتاب اللمع فی التصوف

14.4.2 الرعایۃ لحقوق اللہ

14.5 اکتسابی نتائج

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

تصوف کی تاریخ میں باضابطہ کتاب لکھنے کا آغاز احادیث شریفہ کے ان مجموعوں سے ہوا جو الزہد کے نام سے لکھے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے باضابطہ تصوف پر کتابیں لکھنی شروع کیں، اس اکائی میں ہماری کوشش ہوگی کہ طلبہ کو تصوف کی باضابطہ اور اہم ترین کتابوں سے

واقف کرادیا جائے اور طلبہ یہ بھی جان لیں کہ ان کتابوں کے بنیادی موضوعات اور ان میں زیر بحث مضامین کیا تھے، اس لئے ہم نے اس میں اہم کتابوں کے مصنف، اس کتاب کی اہمیت اور اس کے بنیادی مباحث کا خلاصہ درج کر دیا ہے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے تصوف کی اہم اور ابتدائی کتب سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ رسالہ قشیریہ جو باکمال صوفی امام عبدلا کریم القشیری کی تصنیف ہے اس کے وجہ تالیف اور اسکے اسلوب کے بارے میں جان سکیں نیز اس کے اہم ابواب اور ان کے مضامین کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔ اس اکائی میں آپ تصوف کی اس زمانے میں تصنیف کی گئی کتاب کشف المحجوب کے بارے میں بھی معلوم کریں گے کہ اور اس کا تجزیہ پیش کر سکیں گے۔ آخر میں آپ یہ بھی جانیں گے کہ رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب سے پہلے تصنیف کی گئی تصوف کی کتب کونسی ہیں اور ان کی اتنی شہرت کیوں نہ ہو سکی جتنی کہ رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب کو حاصل ہے۔

14.2 الرسالۃ القشیریہ

تصوف کی تاریخ میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ تو اول دن سے قائم ہے لیکن فن تصوف پر پہلی باضابطہ کتاب اللمع فی التصوف ہے۔ اس کے بعد ابو بکر الکلاباذی کی 'التعرف لمذہب اہل التصوف' ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لولا التعرف لما عرف التصوف (اگر تعرف نہ ہوتی تو تصوف پہچانا ہی نہیں جاتا)۔

ان دونوں کتابوں کی اولیت اور زمانی تقدم نیز اہمیت و معنویت کے باوجود ابوالقاسم قشیری کی کتاب الرسالہ کو جو شہرت و مقبولیت ملی ہے وہ بھی بے نظیر ہے، پوری تاریخ تصوف میں الرسالہ القشیریہ بطور درسی کتاب اور بطور متن کے پڑھائی جاتی رہی، تصوف کے شائقین نے اس کو اپنا حرز جان بنائے رکھا۔

الرسالۃ القشیریۃ کو تصوف کے متون میں غیر معمولی شہرت ملی، اللمع کا صحیح تعارف اس وقت ہوا جب مستشرقین نے اس کی طرف توجہ کی اور اس کو ایڈٹ کر کے شائع کیا، لیکن الرسالۃ القشیریۃ بہت پہلے سے لوگوں کی توجہات کا مرکز بنا رہا، اور اس کی اشاعت بھی بہت پہلے شروع ہو گئی تھی۔

الرسالۃ القشیریہ کی شہرت اور مقبولیت کے پیچھے یقینا یہ بات بھی کارفرما ہے کہ یہ اپنے موضوع پر ایک مکمل اور جامع کتاب ہے، اس میں فن تصوف سے متعلق جملہ پہلوؤں پر کافی و شافی بحث کی گئی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ایک عامل رہا ہو گا کہ اس کے مصنف امام قشیری بڑے مشکل اور نامساعد حالات سے گزرے، ان کی مشکلات کے صلے میں ان کو بارگاہ رب العزت سے شہرت و مقبولیت کا تحفہ ملا۔

وجہ تالیف

کتاب کا نام الرسالہ القشیریہ فی علم التصوف ہے۔ لیکن یہ کتاب الرسالہ کے نام سے تاریخ میں معروف رہے۔ رسالہ کی تصنیف کا سن 427ھ ہے جو کہ خود کتاب میں درج ہے۔

الرسالہ کی تصنیف کا اصل مقصد معاصر صوفیا کی جماعت سے خطاب تھا۔ احباب صوفیا کے نام ایک کھلا خط سمجھا جاتا ہے۔ جس میں جابجا سیغہ جمع حاضر کا استعمال ہوا ہے۔ امام قشیری خود سبب تالیف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ صوفیاء متقدمین دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ان کے طور طریقے بھی ان کے ساتھ ناپید ہو گئے اور اب جو لوگ انکی نیابت کے ندعی ہیں وہ عبارتوں کے تارک ہیں اور غفلتوں اور خواہشوں میں مبتلا ہیں اور نفسیات غالب آگئی شریعت کی پیروی کے بجائے اس کی خلاف ورزی باعث فخر سمجھی جانے لگی روح کے تزکیہ سے کوئی واسطہ نہ رہا اور ان سب کے باوجود مشخیت اور روحانیت کا دعوی زوروں پر ہے اس لیے ایسے حالات میں شیخ کو ضروری معلوم ہوا کہ ایک ایسا رسالہ پیش کیا جائے جس میں متقدمین صوفیا کے صحیح حالالت کا بیان اور ان کے اخلاق وعبادات عقائد، معلوماج وغیرہ کی تفصیل ہو۔

الرسالۃ القشیریہ کی مقبولیت کے پیچھے اصل راز وہ موضوع اور مباحث ہیں جن کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، یہ کتاب اپنے موضوعات اور اپنی ترتیب کے اعتبار سے بھی منفرد ہے اور اس اعتبار سے دیگر کتب پر فائق ہے۔

کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ شروع میں تصوف کی تعریف بیان کی ہے، پھر توحید سے متعلق صوفیاء کا نقطہ نظر بیان کیا ہے، صفات باری تعالی کا مسئلہ اس دور میں مہمات مسائل میں شمار ہوتا تھا، اس پر بھی گفتگو کی ہے۔

دوسرے باب میں مشائخ طریقت کے احوال بیان کیے ہیں اور جستہ جستہ ان کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ اس ضمن میں 83 مشائخ کے احوال کا بیان ہے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے عہد اور علاقہ کا کامل اور مایہ ناز صوفی تھے۔ اور ان کے احوال وحکایات کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی نظر میں شریعت پر عمل کرنے کی کتنی اہمیت تھی۔ اور ان کی ریاضات کا ماحاصل تعظیم شریعت، علم قرآن، حدیث اتباع سنت نبوی ترک لذت قطع علائق لزوم عبادات، مجاہدات ہی تھا۔ اس کے بعد ایک باب میں تصوف کی مخصوص اصطلاحات وکیفیات کی توضیح وتشریح بیان کی ہے۔، جیسے وقت، مقام، حال، قبض، بسط، ہیبت، انس، جمع، فرق، جمع الجمع، فرق ثانی، فنا وبقا، صحو اور سکر وغیرہ۔

احوال ومقامات جیسے توبہ، توکل، قناعت، تواضع یا مجاہدات وریاضات پر الگ الگ ابواب میں گفتگو کی ہے، یہ تقریبا 50 ابواب ہیں اور کتاب کا اصل حصہ بھی یہی ہے، ان ابواب میں ہر موضوع پر خاصی تفصیلی بحثیں ہیں۔ اور اس پر قرآن حدیث اقوال اکابر اور سلف کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ جن کے موضوعات اس طرح ہیں: توبہ، مجاہدہ، خلوت، تقوی، ورع، زہد، خاموشی، خوف، رجاء، حزن، بھوک اور ترک اشتہاء، خشوع و تواضع، نفس کی مخالفت، حسد، غیبت، قناعت، توکل، شکر، یقین، صبر، مراقبہ، رضا، عبودیت، ارادت، اخلاص، استقامت، صدق، حیا، حریت، ذکر، فتوت، فراست، خلق، جود وسخا، غیرت، ولایت، دعا اور فقر وغیرہ۔ ان میں سے ہر باب کا عنوان قرآنی آیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور گویا کہ ایک عملی دلیل مصنف نے پیش کی ہے کہ تصوف کی اصل قرآن مجید ہے۔ مثلا امام قشیری نے باب باندھا ہے:

- باب الحزن–قال اللہ عز و جل، 'وقال الحمد للہ الذی اذھب عن الحزن'
- باب التقوی–قال اللہ تعالی 'ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'
- باب الیقین–قال اللہ تعالی '.الذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک'

اس سے ایک اہم بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ امام قشیری کو قرآن مجید سے استنباط کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔ بؔظ ابواب جس میں کوئی صریح آیت نہیں ملی اسے حدیث سے بھی شروع کیا ہے۔

باب 51 سماع پر ختم ہوتا ہے اور ان کی تعلیمات کی بناء پر اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ منکر سماع تھے۔

اگلا باب کرامات اولیاء پر مشتمل ہے اور یہ باب بھی متعدد فصلوں پر مشتمل ہے ان میں واقعات کے ساتھ اس کے قوع کے امکان و شرائط پر گفتگو کی گئی ہے۔ باب 53 میں نوم، اچھے اور برے خواب اور متعلقہ مسائل سے گفتگو کی گئی ہے۔

باب 54 کو اکثر محققین اصل اہم باب قرار دیتے ہیں کیوں کہ اس باب میں مصنف نے اپنے ذاتی تجربات کی اساس پر اپنے مریدین کے لیے ہدایات اور آداب تحریر کیں ہیں۔ اس لیے اس باب کو ساری کتاب کا خلاصہ اور تصوف کا دستور العمل سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد کے ابواب میں لفظ تصوف کی تحقیق، ادب، صوفیا کے احکام سفر، صحبت، توحید، معرفت، محبت، شوق، سماع، کرامتیں، اولیاء اللہ کے خواب اور آخر میں مختلف فصول کے اندر مریدوں اور مبتدیوں کو مفصل ہدایات دی گئی ہیں، یہ آخری حصہ تربیت وغیرہ کے اعتبار سے بہت اہم ہے، اس میں وہ ہدایات موجود ہیں جن کے ذریعہ صوفیاء بالآخر راہ سلوک کو طے کر سکتے ہیں۔

یہ حصہ کتاب کے تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں نظری ہدایات کے علاوہ مختلف مشائخ صوفیاء کے واقعات اور ان کے ملفوظات بھی مذکور ہیں۔

الرسالہ القشیریۃ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، جو مصنف کی دیدہ وری کا آئینہ دار ہے، اور بلاشبہ تصوف کی نصابی کتابوں میں شامل ہے۔

14.2.1 صاحب کتاب امام قشیری

امام قشیری ایران کے شہر خراسان کے نواح میں پیدا ہوئے، مشہور ہے کہ نسلاً عرب تھے اور ان کا خاندان وہی ہے جو امام مسلم کا ہے، تذکرہ نگاروں نے ان کا اور ان کی والدہ کا نسب لکھا ہے، ان کی والدہ کے بھائی ابو عقیل سلمی اپنے علاقے کے سرکردہ لوگوں میں تھے۔

تاریخ پیدائش ربیع الاول 673 ہجری ہے اور پورا نام عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری ہے، بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، سن شعور کو پہنچنے کے بعد ابو القاسم الامانی سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، ابو القاسم عربی کے بڑے عالم تھے ان سے قشیری نے عربی ادب کی کتابیں پڑھیں۔

امام قشیری جس گاؤں میں رہتے تھے وہاں زمینداروں نے کسانوں پر بھاری ٹیکس لگا رکھے تھے، اکثر لوگ ان کی وجہ سے پریشان

تھے، وہاں کسی نے بتایا ہو گا کہ محکمہ استیفاء ٹیکس کی مقدار متعین کرتا ہے، اگر کسی کی وہاں تک رسائی ہو تو یہ ٹیکس کم کیا جا سکتا ہے۔ قشیری کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور انہوں نے طے کر لیا کہ حساب (ریاضی) سیکھ کر محکمہ استیفاء میں ملازمت کروں گا اور اپنے گاؤں کے لوگوں کو اس بھاری ٹیکس سے نجات دلاؤں گا۔

حساب سیکھنے کی غرض سے قشیری نیشاپور گئے، ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ قشیری کو دنیاداروں کی قربت بہت پسند تھی اور نیشاپور گئے بھی اسی لیے تھے کہ دنیاداری کا علم حاصل کریں؛ لیکن ہوتا وہ ہے جو دست قدرت کو منظور ہوتا ہے اور دست قدرت نے ان کے لیے دنیاداری نہیں بلکہ دین داری لکھ رکھی تھی، درویشی لکھ رکھی تھی، ولایت کے مقامات لکھ رکھے تھے، اور اس کے اسباب اس طرح پیدا ہو گئے کہ ایک مرتبہ ان کا گذر ابو علی دقاق کی مجلس میں ہوا، ابو علی دقاق نیشاپور کے زبردست خطیبوں میں شمار ہوتے تھے، ان کا وعظ سن کر قشیری کی دنیا بدل گئی، ترجیحات بدل گئیں جس مقصد سے آئے تھے اس کا سودا دماغ سے نکل گیا اور ایک نیا سودا سما گیا۔

امام قشیری نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں ان کی تصنیفات کی تعداد مورخین نے تیس کے قریب لکھی ہے، اور ان میں سے اکثر کتابیں مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں، انہوں نے تفسیر، حدیث، تصوف، کلام وغیرہ موضوعات پر کتابیں لکھیں، ان کی دو مستقل تفسیریں موجود ہیں، جن میں سے ایک تفسیر الاشاری ہے۔ یعنی قرآن مجید کی صوفیانہ شرح، یہ بھی مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

امام قشیری کی جامع کمالات شخصیت کا اصل کارنامہ جس نے ان کو زندہ و جاوید بنا دیا اور ان کی دیگر خصوصیات کو صیقل کر دیا وہ ان کا رسالہ ہے، جو الرسالۃ القشیریۃ کے نام سے معروف ہے، یہ رسالہ بلاشبہ تاریخ تصوف میں ایک سنگ میل ہے، اس کتاب نے صوفیاء کو بہت متاثر کیا ہے، یہ کتاب صوفیاء کے یہاں بطور نصابی کتاب کے استعمال کی جاتی رہی ہے اور مختلف صوفیاء نے اس رسالہ کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔

اس رسالہ کی ایک شرح سدید الدین ابو محمد عبد المعطی بن ابی الثناء الاسکندری نے لکھی ہے، یہ چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں، اس شرح کو ابو العلاء عفیفی نے ایڈٹ کر کے شائع کرایا ہے۔ دوسری شرح فارسی میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے لکھی، یہ شرح بھی طبع ہو گئی ہے۔ تیسری شرح زین الدین زکریا محمد بن احمد انصاری نے لکھی ہے، اس کا نام ہے 'احکام الدلالۃ علی تحریر الرسالۃ' ہے، اس کی چوتھی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔

الرسالہ کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے ہیں، اردو میں اس کے دو ترجمے دستیاب ہیں، ایک ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے کیا ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے 1970ء میں شائع ہوا، یہ ترجمہ اچھا ہے لیکن اس کی اصل اہمیت اس کے حواشی ہیں، انہوں نے 200 صفحات پر مشتمل بہت عمدہ حواشی لکھے ہیں، جن میں شخصیات کی سوانح، موضوعات کے مراجع اور مشکلات کی توضیح ہے۔

الرسالہ کا دوسرا ترجمہ مولانا نور محمد نے کیا، یہ ترجمہ سہارنپور سے شائع ہوا ہے اور بلاشبہ یہ الرسالہ کا بہترین ترجمہ ہے اور کتب تصوف کے تراجم کے لئے ایک رہنما کتاب بھی۔

الرسالہ کا انگریزی ترجمہ مارگریٹ اسمتھ نے کیا ہے جو Sufi Path of Love: a Reading from the mystics of Islam کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ایک اور جزوی انگریزی ترجمہ Wilson Hume نے بھی کیا ہے۔

الرسالہ کا جرمن زبان میں ایک ملخص ترجمہ Richard Hartmann نے Al-Kusehouris Darstellungdas Sufitums (Berlin 1915) کے نام سے کیا گیا ہے۔

14.3 کشف المحجوب

کشف المحجوب کے مصنف علی بن عثمان الہجویری الجلابی ہیں، اصل وطن غزنین تھا، غزنین کے دو محلے ہجویر اور جلاب ہیں، ان کی طرف ہی ان کی نسبت ہے، عرف عام میں حضرت داتا گنج بخش کے نام سے معروف ہیں، علامہ اقبال نے بھی ان کو گنج بخش، فیض عالم اور مظہر نور خدا کہا ہے، اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر صوفی تھے، علم اور عمل کے جامع تھے، ان کی تصنیف کشف المحجوب کئی اعتبار سے اہم ترین کتاب ہے، ایک تو یہ کہ فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، اس سے قبل تصوف کے موضوع پر تصنیفی کام صرف عربی زبان میں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اس کا دائرہ اثر بھی ان علاقوں تک محدود تھا جو عربی زبان بولنے والے علاقے تھے، کشف المحجوب نے اس دائرہ اثر کو یکدم دوچند کر دیا اور عجم کے علاقے میں بھی تصوف پھیل گیا۔

کشف المحجوب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر لکھی جانے والی یہ تصوف کی پہلی کتاب ہے، اس سے قبل ہندوستان میں تصوف پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی اور دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب فارسی زبان میں تصنیف کی گئی۔ اس سے قبل جتنی کتابیں تصنیف کی گئیں وہ عربی میں تھیں۔ اسی بنا پر برصغیر میں اس کتاب کو بڑی قبولیت بھی حاصل ہوئی۔ کتاب اللمع کی طرح یہ کتاب کبھی گوشہ گمنامی میں نہیں رہی۔ مورخ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ اکابر علماء لگاتار اس کتاب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے، حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے کہ کشف المحجوب ایسی بابرکت کتاب ہے کہ اگر کسی کے پاس پیر کامل نہ ہو تو اس کے مطالعہ کی برکت سے اس کا پیر کامل نصیب ہو جائے گا۔

کشف المحجوب میں بھی اس دور کے عام رواج کے مطابق تصوف کے اور صوفیہ سے متعلق جملہ پہلوؤں کو شامل کیا ہے۔ امام ہجویری حضرت امام قشیری کے ہم عصر تھے اور الرسالۃ القشیریۃ بھی تقریباً اسی زمانہ یعنی پانچویں صدی ہجری میں تصنیف کی گئی۔ لیکن رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب دونوں کا طرز اسلوب مختلف ہے۔ رسالہ قشیریہ کے مصنف نے اپنے رسالہ میں زیادہ تر متقدمین کے اقوال اور حکایات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اسکے بالمقابل شیخ علی ہجویری کا اسلوب مجتہدانہ ہے۔ اور اس میں انہوں نے ذاتی تجربات، مجاہدات، مکاشفات، احوال وغیرہ کو بھی نقل کیا ہے۔ اور اصول و مباحث سلوک میں رد و قدح سے گریز نہیں کرتے تھے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر یہ کتاب ایک محققانہ مستند تصنیف بن گئی۔

وجہ تالیف

شیخ علی ہجویری کے پاس ایک سائل آئے انکا نام کتاب میں ابو سعید ہجویری آتا ہے، اور انہوں نے آپ سے طریق تصوف کی حقیقت اور مقامات صوفیا کی کیفیت اور ان کے عقائد، مقالات عشق الٰہی کی تشریح، نفس و عقل کے حجابات کے بارے میں استفسار کیا تو آپ

نے اس سوال کے جواب میں کشف المحجوب کی ساری کتاب تصنیف فرمادی۔

طرز تالیف

کشف المحجوب کے متن میں جابجا مصنف کا نام لکھا ہوا ہے۔ محققین کا ماننا ہے کہ اس زمانہ میں کتابوں کا سرقہ کرکے اس پر اپنا نام لکھ کر خود سے منسوب کرکے شائع کر دیتے تھے مصنف بھی اس تلخ تجربہ سے گذرے اور اس سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ طریقہ اپنایا یا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں یہ عرف عام ہو۔

ابتدائی صفحات میں مقدمہ ہے جس میں خود مصنف نے سبب تالیف بیان کیا اور موضوع سخن بیان کیا اسکے بعد ترتیب مضامین ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کو تیس ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب ایک جامع کتاب کی طرح ہے، پہلا باب اثبات علم ہے، اس میں علم کی اقسام اور ان کے احکام کا بیان ہے، دوسرا باب اثبات فقر میں ہے، اس میں فقر کا مقام و مرتبہ اور اس کی خوبیاں بیان کی ہیں اس کے بعد تیسرے باب میں تصوف اور صوفی پر تحقیقی بحث کی ہے، اور صوفی کے متعلق اپنی رائے بیان کی ہے کہ 'صوفی وہ ہوتا ہے جسکا قلب صفا (صفائی) سے لبریز ہو، اور کدر (گندگی) سے خالی ہو۔ اور اس مرتبہ تک کاملان ولایت ہی پہنچ سکتے ہیں۔' آگے آپ نے صوفی، متصوف اور مستصوف کی تعبیرات کی تعریفات بیان کی ہیں جو کافی دلچسپ ہیں۔ چوتھے باب میں پیوند لگے کپڑے اور گدڑی پہننے کی فضیلت کا ذکر ہے اور اسکو آپ نے نبی ﷺ اور صحابہ سے ثابت کیا ہے۔

پانچواں باب فقر و صفوت سے متعلق ہے، چھٹے باب میں تصوف کا ایک اہم ترین سلسلہ ملامت کا بیان ہے، دراصل صوفیہ میں ایک گروہ ہے جو ملامتیہ کہلاتا ہے، اس باب میں اس کا بیان ہے اور صوفیہ پر جو لوگ لعنت ملامت کرتے ہیں، ان کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔

اس کے بعد اس کتاب میں تاریخی ابواب کا آغاز ہوتا ہے، پہلے صحابہ کرام کے حالات ہیں، پھر اہل بیت، اس کے بعد اصحاب صفہ، پھر ائمہ تابعین اور تبع تابعین کے حالات لکھے ہیں، پھر صوفیہ کرام اور مشائخ تصوف کے حالات بیان کئے ہیں۔ انہوں نے متاخرین کے علاوہ ہم عصر صوفیا کا بھی اہتمام سے ذکر کیا ہے جس میں امام قشیری اور امام ابوالحسن خرقانی کا نام خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔

شیخ علی ہجویری نے ایک زبردست کام یہ کیا ہے جو اس عہد کی دوسری کتابوں میں نہیں کہ انہوں نے تصوف کے سلاسل کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ اس وقت تک معروف معنوں میں تصوف کے سلاسل قائم نہیں ہوئے تھے بلکہ صوفیہ کرام اپنے مشائخ کی طرف نسبت کر لیا کرتے تھے، یہ تصوف کے سلسلوں کا آغاز تھا، داتا صاحب نے ان کی بھی تاریخ لکھی ہے۔ اس وقت تک حجرت شیخ کے استفتا میں کل بارہ سلسلے تھے جن میں دس اہل حق کے تھے اور باقی دو مالامتی تھے۔ چنانچہ محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ وغیرہ مختلف فرقے اور گروہ اور مکاتب کی تاریخ لکھی ہے۔

شیخ عبدالماجد دریابادی کہتے ہیں کہ یہاں تک کا کتاب کا حصہ تاریخی اور تنقیدی تھا لیکن اسکے بعد کے ابواب میں چونکہ تصوف کے مسائل کی تشریح شروع ہو جاتی ہے تو ایسا لگتا ہے گویا کہ کشف المحجوب کے حجابات کا کشف ہونے لگتا ہے۔

آپ نے ان ابواب میں تصوف کی عملی چیزیں توبہ اور اس کے متعلقات، محبت اور اس کے متعلقات، جود وسخا، بھوک و پیاس اور ضبط نفس کے احکام، مشاہدہ، صحبت اور اس کے متعلق مباحث، صحبت کے آداب، صحبت کی مختلف اقسام اور ان کے آداب، کھانے کے آداب، چلنے پھرنے کے آداب، سفر و حضر کے آداب، سونے جاگنے کے آداب، چپ رہنے کے آداب اور بولنے کے آداب، سوال کے آداب اور ترک سوال کے آداب، نکاح اور تجرد کے آداب بیان کئے ہیں۔

شیخ صاحب نے راہ سلوک کے حجابات کی تعداد گیارہ شمار کی ہے اور بعد کے ہر باب میں ایک ایک حجاب کو اٹھایا ہے اور ہر باب کئی حصوں میں تقسیم ہے۔

شیخ صاحب سماع کے قائل تھے اور اس پر بھی ایک مستقل باب بیان کر کے اس کی تائید عمل رسول اور آثار صحابہ سے کرتے ہیں۔ اور کتاب کے آخری باب کے کا عنوان آداب السماع رکھ کر گویا کہ آپ نے آداب سلوک و طریقت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ البتہ اس میں سماع کے لیے کافی کڑی شرائط بھی مقرر کیں ہیں اور اس وقت کے سماع کی محافل کے مفاسد پر سخت تنقید کی ہے۔

14.3.1 صاحب کتاب سید علی ہجویری

آپ کا پورا نام علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم الہجویری ثم لاہوری تھا، غزنیں میں پیدا ہوئے وہاں کے دو محلے ہجویر اور جلاب میں رہے، پھر لاہور آکر آباد ہو گئے۔ تاریخ پیدائش متعین طور پر معلوم نہیں ہے، البتہ بعض شواہد کی بنا پر مختلف محققین نے 400 یا 401ھ متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ حصول علم کے لئے انہوں نے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، ان کے اصل استاد تو شیخ ختلی تھے، لیکن ان کے علاوہ بہت سے مشائخ سے اخذ و استفادہ کیا اور استاذ امام ابو القاسم قشیری جیسے جلیل القدر صوفی اور عالم کی صحبت میں بہت دن رہنے کا موقعہ ملا۔

کشف المحجوب میں ان مقامات کا تذکرہ ہے جہاں حضرت نے سیاحت کی، ان میں ماوراء النہر، آذربائیجان، بسطام، خراسان، کش، کمند، نیشاپور، بخارا، سمرقند، سرخس، طوس، فرغانہ، مرو، ترکستان اور ہندوستان شامل ہیں۔ حضرت کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن قرین قیاس 465ھ ہے، آپ کا انتقال لاہور میں ہوا اور آپ کا مزار پر انوار صدیوں سے زیارت گاہ خلائق ہے۔

سید ہجویری حضرت شیخ علی بن عثمان الہجویری الجلابی سرزمین ہند کے لئے وہ باعث صد افتخار گوہر تابناک ہیں جن کی تابانی نے نہ صرف سرزمین ہند کو بلکہ پورے عجم عرب کو منور کیا ہے، یہ سعادت ہندوستان کی سرزمین کو اس طرح ملی کہ تاریخ تصوف میں پہلی فارسی کی تصنیف جس نے تصوف جیسے علم کو عربی زبان کی علمیت کے دائرے سے نکال کر فارسی زبان کی عوامیت میں داخل کیا اور مشرق کا ایک بڑا حصہ جہاں فارسی زبان ذریعہ اظہار تھی اس میں تصوف کا فروغ و نفوذ کیا، اس طرح تصوف کی وہ شعاع مہر افروز جو بغداد سے جاری ہوئی تھی اس کی ضیاپاشی ہندوستان ایران اور دوسرے فارسی زبان جاننے والے خطوں میں عام ہوئی اور تصوف کا فروغ عوامی سطح پر ہوا۔

حضرت نے اپنی زندگی میں متعدد تصنیفی کام کئے، آپ کی تصنیفات ہیں: دیوان شعر، کتاب فناء و بقا، اسرار الخرق و المؤنات، الرعایۃ لحقوق اللہ، کتاب البیان لاہل العیان، بحر القلوب، منہاج الدین، ایمان، شرح کلام منصور

ان میں سے بعض مستقل کتابیں ہیں اور بعض بنیادی طور پر کشف المحجوب کے ابواب ہیں، تذکرہ نگاروں نے ان کو مستقل تصنیف کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

لیکن حضرت داتا صاحب کا اصل کارنامہ اور ان کی شاہکار تصنیف جس نے ان کو زندہ جاوید بنایا اور جو ان کا امتیاز ہے وہ دراصل "کشف المحجوب" ہے، کشف المحجوب ایسی معرکہ آراء اور تاریخ ساز کتاب ہے جس سے پورا ایک عہد منسوب ہے، تاریخ تصوف میں جس کا ایک مستقل باب ہے اور جس نے سرزمین ہندوستان میں علم و تحقیق کی قندیل روشن کی، اس کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ آج ایک ہزار سال بعد بھی اس سے لوگ اسی طرح استفادہ کرتے ہیں، اس پر بحث و تحقیق ہوتی ہیں، یونیورسٹیوں میں لگاتار اس پر تحقیق ہو رہی ہے، اور یونیورسٹیوں کے باہر بھی اس موضوع پر اور اس کے متعلقات پر تصنیفات کا سلسلہ جاری ہے۔

ڈاکٹر محمود عابدی نے اس کتاب کا ایک محقق ایڈیشن شائع کیا، جس کی خوبیوں کے بیان کے لئے مستقل تصنیف درکار ہے، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے، ان پر کئی کتابیں لکھی ہیں، ایک کتاب "شیخ سید علی ہجویری کے تفسیری نکات" ہے، جو تصوف فاؤنڈیشن سے شائع ہوئی، اس میں انہوں نے کشف المحجوب پر پی ایچ ڈی، ایم فل اور ایم اے کے 14 مقالات کی فہرست دی ہے جو صرف پاکستان میں ہوئی ہیں، ان کے علاوہ ہندوستان میں بھی متعدد کام ہوئے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا

سید ہجویر مخدوم امم — مرقد او پیر سنجر را حرم

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت

(ہجویر کے سید جو قوموں کے مخدوم ہیں۔ ان کا مزار پیر سنجر یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے لئے، حرم کا درجہ رکھتا ہے۔ پنجاب کی سرزمین ان کے دم سے زندہ ہو گئی اور ہماری صبح اس سورج سے روشن ہو گئی)

اور پیر سنجر یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ان کو خراج عقیدت اس طرح پیش کیا، حضرت خواجہ اجمیری نے ان کے بارے میں فرمایا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا — ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(وہ گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ہیں، ناقصوں کے لئے پیر کامل ہیں اور کاملوں کے لئے رہنما ہیں)

14.4 دیگر اہم کتب تصوف

تصوف کے موضوع پر ابتدائی دور میں اور بھی اہم کتابیں لکھیں گئیں جو کسی نہ کسی وجہ سے عوام تک ویسی رسائی نہ پا سکیں جیسی کی اوپر بیان کی کتب کو حاصل ہوئی۔ یہاں پر ہم ان دو کتابوں کا مختصر طور پر ذکر کریں گے جو تصوف کے بلکل ابتدائی دور میں لکھیں گئیں اور اپنے فن کی مایہ ناز کتب شمار ہوتی ہیں۔ یہ کتابیں ایک عرصہ تک مفقود تھیں۔

14.4.1 کتاب اللمع فی التصوف

کتاب اللمع فی التصوف کے مصنف ابو نصر سرّاج کا پورا نام عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحیٰ ابو نصر سرّاج الطوسی ہے، طوس کے رہنے والے تھے، وہیں پیدا ہوئے اور طوس میں ہی پرورش پائی۔ ابو نصر سراج اپنے عہد میں بڑے پائے کے صوفی تھے؛ بلکہ ان کے خاندان کو اولیاء کا خاندان کہا جاتا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پورا خاندان زہد و عبادت کے لیے مشہور تھا، ان کے والد علی بڑے زبردست بزرگ تھے، ان کی وفات کا قصہ اکثر کتابوں میں اس طرح درج ہے کہ انہوں نے سجدے کی حالت میں وفات پائی۔

خود ابو نصر بھی بڑے زبردست صاحب دل بزرگ تھے، ان کے عہد میں لوگ ان کو 'طاوس الفقراء' کہا کرتے تھے، اور چوں کہ انہوں نے تصوف کو مضبوط دلائل اور روشن براہین سے اس طرح ثابت کیا ہے جس طرح فقہاء اپنے مسلک کو ثابت کرتے ہیں؛ اس لیے ان کو تصوف کا فقیہ کہا جاتا ہے۔

ابو نصر سرّاج کے ذاتی فضائل و مناقب بھی بہت ہیں اور یہ ان کو صوفیاء کے درمیان اہم مقام دینے کے لئے کافی ہیں، لیکن ان کو جس چیز نے اصل شہرت اور پائیدار ناموری نصیب کی ہے وہ دراصل ان کا یہ امتیاز ہے کہ ان کی کتاب 'اللمع فی التصوف' تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی پہلی دستیاب کتاب ہے۔ اس طرح وہ گویا تصوف کے مورخ اور مدون ہیں۔

ان سے قبل بھی تصوف پر بعض کتابیں لکھی گئیں اور بعض ان میں سے دستیاب بھی ہیں جیسے ابو سعید الخراز کی کتاب الصدق یا حارث محاسبی کی تصنیفات، لیکن یہ کتابیں ان کی اپنی آراء کا مجموعہ ہیں، خود تصوف کیا ہے اس کے امتیازات کیا ہیں، صوفیا کون ہیں اور کیوں صوفی کہلاتے ہیں، ان کے افکار، علوم اور کیفیات اور راہ سلوک کیا ہیں؟ ان تمام موضوعات پر ابو نصر سراج کی مایہ ناز تصنیف اللمع فی التصوف پہلی کتاب ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بے مثال بھی۔

کتاب اللمع فی التصوف کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اس کے متعدد قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں، اس کتاب کو 1909ء میں سب سے پہلے نکلسن نے انگریزی خلاصے اور ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کیا، اس کے بعد اس کا ایک حصہ مزید دریافت ہوا، اس کو آربری نے 'صحف من کتاب اللمع' کے نام سے شائع کرایا، اس کے بعد عبد الحلیم محمود اور طہ عبد الباقی سرور نے اس کو ایڈٹ کیا اور قاہرہ سے شائع کرایا، یہ مکمل نسخہ ہے، آربری کا دریافت کردہ صحیفہ بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کے دو اردو ترجمے بھی ہوئے، ایک ترجمہ سید اسرار بخاری نے کیا جو اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور سے 1984ء میں شائع ہوا، دوسرا ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے کیا جو ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان سے 1986ء میں شائع ہوا۔

کتاب اللمع فی التصوف بلاشبہ ایک معرکہ آرا تصنیف اور ایک بے مثال ذخیرہ ہے، اس نے تصوف کی تاریخ اور اس کے افکار کو ایک ایسے دور میں منضبط کر دیا جب کہ تصوف اپنی ابتدائی شکل میں تھا، اس کے ذریعہ ابتدائی دور کے صوفیاء کے افکار سے واقفیت ہوتی ہے اور ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ اجلہ صوفیاء کے اصل خیالات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں، اور ان پر بعد کے تذکرہ نگاروں نے عقیدت میں غلو اور دور از عقل اضافوں سے جو صورت بگاڑ دی ہے اس کو اصل افکار سے الگ کر سکیں۔

کتاب میں ایک مقدمہ ہے اور جملہ تیرہ حصوں میں تقسیم ہے۔ شروع کے ابواب میں تصوف کی تمہید ہے اس کے بعد تصوف کی مبادیات کی تشریح کے بعد آغاز کلام اللہ سے کیا ہے اورابو نصر سرّاج نے شروع میں تقریبا ۶۰ صفحات میں تصوف، اس کی حقیقت، اس کے مراجع، تصوف پر اعتراضات اور توحید وغیرہ کے بارے میں صوفیاء کے افکار پیش کیے ہیں، اس کے بعد احوال و مقامات کو بیان کیا ہے، پھر اتباع سنت، قرآن و سنت کے فہم اور اس کے معانی مستنبط کر کے صوفیانہ منہاج کو مع امثلہ واضح کیا ہے۔

کتاب کا ایک بڑا حصہ صوفیاء کے آداب کے لیے مختص ہے، یہی دراصل کتاب کی جان ہے، تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل اس حصے میں صوفیاء کے افکار کا جائزہ لیا گیا ہے، اس کے علاوہ سماع، وجد، کرامات، صوفیاء کی مخصوص اصطلاحات، شطحات وغیرہ کا بیان ہے اور آخر میں گمراہ صوفیاء پر تنقید ہے، اس میں ہر گروہ کی گمراہی الگ الگ بیان کر کے ان پر تنقید کی گئی ہے، مثلاً حریت وعبودیت میں غلطیاں، نبوت وولایت اور حلول وغیرہ کا ذکر ہے۔

کتاب اللمع میں شروع میں پندرہ ابواب ہیں، جو مختصراً تصوف کے جملہ پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، تصوف اور اس کی اہمیت، حدیث اور فقہ کی اہمیت، صوفیہ کے طبقات یہ بحث کہ لفظ تصوف کے استعمال کی ضرورت کیا ہے، صوفیہ کا فقہاء پر اعتراض، صوفی نام کی تشریح، تصوف ہے کیا صوفیہ کون ہیں؟ علم توحید اور تصوف، معرفت، عارف وغیرہ مباحث ہیں۔

کتاب کے اگلے حصہ میں مستقل کتابیں ہیں، جیسے کتاب الاحوال والمقامات، اس میں صوفیہ کے احوال و مقامات کو بیان کیا گیا ہے۔ حال تبدیل ہونے والی کیفیت کا نام ہے جیسے محبت، خوف، شوق وغیرہ۔ اس کے بعد کتاب اصل صفات ہے، اس کے بعد کتاب المستنبطات ہے، اس میں صوفیہ کے ذریعہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کی جو کوشش ہے اس کا بیان ہے۔ اس کے بعد کتاب صحابہ ہے، پھر آداب کتاب صوفیہ اس میں شرعی امور میں صوفیہ کے آداب بیان کئے ہیں اس کے بعد کتاب المسائل ہے، اس میں صوفیہ کے مخصوص مسائل جیسے جمع وفرق، صدق، اخلاص، فقر، مروت وغیرہ کا بیان ہے۔

کتاب المکاتبات میں صوفیہ کرام کی باہمی مکاتبت اور ان کے مکتوبات کے کچھ نمونے دیے ہیں۔ کتاب السماع میں سماع کے آداب اور اس کے جواز کے دلائل نیز سماع میں صوفیہ کے معمولات کا بیان ہے۔ کتاب الوجد کتاب الکرامات وغیرہ میں صوفیہ کے وجد اور کرامتوں کا بیان ہے۔ چونکہ تصوف ایک نیا فن تھا اور اللمع فی التصوف اس فن کی پہلی کتاب ہے اس لیے مصنف نے تصوف کی مشکل اصطلاحات کی تشریح بھی ہے۔

تصوف کی تاریخ میں شطحات نہایت اہم مسئلہ ہے، ابو نصر سراج نے اس پر بھی ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نہایت شرح وبسط سے روشنی ڈالی ہے۔

آخر میں گمراہ صوفیہ کے بارے میں بھی لکھا ہے جنہوں نے تصوف کا ظاہری طور پر دعویٰ تو کیا لیکن وہ شریعت مصطفوی کے جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے۔

یہ کتاب یقیناً بے مثال اور تصوف کے علوم کی جامع ہے، اس میں صوفیاء کے افکار کو مضبوط اسناد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

14.4.2 الرعایۃ لحقوق اللہ

الرعایۃ لحقوق اللہ، حارث بن اسد محاسبی کی تصنیف ہے، حارث محاسبی کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے، وہ بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن زیادہ تر وقت بغداد میں بسر کیا، حضرت جنید بغدادی کے مشہور اساتذہ میں ہیں اور تصوف کے اوّلین مصنّفین میں تھے اور انہوں نے بہت کچھ لکھا، علم کلام کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان کی تقریباً تین درجن کتابیں دستیاب ہیں، ان میں سب سے ضخیم کتاب جیسا کہ عبد الحلیم محمود نے وضاحت کی ہے یہی الرعایۃ لحقوق اللہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد کتابیں دستیاب ہیں، لیکن وہ نسبتاً چھوٹی ہیں، یہ کتاب چار سو صفحات سے زیادہ پر محیط ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، کئی لوگوں نے اس کو الگ الگ ایڈٹ بھی کیا ہے، عبد الحلیم محمود نے اس کو ایڈٹ کیا ہے، لیکن اس کا سب سے اچھا نسخہ وہ ہے جس کو عبد القادر احمد عطا نے ایڈٹ کیا، اس کا چوتھا ایڈیشن جامع ترین ایڈیشن ہے، اس میں تخریج و تحقیق کے علاوہ اختلاف نسخ کو بہت تفصیل سے درج کر دیا گیا ہے۔

حارث محاسبی کو تذکرہ نگار 'مرشد الجماہیر' کہتے ہیں یعنی عوام کے رہنما، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی فکر اور ان کے کلام کا محور عوام کی اصلاح و فلاح ہے، الرعایۃ جو ان کی اہم ترین کتاب ہے، یہ کتاب بھی اپنے موضوع سے شروع نہیں ہوئی بلکہ پہلے عوامی تربیت ہے، اس کے بعد کتاب کا آغاز ہے، اس کا پہلا باب حسن استماع پر ہے، یعنی سالک کو یا طالب علم کو کیسا ہونا چاہئے اور حصولِ علم کے لئے حسن استماع کی کتنی اہمیت ہے، لکھتے ہیں:

اے سالک تیری طرف سے حسن استماع اور جو میں جواب دوں ان کو دھیان سے سننا ضروری ہے، شاید کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس چیز کی سمجھ عطا کرے، فائدہ پہنچائے جو اس "الرعایۃ لحقوق اللہ عزوجل والقیام بہا" کے ذریعہ پیش کر رہا ہوں؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ جو اس طرح دھیان سے سنے جس طرح اللہ پسند فرماتا ہے۔ تو جو وہ سنتا ہے وہ اس کے لئے نصیحت اور نافع بن جاتا ہے۔

اس کے بعد حارث محاسبی نے اس کے دلائل بیان کئے ہیں۔

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اصل کتاب دراصل سوالات و جوابات کے پیرائے میں ہے، ایسا لگتا ہے کہ مصنف سے مختلف سوالات کئے گئے اور مصنف نے ان کے جوابات دئے، دوسری خاص بات یہ ہے کہ وہ بالعموم قرآنِ مجید کے حوالے دیتے ہیں۔

حسن استماع کی تلقین کے بعد وہ الرعایۃ لحقوق اللہ کے تصور کی وضاحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حقوق انسانوں پر واجب کئے ہیں، ان کی حفاظت اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، یہ انسان کے اوپر فرض ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری تقوی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ حارث محاسبی نے تقوی اور اس کے مفہوم و تقاضے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ان کے بعد ورع کا بیان ہے۔ انسانی زندگی میں ایک اہم ترین مسئلہ خود فریبی کا ہے، انسان بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ وہ اچھا انسان ہے، حارث محاسبی نے تقوی و ورع کے بعد اس خود فریبی کا بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان پر غور و فکر لازمی ہے اور اپنے اعمال کا احتساب بھی کرتے رہنا ضروری ہے تاکہ وہ صحیح راستہ پر گامزن رہے۔ اس کے بعد انہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کرنے، توبہ کی طرف توجہ اور اللہ تعالیٰ کی وعیدوں پر خوفزدہ ہونے جیسے موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ توکل بھی ایک اہم انسانی صفت میں سے ہے اس کا بیان ہے، اس کے بعد حقوق اللہ، اس کے اسباب و اوقات اور حقوق اللہ سے

متعلق قلب و دل کے احوال کا بیان ہے۔

کتاب الریا کے نام سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں ریا سے متعلق نہایت شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے، اس کے بعد مختلف ابواب میں انسانی کی بشری کمزوریوں کا بیان ہے اور ان کے علاج پر گفتگو کی ہے جیسے عجب، خود بینی، حسد وغیرہ، اور آخری باب مرید کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہے، اس کا عنوان ہے تأدیب المرید، اس میں مرید کے دن و رات کو کس طرح بسر ہونا چاہئے اور اس کو کن آداب کی رعایت کرنی چاہئے اور آخری بات یہ ہے کہ زندگی کس کیفیت میں بسر کرنی چاہئے۔

الرعایۃ لحقوق اللہ سالکین کے لئے ایک رہنما کتاب ہے، اس میں آداب سلوک سے لے کر انسان کی ذمہ داریاں، اس کے نفسیاتی امراض اور ان کا علاج اور سالک کے ایام کو کس طرح بسر ہونا چاہئے اس سب کا تفصیلی بیان ہے۔

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- الرسالۃ القشیریۃ کو تصوف کے متون میں غیر معمولی شہرت ملی، اللمع کا صحیح تعارف اس وقت ہوا جب مستشرقین نے اس کی طرف توجہ کی اور اس کو ایڈٹ کر کے شائع کیا، لیکن الرسالۃ القشیریۃ بہت پہلے سے لوگوں کی توجہات کا مرکز بنا رہا، اور اس کی اشاعت بھی بہت پہلے شروع ہو گئی تھی۔ الرسالہ القشیریۃ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، جو مصنف کی دیدہ وری کا آئینہ دار ہے، اور بلاشبہ تصوف کی نصابی کتابوں میں شامل ہے۔
- کشف المحجوب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر لکھی جانے والی یہ تصوف کی پہلی کتاب ہے، اس سے قبل ہندوستان میں تصوف پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی اور دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب فارسی زبان میں تصنیف کی گئی۔ اس سے قبل جتنی کتابیں تصنیف کی گئیں وہ عربی میں تھیں۔ اسی بنا پر برصغیر میں اس کتاب کو بڑی قبولیت بھی حاصل ہوئی،۔ کتاب اللمع کی طرح یہ کتاب کبھی گوشۂ گمنامی میں نہیں رہی۔
- 'اللمع فی التصوف' تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی پہلی دستیاب کتاب ہے۔ اس طرح وہ گویا تصوف کے مورخ اور مدون ہیں۔ ان سے قبل بھی تصوف پر بعض کتابیں لکھی گئیں اور بعض ان میں سے دستیاب بھی ہیں جیسے ابو سعید الخراز کی کتاب الصدق یا حارث محاسبی کی تصنیفات، لیکن یہ کتابیں ان کی اپنی آراء کا مجموعہ ہیں، خود تصوف کیا ہے اس کے امتیازات کیا ہیں، صوفیا کون ہیں اور کیوں صوفی کہلاتے ہیں، ان کے افکار، علوم اور کیفیات اور راہ سلوک کیا ہیں؟ ان تمام موضوعات پر ابو نصر سراج کی مایہ ناز تصنیف اللمع فی التصوف پہلی کتاب ہے۔
- کتاب اللمع فی التصوف کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اس کے متعدد قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں، اس کتاب کو 1909ء میں سب سے پہلے نکلسن نے انگریزی خلاصے اور ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔

- الرعایۃ لحقوق اللہ، حارث بن اسد محاسبی کی تصنیف ہے، حارث محاسبی کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ حارث محاسبی کو تذکرہ نگار 'مرشد الجماہیر' کہتے ہیں یعنی عوام کے رہنما، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی فکر اور ان کے کلام کا محور عوام کی اصلاح و فلاح ہے، الرعایۃ جو ان کی اہم ترین کتاب ہے، یہ کتاب بھی اپنے موضوع سے شروع نہیں ہوئی بلکہ پہلے عوامی تربیت ہے، اس کے بعد کتاب کا آغاز ہے۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. -------معروف کتاب ابتدا ہی سے تصوف کے نصاب حصہ رہی۔

(a). رسالہ قشیریہ (b). کتاب اللمع (c). کشف المحجوب (d). التعرف لمذہب اہل التصوف

2. فارسی زبان میں تصوف کی سب سے پہلی تصنیف-------ہے۔

(a). رسالہ قشیریہ (b). کشف المحجوب (c). کتاب اللمع (d). الرعایہ لحقوق اللہ

3. -----صوفی امام قشیری کے ہم عصر تھے۔

(a). ابو نصر سراج (b). حارث محاسبی (c). علی ہجویری (d). ان مین کوئی نہیں

4. ان میں سے کون سی کتاب میں تصوف کی تاریخ اور تصوف کے سلسلوں کا ذکر ہے؟

(a). الرعایہ لحقوق اللہ (b). کتاب اللمع (c). رسالہ قشیریہ (d). کشف المحجوب

5. -----کی تصنیف کا اصل مقصد معاصر صوفیا کی جماعت سے خطاب تھا۔ احباب صوفیا کے نام ایک کھلا خط سمجھا جاتا ہے۔

(a). رسالہ قشیریہ (b). کشف المحجوب (c). الرعایہ لحقوق اللہ (d). کتاب اللمع

6. داتا گنج بخش-------کا لقب ہے۔

(a). امام قشیری (b). علی ہجویری (c). ابو نصر سراج (d). ان میں کوئی نہیں

7. -------تصوف کی کتاب کو نکلسن نے ایڈٹ کروا کر شائع کیا۔

(a). رسالہ قشیریہ (b). کشف المحجوب (c). کتاب اللمع (d). التعرف لمذہب اہل التصوف

8. ------طاوس الفقرا کا لقب حاصل تھا۔

(a). امام قشیری (b). علی ہجویری (c). ابو نصر سراج (d). حارث محاسبی

9. -------کو تذکرہ نگار 'مرشد الجماہیر' کہتے ہیں۔

(a). حارث محاسبی (b). ابو نصر سراج (c). امام قشیری (d). علی ہجویری

10. حارث محاسبی کے بارے میں------مستشرق نے تحقیق کی ہے؟

(a). نکلسن (b). مارگریٹ اسمتھ (c). آربیری (d). تاراچند

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. امام قشیری کا تعارف ان کی تصنیف کے حوالہ سے پیش کیجیے۔
2. تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے پہلی تصنیف کونسی ہے۔ مختصراً تعارف تحریر کیجیے۔
3. الرعایہ لحقوق اللہ کے مصنف اور ان کے اسلوب تحریر پر ایک تجزیاتی مضمون پیش کیجیے۔
4. شیخ علی ہجویری نے کس زبان میں تصوف کی کتاب تحریر کی اور اسکا کیا فائدہ ہوا؟
5. کشف المحجوب کی انفرادی خصوصیات قلم بند کیجیے۔

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. رسالہ قشیریہ پر ایک معلوماتی مضمون قلم بند کیجیے۔
2. فارسی زبان میں تحریر کی جانے والی تصوف کی اولین کتاب کونسی ہے ایک تعارفی مضمون قلم بند کیجیے۔
3. تصوف کی ابتدائی کتب کا تعارف پیش کیجیے۔

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تصوف اسلام : عبد الماجد دریابادی
2. تابعین : شاہ معین الدین احمد ندوی
3. رسالہ قشیریہ : ابو القاسم قشیری (اردو ترجمہ)
4. کشف المحجوب : سید علی ہجویری (اردو ترجمہ)
5. اردو دائرہ معارف اسلامیہ
6. Early Mystics in Islam : M. Smith
7. Encyclopedia of Islam (3rd Edition)

اکائی 15: مشہور صوفی تصنیفات (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 عوارف المعارف

15.2.1 صاحب کتاب عوارف المعارف

15.3 فتوح الغیب

15.3.1 صاحب کتاب فتوح لغیب

15.4 قوت القلوب

15.5 الاربعین فی التصوف

15.6 مکتوبات امام ربانی

15.6.1 صاحب کتاب 'مکتوبات امام ربانی'

15.7 فوائد الفواد

15.8 اکتسابی نتائج

15.9 نمونہ امتحانی سوالات

15.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

15.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

15.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

15.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

15.0 تمہید

تصوف کی تاریخ میں باضابطہ کتاب لکھنے کا آغاز احادیث شریفہ کے ان مجموعوں سے ہوا جو الزہد کے نام سے لکھے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے باضابطہ تصوف پر کتابیں لکھنی شروع کیں، گذشتہ اکائی میں آپ نے تصوف کی چند ابتدائی کتب کے بارے میں جانا اس اکائی میں میں آپ تصوف کی باضابطہ اور اہم ترین کتابوں کے بارے میں جانیں گے جن میں سے اکثر تصوف کے مختلف سلاسل کے نصاب کا حصہ ہیں۔ اس اکائی میں مختصراً کتابوں کے ابواب اور ان کے خلاصوں پر بھی تبصرہ کیا جائے گا۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ مختلف ادوار میں تصوف پر لکھی جانے والی اہم کتابوں سے شناسائی حاصل کی جائے جس سے اس دور کے صوفیا کے افکار و خیالات سے آگاہی حاصل ہو سکے گی۔ آپ جانیں گے عوارف المعارف اور فتوح الغیب آج بھی صوفی سلسلے کی نصابی کتب میں شامل ہیں اور خواص و عوام میں آج بھی یکساں طور پر مقبول ہیں۔ آپ ہندوستان کی سرزمین پر تصنیف کی گئی اہم صوفی تصنیف مکتوبات امام ربانی جو سلسلہ نقشبندیہ کے نصاب کا حصہ ہے کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کر سکیں گے۔ آپ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے مایہ ناز بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ جو سلسلہ چشتیہ کے سالکین کے نصاب کا ایک حصہ ہے، فوائد الفواد کی تعلیمات سے استفادہ حاصل کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں تصنیف کی گئی دیگر کتب قوت القلوب، الاربعین فی التصوف کے بارے میں بھی گفتگو کر سکیں گے۔

15.2 عوارف المعارف

عوارف المعارف تصوف کی معرکۃ الآراء کے کتاب ہے۔ اس کی تصنیف مشہور صوفی شیخ شہاب الدین سہروردی نے کی۔ یوں تو شیخ شہاب الدین سہروردی نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن سب سے مشہور کتاب عوارف المعارف ہے۔ عوارف المعارف پانچویں صدی میں لکھی جانے والی تصوف کی سب سے اہم اور جامع کتاب مانی جاتی ہے۔ بلکہ محققین اور علما کی رائے کے مطابق یہ کتاب بعد میں تصنیف کی گئی صوفی کتب کا ماخذ یہی کتاب رہی۔ اس کتاب کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ صوفیہ کی بعض کتابوں میں تصوف کے حوالوں کے اعتبار سے نسبتاً کمزوری پائی جاتی ہے لیکن لیکن عوارف المعارف میں بالعموم صحیح احادیث سے استدلال ہے اور اگر کہیں کمزور روایات لی ہیں تو ان پر تحکیم کر دی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب صوفیہ کے تمام حلقوں میں یکساں مقبول رہی ہے۔

عوارف المعارف سلسلہ سہروردیہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ کی بھی بنیادی نصابی کتاب ہے۔ شہاب الدین سہروردی نے اس کتاب کو دو جلدوں میں مرتب فرمایا ہے، جلد اول میں 32 ابواب ہیں، اور جلد دوم میں 21 ابواب ہیں اس طرح کتاب میں کل 23 ابواب ہیں۔

وجہ تالیف

شیخ شہاب الدین سہر وردی نے اس کتاب کو بنیادی طور پر جاہل صوفیہ اور ڈھونگی پیروں سے تصوف کو ممتاز کرنے کے لئے لکھا تھا، لوگوں نے تصوف کے نام پر دکانداری شروع کرر کھی تھی، عوام کو غیر شرعی رسم ورواج میں جکڑ رکھا تھا، حضرت کا اصل منشایہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حقیقی تصوف کیا ہے؟ اور اس چشمہ صافی میں لوگوں نے جو کدورت ملادی ہے اس کو دور کیا جائے۔ آپ نے کتاب کے مقدمہ میں حمد ونعت کے بعد سبب تالیف یہی بیان کیا ہے۔ چنانچہ کتاب کا آغاز ہی ان جملوں سے ہوتا ہے کہ

"گروہ صوفیہ میں انحطاط پیدا ہو چلا ہے، ان کے اعمال فاسد ہوتے جارہے ہیں، ان کے نقال بہت سے پیدا ہو گئے ہیں، اتباع کتاب وسنت ہاتھ سے چھوٹ رہی ہے اور مخلوق تصوف کی حقیقت سے بدگمانی ہو چلی ہے" گویا انہوں نے بدگمانی اور بے عملی کی اس روش پر تنقید کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی؛ لیکن کتاب پورے طور پر مثبت انداز میں لکھی گئی ہے، اس میں تنقیدی پہلو غالب نہیں ہے، گویا یہ آئینہ ہے جس میں اہل تصوف اپنے آپ کو دیکھ لیں۔

مقدمہ کے بعد کتاب کے ابواب کتاب کی فہرست بیان کی ہے جو کہ اس وقت کے اعتبار سے ایک جدت تھی۔ فہرست کے خاتمے کے بعد حضرت جنید بغدادی کا ایک قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ "ہمارے اس علم کی بساط سالہا سال قبل ہی لپیٹ دی گئی تھی، اور ہم تواب اس کے صرف حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں"، اس کے بعد خود لکھا ہے کہ "حضرت جنیدؒ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب سلف صالحین اور تابعین عظام کا زمانہ قریب تھا، اب جب کہ اس قدر زمانہ گذر چکا ہے تو علماء زاہدین اور عارفین حقائق کم ہو گئے ہیں تو بھلا انحطاط کا کیا عالم ہو گا"۔

کتاب کے ابواب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے علم تصوف کی ابتدائی تاریخ بیان کی ہے اس کے بعد صوفیہ کا کلام الٰہی حدیث شریف سے اشتغال اور اس کی برکات کا ذکر ہے۔ اس کے بعد علم تصوف کی فضیلت، صوفیہ کے احوال اور ان کے باہم اختلاف طرق، تصوف کی مہارت، تصوف کی وجہ تسمیہ وغیرہ کا بیان کرنے کے بعد ملامتی، مصنوعی اور جھوٹے مدعیان تصوف کی قلعی کھولی ہے، شیخ کے مقام ومرتبہ، مریدین اور خرقہ مشائخ کا بیان ہے پھر تین ابواب میں اہل صفہ کے ساتھ اصحاب تصوف کی مناسبت پر گفتگو کی ہے، اس کے بعد تین ابواب میں صوفیہ کے قیام وسفر وغیرہ کے آداب پر کلام کیا ہے اور آگے صوفیہ کے توکل اور کسب کا بیان ہے۔

ایک باب میں تجرد اور نکاح کا بیان ہے، اس کے بعد چار ابواب میں صوفیہ کے سماع کی بحث ہے، آگے تین ابواب میں چلے کشی پر گفتگو ہے، ایک باب اخلاق صوفیہ کے بیان میں ہے، یہ پہلی جلد کے ابواب ہیں ان میں ساری گفتگو تصوف اور صوفیہ سے متعلق ہے، اس کے بعد دوسری جلد شروع ہوتی ہے، اس میں شرعی امور طہارت، وضو، نماز، اروزہ کے فضائل، آداب واسرار بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد، آداب لباس پر ایک مستقل باب ہے۔ فضائل شب بیداری اور شب میں عبادت شب کی تقسیم پر گفتگو کی گئی ہے، اس کے بعد کے ابواب میں تصوف کے احوال ومقامات اور راہ سلوک کی منازل کے ساتھ ساتھ تصوف کی اصطلاحات کی تشریح کا بھی ہے۔

عوارف المعارف شریعت اور طریقت کے اسرار ومعارف اور علوم وافکار کا ایک نادر گنجینہ ہے؛ اس لئے یہ ہر زمانے میں صوفیہ اور

علماء کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔

15.2.1 صاحب کتاب عوارف المعارف

آپ کا پورا نام ابو حفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری ہے اور لقب شیخ الشیوخ ہے۔ آپ کی ولادت 529 ہجری میں عراق کے قصبہ سہر درد میں ہوئی آپ کی وفات 633 ہجری میں ہوئی اور آپکا مزار بغداد میں مرجع خلائق ہے۔ سلسلہ نسب 12 واسطوں سے ابو بکر صدیق سے ملتا ہے۔ آپ سہر وردی سلسلے کے اصل بانی ابو نجیب سہر وردی کے بھتیجے تھے، لیکن یہ سلسلہ کی نسبت آپ ہی سے منسوب ہے کیوں کہ اس سلسلے کے بڑے جلیل القدر صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کو شہرت کے بام عروج پر پہنچانے کا سہرا آپ کے سر جاتا ہے۔ آپ ہم عصر صوفیا آپ کے پاس دور دور سے مسائل معلوم کرنے کے لیے آتے اور تصوف سے متعلق مباحث و تحقیق میں آپ کو مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی سے آپ کے قریبی مراسم تھے۔ حضرت شیخ نے ایک قصیدہ میں آپ کی بڑی تعریف کی ہے اور خود حضرت نے بھی حضرت شیخ کی سیرت و مناقب میں ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔

شیخ شہاب الدین سہر وردی علوم ضاہری اور باطنی کے جامع تھے آپ کے بارے میں آتا ہے کہ شیخ صاحب کتاب اللہ اور سنت پر پوری طرح عبور رکھتے تھے جو کچھ لکھتے وہ قال اللہ اور قال الرسول سے مستنبط ہوتا تھا۔ آپ فقیہ فاضل اور صوفی متقی تھے زاہد و عارف تھے اپنے زمانے میں علم طریقت لے شیخ اور تربیت سالکین و مریدین میں کامل تھے۔ ان کے مریدین کی تعداد بہت کثیر ہے اور اکثر سالکین و مریدین خود صاحب سلسلہ صوفیا ہیں مثلا شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ حمید الدین ناگوری وغیرہ۔

15.3 فتوح الغیب

تصوف کے موضوع پر فتوح الغیب شیخ عبد القادر جیلانیؒ بانی سلسلہ قادریہ کی اہم اور معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ سلسہ قادریہ کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر سلاسل اور عوام و خواص میں یکساں طور پر مقبول ہے۔ فتوح الغیب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے وہ خطابات یا مقالات ہیں جنہیں حضرت شیخ کے صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیسٰی نے جمع و مرتب کیا۔ حضرت شیخ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور حمد و نعت اور وجہ تالیف کا اضافہ کیا جس سے اس کی شکل ایک مستقل کتاب کی ہو گئی۔

فتوح الغیب اگرچہ بہت مقبول کتاب رہی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کتاب کے کچھ حصوں کی شرح بھی لکھی ہے، لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر عہد وسطی میں اس کتاب کو وہ مقام نہیں ملا جو اس کے شایان شان تھا، اس کتاب کو دوبارہ منصہ شہود پر لانے کی سعادت بھی قسام ازل نے ایک ہندوستانی عالم عبد الحق محدث دہلوی کے نام لکھی تھی، حضرت شیخ حج کرنے گئے تو فتوح الغیب کا نسخہ اپنے ہمراہ لے کر آئے اور یہاں دستیاب نسخوں کی مدد سے اس کا فارسی ترجمہ کیا اور شائع کرایا، اس طرح اس نادر کتاب کو علمی حلقوں میں دوبارہ قبول عام حاصل ہوئی۔

فتوح الغیب ایک مختصر سی کتاب ہے لیکن اس میں شریعت و حقیقت کے تمام رموز و غوامض کھول کر رکھ دیئے ہیں، حضرت نے

اس کتاب کو 78 ابواب میں تقسیم فرمایا، ہر باب جس کو اس کتاب میں مقالہ کا عنوان دیا گیا ہے، مستقل بالذات ہے اور اس میں کسی ایک پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، مثلاً پہلا باب تعمیل اوامر، اجتناب نواہی اور رضا بالقضاء پر ہے، یعنی شریعت کی بنیادی چیز اللہ کے احکام کو بجالانا، اس کی حرام کردہ چیزوں سے رکنا اور تقدیر الٰہی پر رضامند رہنا، گویا اس بنیادی مسئلہ سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ دوسرا باب اتباع سنت اور ترک بدعت پر ہے، تیسرا باب ابتلاء و مصائب پر صبر کا راستہ اختیار کرنے پر ہے، چوتھا مقالہ موت اور اس کے مراتب، پانچواں مقالہ دنیا کی مثال اور دنیا میں وابستہ لوگوں کے حال پر ہے، ساتواں مقالہ، مخلوق سے مستغنی ہونے پر ہے، اس کا آٹھواں مقالہ خالص تصوف کی کنہیات یعنی کشف و مشاہدہ پر ہے، اس طرح مختلف ابواب یا مقالات کے تحت شریعت کے اعمال اور تصوف اور راہ سلوک کے مسائل کا بیان ہے، مثلاً ایک مقالہ توکل پر ہے، ایک قناعت کے بیان میں ہے، ایک میں رضاء کا بیان ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اس کتاب میں دینی ترجیحات کو بھی ملحوظ رکھنے کی بات کہی ہے، یعنی سالک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دین کی ترجیحات میں اپنی طرف سے کوئی حذف و اضافہ نہ کرے، مثلاً ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے کہ: اس آدمی کی حماقت کے بیان میں کہ اس کے ذمہ فرض باقی ہے اور وہ نوافل کا اہتمام کر رہا ہے۔

اس طرح ایک مقالہ زہد کے بارے میں ہے آخری مقالات میں اپنے صاحبزادگان کو وصیتیں کی ہیں اور ایک مقالے میں ارباب محاسبہ و مجاہدہ کے حقائق کا بیان ہے۔

اس طرح یہ کتاب شریعت و طریقت کے تمام پہلوؤں کے سلسلہ میں رہنمائی کرتی ہے، اور سالکین کو خصوصی طور پر اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ضروری ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے عام طور پر قرآن و حدیث کے حوالے دیئے ہیں، دیگر اجلہ صوفیہ کے افکار سے استفادہ تو کیا ہے، لیکن ان کے حوالے بالعموم نہیں ہیں، اس کی وجہ اس عہد کا اسلوب ہے، خاص طور پر حضرت جنید بغدادی کے افکار کی صدائے بازگشت پوری کتاب میں کئی جگہ سنائی دیتی ہے، مثلاً تصوف کے بارے میں حضرت نے لکھا ہے کہ ہم نے تصوف قیل و قال سے نہیں سیکھا، بلکہ بھوک پیاس اور مرغوبات کے ترک سے سیکھا، یہ حضرت جنید بغدادی کا مقولہ ہے۔

فتوح الغیب میں مختصر جملوں میں ایسے نادر نکات بیان ہوتے ہیں کہ ان کی شرح میں پوری کتاب درکار ہے، مثلاً فقر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے نہایت حکیمانہ جملہ استعمال فرمایا: فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جیسی کسی ہستی کا محتاج نہ رہ۔ اس طرح کے خوبصورت اور جامع جملوں سے پوری کتاب لبریز ہے۔

15.3.1 صاحب کتاب فتوح لغیب

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا نام نامی و اسم گرامی کسی کے لئے محتاج تعارف نہیں، آپ کا پورا نام عبد القادر تھا کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین تھا۔ گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ آپ کے القاب میں فرط عقیدت کی وجہ سے متاخرین کی جانب سے اضافہ ہوتا رہا۔ ولادت 470 ہجری قصبہ گیلان میں ہوئی۔ سلسلہ نسب والد کی جانب سے سیدنا حسن اور والدہ کی طرف سے حضرت حسین سے جا ملتا

ہے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے والدہ نے تربیت کی حصول علم کے لیے بغداد گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ سن وفات 561 ہجری ہے بغداد میں آپ کا مدفن مرجع خلائق ہے۔

اپنے زمانے کے کامل اساتذہ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا۔ باطنی علوم کا حصول شیخ حماد، قاضی ابو سعید مخزومی، شیخ ابو یوسف یعقوب ہمدانی سے پائی۔ کرامات اور خرق عادت واقعات با کثرت ان سے منسوب ہیں۔ بادشاہوں سے تحفہ قبول نہیں کرتے تھے البتہ عوام کے تحائف قبول کر لیتے تھے۔

تصوف کے ارتقاء کے پانچویں دور میں آپ نے جس طرح تصوف کی آبیاری کی اور اس کو مشرق و مغرب میں مقبول بنایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ مولانا عبد الماجد دریابادی نے حضرت کے بارے میں لکھا ہے کہ صحیفہ زندگی کی ایک ایک سطر احکام شرعیہ کے مطابق تھی، مکتوبات و مواعظ کا ایک ایک لفظ آیات کلام مجید سے مستنبط، تعلیمات میں سب سے زیادہ زور اتباع شریعت پر، آخری وصیت بھی آپ کی یہی تھی کہ زندگی اللہ کے تقوی کے زیر سایہ گذاری جائے۔ حضرت نے ساری زندگی درس و تدریس اور وعظ و تذکیر میں بسر کی، آپ نے چند کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن میں غنیۃ الطالبین، الفتح الربانی اور فتوح الغیب بہت مشہور ہیں۔

15.4 قوت القلوب

ابو طالب مکی کا پورا نام ابو طالب محمد بن علی بن عطیۃ الحارثی المکی ہے۔ آپ کی وفات 386ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت کے بڑے عالم فاضل تھے خاص طور پر تصوف اور علم کلام کے امام تھے، حدیث پر بھی بڑی وسیع نظر تھی، آپ کی معرکہ آراء تصنیف "قوت القلوب" کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب قدیم زمانے سے ہی تصوف کی امہات کتب میں شمار ہوتی ہے، امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم کا ایک بنیادی مرجع ابو طالب مکی کی یہی کتاب قوت القلوب ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید" ہے۔

قوت القلوب کو ابو طالب مکی نے 48 فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور دو فصلوں میں اسلامی زندگی سے متعلق تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی، وہ اپنی کتاب قرآن مجید، احادیث شریفہ، آثار صحابہ اور بعد کے لوگوں کے اقوال کو بکثرت نقل کرتے ہیں، حضرت حسن بصری کی روایات بھی کثرت سے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ دیگر صوفیہ جیسے حارث محاسبی، سری سقطی ذوالنون مصری اور دیگر اجلہ صوفیہ کے اقوال بھی بیان کرتے ہیں۔

ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں بتایا ہے کہ ذکر کی مجلس اہم ترین مجالس میں سے ہے یہ قصہ گوئی یا واقعات بیان کرنے کی مجلس نہیں ہوتی؛ بلکہ اللہ کے ذکر کی مجلس ہوتی ہے، قصوں کے ذریعہ یہ بدعات و خرافات پھیلتی ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قصہ گوئی کی مجلسیں منعقد نہیں ہوتی تھیں۔ اور انہوں نے صحابہ کرام خاص طور پر حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عمر اور تابعین جیسے حضرت حسن بصری وغیرہ کے واقعات نقل کئے ہیں کہ انہوں نے کس طرح قصہ گوئی کو ناپسند فرمایا، اور اگر مسجد میں کوئی قصہ بیان کر رہا

ہو تا تو وہ اس کو مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔

ابو طالب مکی نے خود بھی قصہ گوئی کا التزام نہیں کیا ہے، ضمناً کچھ واقعات بیان کئے ہیں، اور زیادہ تر واقعات بنی اسرائیل کی روایات سے لئے ہیں، چند قصے حضرت عیسی علیہ السلام کے بیان کئے ہیں۔

ابو طالب مکی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ علماء آخرت صوفیہ کرام ہیں وہی سنت کے متبع اور دین پر عمل کرنے والے ہیں، اور اس کی وضاحت کی ہے کہ صوفی کو صاحب حدیث صوفی ہونا چاہئے، یعنی صوفی کو پہلے محدث ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے معروف کرخیؒ کی شخصیت کو بطور مثال پیش کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن سعید جیسے جلیل القدر محدث بھی ان سے احادیث دریافت کیا کرتے تھے۔ ابو طالب مکی نے اپنی کتاب میں مسلم علماء کی کتابوں کی تاریخ بھی بیان کی ہے، ان کے مطابق اسلام میں پہلی کتاب ابن جریج کی آثار ہے، پھر مجاہد، عطا اور ابن عباس کی تفسیری روایات، پھر معمر بن راشد کی جامع، امام مالک کی موطا، ابن عیینہ کی جامع وغیرہ کتابیں ہیں۔

قوت القلوب کی اہمیت کے پیش نظر بہت سے علماء نے اس کی تلخیص بھی کی ہے، ان میں محمد بن خلف بن سعید اندلسی اور حسین بن معن کی بہت مشہور ہیں۔

قوت القلوب سے ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

نقصان کا سبب غفلت ہے اور غفلت آفات النفس سے پیدا ہوتی ہے، نفس کی طبیعت میں حرکت ہے، جب کہ اس کو سکون کا حکم دیا گیا ہے، اس میں اس کا امتحان ہے تا کہ نفس مولی کی طرف متوجہ رہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ "تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو، تم اللہ تعالی سے دعا کرو کہ وہ تم کو دین اسلام پر موت دے۔ اور انسان کے جلد باز ہونے کی بات بھی قرآن میں کہی گئی اور اللہ تعالی کا حکم اتنا قریب ہے کہ اس کے لیے جلد بازی کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اللہ تعالی نے امتحان کے لئے جلد بازی ترک کرنے اور صبر و ثبات اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اگر سکینہ نازل ہو تو اس سے ایمان کی کیفیات زیادہ ہوتی ہیں اور نفس بحکم الہی حالت سکون میں آجاتا ہے۔

15.5 الاربعین فی التصوف

الاربعین فی التصوف امام غزالی کی معرکہ آراء تصنیف ہے، امام غزالی پانچویں صدی کے مجدد، اعلی درجہ کے متکلم، فقیہ اور صوفی تھے، آپ طوس کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ بہت جلد امام الحرمین جوینی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے، اور ابھی آپ کی تعلیم مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کی علمیت کا شہرہ ہو گیا، آپ کے فضل و کمال کے ذریعہ اللہ تعالی نے آپ کی رسائی نصیر الدین طوسی کے دربار تک کرائی، وہ خود بھی بڑے عالم فاضل تھے، اور فلسفہ و اخلاق پر بڑی مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، انہوں نے امام غزالی کے جوہر قابل کو پہچان لیا اور ان کو مدرسہ نظامیہ میں تدریس کی ذمہ داری عطا فرمائی، امام غزالی نے چند سال ہی درس دیا؛ لیکن اس قلیل عرصہ میں آپ کے گرد شاگردوں کی ایک بھیڑ جمع ہو گئی اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، اس دوران امام غزالی

نے فقہ شافعی کے کئی اہم متون تصنیف فرمائے، علم کلام، اصول فقہ اور فقہ پر آپ کی کتابوں نے ایک عالم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، اس کے ساتھ فلسفہ پر آپ کی تنقید نے اس وقت کے فلاسفہ کو بھی حیرت زدہ کر دیا، آپ کی کتابیں، مقاصد الفلاسفہ، معیار العلم اور تہافۃ الفلاسفہ فلسفہ اور علم کے متعلقات میں آج بھی توجہ اور دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔

امام غزالی کو اس دنیاوی جاہ و جلال اور شان و شوکت میں ایک عرصہ سے زیادہ اطمینان نہیں ملا اور حقیقت کی تلاش میں سفر پر نکل کھڑے ہوئے، اثنائے سیاحت طویل مجاہدات کئے، اس سفر میں احیاء علوم الدین جیسی معرکہ آراء کتاب تصنیف کی، اور سفر کے خاتمہ پر ایک مختصر رسالہ المنقذ من الضلال کے نام سے لکھا جو ایک طرح سے ان کے ذہنی سفر کی روداد ہے۔

امام غزالی گوناگوں خوبیوں کے مالک ہیں، مختلف علوم میں وہ درجہ امامت پر فائز ہیں، خاص تصوف میں بھی ان کی شان نرالی ہے، احیاء العلوم بھی تصوف کی کتاب ہے، اس کے علاوہ انہوں نے جواہر القرآن، القصور العوالی وغیرہ رسائل میں تصوف کے مباحث پر کلام کیا ہے۔

الاربعین فی التصوف ان کی خاص تصوف کے موضوع پر ایک تصنیف ہے اس کتاب میں انہوں نے تصوف کی چالیس بنیادوں کو عنوان بنا کر ان پر گفتگو کی ہے، اس کتاب کے مباحث کے عنوانات اس طرح ہیں، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، کسب حلال، حقوق العباد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اتباع سنت، طہارت قلب، مذموم صفات جیسے زیادہ کھانا، حرص طعام، کثرت کلام، زیادتی غضب، حسد، بخل، حب جاہ، حب دنیا، رعونت، نخوت، تکبر، خود پسندی، ریاء کاری، وغیرہ پر شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا ہے اور ان کے علاج تجویز کئے ہیں۔ اس کے ساتھ اخلاق حسنہ جیسے توبہ، انابت، خوف، زہد، صبر، شکر، اخلاص و صدق نیت، توکل اور فکر آخرت وغیرہ کے عنوانات پر بھی گفتگو کی ہے۔

امام غزالی نے اس کتاب میں ایک نکتہ یہ لکھا ہے کہ اعمال و عبادات اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اوقات کو تقسیم کر لے اور پھر اس تقسیم کی پابندی کرے، مثلاً عبادت کے لئے جو وقت مخصوص کیا تھا اس میں عبادت کرے، جو وقت سماجی خدمت کے لئے مختص کیا تھا اس میں سماجی خدمت کرے، اس طرح انسان کو توازن کے ساتھ تمام اعمال کی انجام دہی کا موقع ملے گا۔

15.6 مکتوبات امام ربانی

مجدد الف ثانی کے مکاتیب کا مجموعہ "مکتوبات امام ربانی" کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوا ہے جو دفتر کہلاتے ہیں، دفتر اول میں 313 مکتوبات ہیں، اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق خطوط کی یہ تعداد مجدد الف ثانی کی زندگی میں بلکہ گوالیار کی اسیری سے قبل مرتب ہوئی، اس کے مرتب خواجہ یار محمد بدخشی تھے، دفتر اول کے مکتوبات میں تصوف کے تمام مقامات و احوال، مثلاً عروج و ہبوط، فناء و بقا، مراقبہ و مشاہدہ، جذب و سلوک، جلال و جمال، ذات و صفات حق تعالی، مقام عبدیت اور سیر الی اللہ وغیرہ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

دفتر دوم کے مکتوبات اسماء حسنی کے مطابق / 99 مکتوبات پر مشتمل ہیں، ان کا دوسرا نام نور الخلائق ہے، ان کو 1619 میں خواجہ

عبدالحی نے جمع کیا تھا، اس دفتر میں خطوط کی تعداد تو کم ہے، لیکن زیادہ تر خطوط بہت مفصل اور کتابچوں کے انداز کے ہیں۔

دفتر سوم کے مکتوبات قرآن پاک کی سورتوں کی مناسبت سے 114 ہیں، اس دفتر کی تدوین و ترتیب کا کام میر محمد نعمان نے شروع کیا تھا اور خواجہ محمد ہاشم نے مکمل کیا، یہ مجموعہ 1622 میں مرتب ہوا، اس میں وہ خطوط ہیں، جو حضرت نے گوالیار کی اسیری میں لکھے اور لشکر شاہی میں قیام کے دوران لکھے، یہ دفتر معرفۃ الحقائق کے نام سے مشہور ہے، بعد میں اس مجموعہ میں دس خطوط کا اور اضافہ کیا گیا اس طرح خطوط کی تعداد 124 ہو گئی۔

ان تینوں دفتروں میں مجموعی طور پر 536 مکتوبات ہیں اور مکتوب الیہم کی تعداد 192 ہے، مکتوبات میں ایک وہ ہیں جن میں لوگوں کے دریافت کردہ مسائل کا جواب ہے، دوسرے وہ جن میں حضرت نے از خود اپنے افکار کی وضاحت کی ہے اور شریعت مطہرہ کے لئے مکتوب الیہ کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے، حضرت کے مکاتیب کسی ایک طبقے یا گروہ کے لئے نہیں ہیں، بلکہ ان کے مخاطب علمائ، صوفیہ، امراء و حکام اور آپ کے مریدین سب طرح کے لوگ ہیں، ان خطوط میں آپ نے جو منفرد بات کہی ہے اور پوری اسلامی میراث میں جس کی اس طرح وضاحت کہیں اور نہیں ہے وہ ہے صوفیانہ تجربات کی حقیقت، یعنی سالک کو راہ سلوک میں جو تجربات ہوتے ہیں اور وہ جن روحانی کیفیات سے گذرتا ہے ان کی حقیقت کیا ہے؟ اسی ضمن میں آپ نے نظریہ وحدۃ الشہود بھی پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ سالک جب غلبہ حال میں صرف ذات واحد کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس ذات کے علاوہ ہر وجود کی نفی کر دیتا ہے تو حقیقتاً ہر وجود معدوم ہوتا ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے اور یہ سالک کے لئے فریب نظر ہی ہوتا ہے۔ مجدد الف ثانی کا خیال ہے کہ سالک کے لئے یہ کیفیت صرف ایک مشاہداتی کیفیت ہوتی ہے، اور یہ ایک درمیانی منزل ہے سالک کو اس سے آگے گزرنا ہوتا ہے، یہاں رکنا نہیں ہے، جب سالک اس سے آگے گزر جاتا ہے تو اس کو اندازہ ہوتا ہے کہ صرف ایک وجود کو ہی تنہا وجود تسلیم کرنے کی کیفیت عارضی تھی، خدا کا وجود الگ وجود ہے اور مخلوقات کا وجود الگ وجود ہے، اس لئے مجدد الف ثانی نے اس مقام کو وحدۃ الشہود کا نام دیا ہے۔

مکتوبات امام ربانی کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، ان کے مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئے، ان پر حواشی لکھے گئے، مختلف ملکوں میں ان کی اشاعت عمل میں آئی، ترکی میں ایک پورا وقف ہے جو مجدد الف ثانی کے مکتوبات کو شائع کرتا ہے، یوروپ میں بھی ان مکتوبات کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے، اہل یوروپ نے ان مکتوبات پر یا مکتوبات کی روشنی میں مجدد الف ثانی کے افکار و نظریات پر کتابیں لکھی ہیں۔

15.6.1 صاحب کتاب 'مکتوبات امام ربانی'

شیخ احمد سرہندی 4/ شوال 971ھ / 26/ مئی 1564ء کو بروز جمعہ پنجاب کے ایک گاؤں سرہند میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جاملتا ہے، آپ کا خانوادہ بھی ایک علمی گھرانہ تھا، خود آپ کے والد ایک بڑے عالم اور صوفی تھے، سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد معقولات کی تکمیل اپنے عہد کے مشہور عالم ملا کمال کشمیری سے کی، تفسیر اور بخاری شریف نیز دیگر کتب حدیث کی تحصیل شیخ یعقوب صرفی اور قاضی بہلول بدخشانی سے کی۔ سترہ برس کی عمر میں تکمیل علوم

سے فارغ ہو کر وطن تشریف لائے، تین سال تزکیہ باطن میں مصروف رہے اس کے بعد آگرہ تشریف لے گئے، اور یہاں ابوالفضل اور فیضی جیسے بڑے علماء کی محفل کو زینت بخشی، کہتے ہیں کہ انہوں نے فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کی تصنیف میں مدد کی تھی، اور ابوالفضل کو ان سے خاص تعلق تھا، ابوالفضل کی مجلس میں وہ مستقل شریک ہوتے تھے، ایک دفعہ کسی مسئلہ پر بحث کے دوران ابوالفضل نے امام غزالی کے بارے میں کوئی ناروابات کہی جس سے ناراض ہو کر شیخ ان کی مجلس سے باہر چلے گئے، کہتے ہیں کہ ابوالفضل نے معذرت کر کے شیخ کو واپس بلالیا تھا، لیکن پھر کسی ایسے ہی واقعہ کے بعد یہ ناراضگی کا وقفہ طویل ہو گیا اور اس کی خبر شیخ کے والد کو بھی پہنچی تو وہ سرہند سے آگرہ تشریف لائے اور شیخ کو اپنے ساتھ واپس لے گئے۔

واپس سرہند جاتے ہوئے تھانیسر کے مقام پر پنجاب کی مشہور شخصیت شیخ سلطان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اپنی بیٹی کا عقد شیخ احمد سے کر دیا، شیخ احمد نے سرہند پہنچ کر کئی سال صرف مطالعہ اور مجاہدہ میں صرف کیے، خاص طور پر تصوف کی کتابوں کا یکسوئی سے مطالعہ کیا اور اپنے والد کی نگرانی میں سلوک کے منازل طے کیے، شیخ احمد نے اپنی اس روحانی تربیت کا تذکرہ اپنے بعض مکتوبات میں اور اپنی کتاب 'مبدأ و معاد' میں کیا ہے۔

دہلی میں ان کی ملاقات خواجہ باقی باللہ سے ہوئی اور ان کی شخصیت میں ایسا جذب اور ایسی مقناطیسیت تھی کہ شیخ احمد سب کچھ ترک کر کے انہی کے ہو رہے، پیر کو بھی اپنے مرید کے اندر ایسی عظیم شخصیت کا جلوہ دکھائی دیا کہ چند ماہ کی تربیت کے بعد پیر نے اعلان کر دیا کہ شیخ احمد ایسا روشن چراغ ہیں کہ ان کی روشنی پوری دنیا کو منور کرے گی۔ اور پیر کا فرمان حرف بحرف درست ثابت ہوا، شیخ احمد نے نقشبندیہ سلسلے میں بیعت کر کے اس سلسلہ کو پورے عالم اسلام میں پھیلایا اور یہ سلسلہ اتنی تیزی کے ساتھ پھیلا کہ سلطان جہانگیر نے لکھا ہے کہ شیخ کے مریدین ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں۔

شیخ احمد نے جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا اس کے تین پہلو ہیں، ایک سرکاری، دوسرے علماء اور تیسرے صوفیہ، سرکاری سطح پر اس دور میں اکبر کے دین الٰہی کا چرچا تھا، اکبر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اب اسلام کو آئے ہوئے ایک ہزار سال پورے ہو گئے، جو کسی بھی مذہب کی طبعی عمر ہے، اس لیے اب اسلام کو ختم کر کے نئے دین کا آغاز ہونا چاہیے، اکبر کے بعض درباری علماء جیسے ابوالفضل، فیضی اور ان کے والد ملا مبارک، میر فتح اللہ شیرازی اور شریف آملی وغیرہ نے اکبر کی اس سلسلہ میں بڑی مدد کی، بلکہ سچ یہ ہے کہ انہی درباری علماء نے اکبر کو یہ راہ سجھائی اور اکبر نے مختلف مذاہب کی اخلاقی تعلیمات کو یکجا کر کے ایک نیا دین تیار کروایا، جس کا نام دین الٰہی رکھا اور سرکاری طور پر اس کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا، لیکن یہ مذہب تو پورے طور پر ناکام ہو گیا اور چند درباری لوگوں کے سوا کسی نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ البتہ اس کے اثرات اسلام پر بہت ناروا مرتب ہوئے، رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو کھلے عام تنقید کا نشانہ بنایا جاتا، وحی کا مذاق اڑایا جاتا، قیامت اور حشر و نشر کے تصورات کو نشانہ تضحیک بنایا جاتا، شریعت کے محرمات کو حلال کر دیا گیا اور حلال چیزوں پر پابندی لگائی گئی، خطبہ جمعہ میں سے صحابہ کے نام نکال دیئے، عربی مدارس کی امداد موقوف کر دی گئی، مجوسیت کے زیر اثر آگ کی عظمت کا بیان ہونے لگا وغیرہ بہت سے اعمال ہیں، جن کا تذکرہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اور خود شیخ احمد سرہندی نے مکتوبات میں کیا ہے۔

ان نامساعد حالات میں اسلام کے لیے بحیثیت ایک مذہب زندہ رہنا مشکل ہو گیا، متعدد مقامات پر مسجدیں شہید کی گئیں اور اسلامی اعمال کی انجام دہی مشکل ہو گئی، اسلام کے ارکان کو نشانہ تضحیک بنایا جانے لگا حتی کہ بہت سے مقامات پر مسلمانوں کی جانیں بھی محفوظ نہیں رہیں، شیخ احمد نے اپنے خطوط میں اسلام کی اس زبوں حالی کا تذکرہ کیا ہے۔

اکبر کی وفات کے بعد تخت نشینی کے مسئلہ میں جہانگیر کو بعض ایسے درباری امراء کی حمایت حاصل ہو گئی جو اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف تھے، خاص طور پر صدر جہاں، امیر خاں اور شیخ فرید کی حمایت مل جانے سے جہانگیر تخت نشین ہوا، شیخ احمد نے ان تمام امراء کو خطوط لکھے اور ان کو توجہ دلائی کہ وہ اسلام کو از سر نو نافذ کرنے کی جدوجہد کریں، مثلاً صدر الصدور صدر جہاں کے نام ایک خط میں لکھا ہے:

"اب جبکہ صورت حال بدل چکی ہے، لوگوں کی عداوتیں کم ہو چکی ہیں، اسلامی زعماء اسلام اور علماء اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے جو ارکان منہدم ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ رائج کریں، اگر بادشاہ شریعت مصطفویہ کے نفاذ میں کوشاں نہ ہو اور اس کے قریبی لوگ اپنے آپ کو اس معاملے میں معذور سمجھیں اور وقت کو اسی طرح گزار دینا چاہیں تو آگے چل کر عام مسلمانوں کو جن کے لیے کوئی قوت حاصل نہیں ہے زندگی دشوار ہو جائے گی"۔

اس طرح شیخ احمد نے اکبری عہد میں اسلام اور مسلمانوں پر ہوئے اثرات بد کے ازالے کے لیے کوششیں کیں اور دوسرے ہزارے کے تصور کے تحت اسلام کی جو چیزیں ترک کر دی گئی تھیں ان کا احیاء کرنے کے لیے درباری امراء کو متوجہ کیا۔

شیخ احمد سرہندی کا دوسرا بڑا کارنامہ علماء کی اصلاح کا تھا، اس زمانے میں بہت سے علماء خاص طور پر دربار سے وابستہ علماء کے زیر اثر بدعات اور مشرکانہ اعمال کا زور بڑھ گیا تھا، تاریخ اسلامی خاص طور پر عہد صحابہ پر سخت تنقیدیں کی جانے لگیں۔ قاضی نور اللہ شوستری اور ان کے ہم خیال علماء نے صحابہ کرام پر سب و شتم شروع کر دیا تھا، بہت سے علماء وحی اور نبوت پر شک کرنے لگے، شیخ احمد سرہندی نے ان اثرات کے ازالے کے لیے اثبات النبوۃ اور رد روافض دو کتابیں لکھیں، اور دلائل سے ثابت کیا کہ نبوت خلاف عقل نہیں ہے اور حضرت محمد مصطفی آخری نبی ہیں، نبوت اللہ تعالی کا عطیہ ہے، جو وہ اپنے منتخب بندوں کو دیتا ہے، یہ کسبی چیز نہیں بلکہ وہبی نعمت ہے، کشف اور الہام کے ذریعہ نبوت کی حقیقت کو جانا جا سکتا ہے لیکن یہ کشف و الہام سے بدرجہا بلند ہے، اسی طرح صحابہ کرام کے بارے میں لکھا کہ مشاجرات صحابہ اجتہادی عمل ہیں، حضرت علی برسر حق تھے اور ان کے مخالفین غلطی پر تھے لیکن ان کی غلطی بھی اجتہادی تھی، اس لیے ان کو سب و شتم کرنا جائز نہیں ہے اور صحابہ کرام کی اس تنقیص سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا ہے کہ آپؐ نے (نعوذ باللہ) ایسے لوگ تیار کیے جنہوں نے آپ کی وفات کے فوراً بعد آپ کی ہدایات کو چھوڑ دیا۔ اس طرح شیخ احمد نے علماء کی غیر شرعی موشگافیوں پر تنقید کی اور صحیح افکار کی اشاعت کے لیے بھرپور کوشش کی۔ کتابوں کے علاوہ انہوں نے خطوط لکھ کر بھی لوگوں کی اصلاح کی کوششیں کیں۔

شیخ احمد سرہندی کے کار تجدیدی اور اصلاحی کوششوں کا تیسرا بڑا میدان جاہل صوفیہ کی اصلاح اور ان کے اثرات کا ازالہ تھا، اس دور میں صوفیہ کے اندر سماع، وجد اور رقص عام تھا، فرائض اور سنن کے مقابلے میں ذکر و اذکار کو اہمیت دیتے تھے، پیروں کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ ان کے اندر ایسی قوت ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی سے ناراض ہو جائیں تو اس کو روحانی ترقی سے محروم کر سکتے ہیں، پیروں کو سجدہ

تعظیمی کیا جاتا تھا، مزاروں پر منت مانگی جاتی تھی، وجودی صوفیہ تو شریعت کو حجاب قرار دیتے تھے، زندگی کا مقصد فنا اور بقاء کے تجربات بن گیا تھا، کشف و کرامات پر بے انتہا اعتماد کیا جاتا تھا، بعض صوفیہ اپنے وضو کے ماء مستعمل کو بطور تبرک مریدوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ شیخ احمد سرہندی نے ان تمام امور پر تنقید کی اور ان کو بدعت قرار دیا، رقص و موسیقی اور سماع و وجد پر تنقید کی، سجدہ تعظیمی کی شدید مذمت کی، کشف و کرامات کے بارے میں یہ بتایا کہ یہ ولی کی عظمت و شان کے لئے ضروری نہیں ہیں، انہوں نے دلیل دی کہ جتنے بڑے صوفیہ گزرے ہیں جیسے حضرت خواجہ جنید بغدادی ان سے چند کرامات بھی منسوب نہیں ہیں، اگر کرامت ولی کے لیے معیار ہوتیں تو بڑے صوفیہ سے زیادہ کرامات کا صدور ہوتا۔ خاص طور پر وحدۃ الوجود کی فضاء میں انہوں نے ایک مستقل نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا، جس نے روایت پسند صوفیہ کو فوری طور پر اپنی جانب متوجہ کر لیا، اور علماء و صوفیہ کے درمیان جو خلیج چلی آرہی تھی وہ بڑی حد تک کم ہو گئی۔

مجدد الف ثانی کی اس غیر معمولی کامیابی کے پیچھے سب سے اہم سبب ان کا طریقہ کار ہے، ان کے افکار و نظریات تصوف کی تاریخ میں اہمیت کے حامل تھے۔ مجدد الف ثانی نے اپنے افکار کی اشاعت کے لئے خطوط کا سہارا لیا، انہوں نے مختلف علاقوں کے علماء امراء و حکام اور اپنے مریدین کو خطوط لکھ کر اپنے نظریات و افکار سے آگاہ کیا، اور آپ کا یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ بہت کم عرصہ میں آپ کے نظریات ہند اور بیرون ہند پھیل گئے۔

15.7 فوائد الفواد

امیر حسن علا سجزی نے فوائد الفواد مرتب کی، یہ حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، دراصل ایک مرتبہ امیر حسن سنجری اپنے دوستوں کے ساتھ شغل مے نوشی میں مشغول تھے۔ اتفاق سے حضرت نظام الدین اولیاء کا ادھر سے گذر ہوا، آپ کو دیکھ کر امیر حسن نے ایک شعر پڑھا، جس میں یہ شکایت تھی کہ آپ کی صحبت میں بھی ہم سدھر نہ سکے، حضرت نے مسکرا کر محفل میں آنے کی اجازت دے دی۔ امیر حسن سنجری نے محفل ادب کی اس باریابی کو غنیمت جانا اور زبان مبارک سے ادا ہونے والے لعل و گوہر کو نوک قلم کے ذریعے روئے قرطاس پر ثبت کرنے لگے، مشفق مرشد کو بھی اپنے مرید سے بڑی انسیت تھی، اور حضرت نے خود اپنے عزیز مرید کو اس عظیم کام یعنی سلطان المشائخ کے دربار کی وقائع نویسی کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

حضرت کے یہ ملفوظات بعد میں فوائد الفواد کے نام سے مرتب ہوئے، ان ملفوظات کی پہلی مجلس 3/ شعبان 707ھ مطابق 28/ جنوری 1308 بروز اتوار شروع ہوتی ہے، اور آخری مجلس 20/ شعبان 722 مطابق 5/ ستمبر 1322ء بروز اتوار لکھی گئی، یعنی کم و بیش 25 سال تک اس کتاب کی تسوید کا کام ہوتا رہا، اس کتاب میں 188 مجلسوں کے ملفوظات ہیں، بعض بہت طویل ہیں اور بعض مختصر ہیں، مجلسوں کی تسوید کے درمیان زمانی فاصلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دوران امیر حسن سجزی کو بار بار دہلی سے باہر جانا پڑا اور یہ غیر حاضری کبھی کبھی کئی کئی ماہ طویل ہو گئی، تاہم عام طور پر ہر جمعہ کو یہ مجلس ہوتی تھی اور اس کے ملفوظات امیر حسن سجزی لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ ملفوظات موجودہ کتاب کے مقابلے میں بہت زیادہ تھے لیکن خود مصنف نے تکرار وغیرہ کو حذف کر کے زیر نظر مجموعہ تیار کیا اور باقی

مسودات کو قبرستان میں لے جاکر دفن کر دیا۔

فوائد الفواد کا تعارف اور اس کی حکمت و معارف کا بیان مستقل موضوع ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے فوائد الفواد کے مضامین اس طرح بیان کئے ہیں کہ اس کتاب میں درج ذیل موضوعات و مضامین پر حضرت کی گفتگو ملتی ہے: تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، سیر الاولیاء، ملفوظات مشائخ، تصوف، اعمال، عبادات اوراد، آداب المریدین، آداب صوفیہ، تزکیہ نفس، اخلاقیات، اصطلاحات صوفیہ، فلسفہ، منطق، آداب معاشرت، تعبیر رویاء، حکایات مشائخ، اصول عقائد، ادب و شعر، سماع، لغت، وعظ و تذکیر، تمثیلیات، لطائف، فوائد الفواد میں ان موضوعات کے علاوہ بھی بہت کچھ زیر بحث ہے، لیکن اس کتاب کا محوری موضوع بہر حال تصوف ہے اور دیگر موضوعات ضمناً زیر بحث آئے ہیں۔

پہلی مجلس میں توبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تائب متقی کے برابر ہوتا ہے کیونکہ متقی تو وہ ہوتا ہے کہ مثلاً اس نے ساری عمر کبھی شراب نہ چکھی، یا اور کوئی گناہ نہیں کیا اور تائب وہ ہوتا ہے کہ گناہ کیا پھر توبہ کرلی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دونوں اس حدیث کے مطابق برابر ہیں کہ 'التائب من الذنب کمن لا ذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں)۔ یہ تشریح بھی اس ضمن میں فرمائی کہ جس نے گناہ کیا اور گناہ سے خوب ذوق پایا، جب وہ توبہ کرتا ہے اور طاعت کرتا ہے تو اس طاعت میں بھی خوب ذوق پاتا ہے اور عین ممکن ہے کہ اس راحت کا ایک ذرہ جو اسے طاعت سے حاصل ہوا وہ ذرہ گناہوں کے خرمن جلاڈالے۔

ولایت اور نبوت میں افضلیت کی بحث صوفیہ کے درمیان رہی ہے، بعض لوگوں نے ولایت کو افضل قرار دیا، حضرت نظام الدین اولیاء نے لکھا ہے کہ یہ عقیدہ بنیادی طور پر غلط ہے۔ فرمایا کہ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ کہ اولیاء انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ انبیاء کا اکثر وقت مخلوق کے ساتھ مشغولیت میں گزرتا ہے، یہ باطل ہے، کیونکہ انبیاء اگرچہ مخلوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، لیکن جس وقت حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں وہ ایک وقت اولیاء کے سارے اوقات پر شرف رکھتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی عصمت کے بارے میں ارشاد ہوا کہ انبیاء معصوم ہیں وار فقراء کے نزدیک اولیاء بھی معصوم ہیں؛ لیکن انبیاء واجب العصمت ہیں اور اولیاء جائز العصمت ہیں۔

اظہار اسلام کے سلسلے میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ جو ہندو کلمہ پڑھے اور اللہ تعالی کو ایک جانے اور پیغمبر خدا کی رسالت کا قائل ہو؛ لیکن جب مسلمان آئیں تو چپ ہو جائے اس کا انجام کیا ہو گا؟ خواجہ نے فرمایا کہ اس کا معاملہ حق سے ہے، خواہ اسے بخشے، خواہ عذاب دے۔

سماع کے سلسلے میں فرمایا کہ جب چند چیزیں ہوں تو سماع سنا جاتا ہے اور وہ چند چیزیں یہ ہیں، مسمع، مسموع، مستمع اور آلہ سماع، پھر تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مُسمع گانے والا ہے، وہ عمر رسیدہ مرد ہونا چاہیے۔ نہ بچہ ہو نہ عورت، مسموع یہ ہے کہ جو کچھ گایا جائے وہ گندہ اور فحش نہ ہو، مستمع یہ کہ جو کچھ سنا جائے وہ حق کے لیے سنا جائے اور یاد حق سے مملو ہو، اور آلہ سماع و مزامیر ہیں جیسے چنگ و رباب۔ اس طرح کی چیزیں درمیان میں نہیں ہونی چاہییں، ایسا سماع حلال ہے پھر فرمایا کہ سماع ایک موزوں آواز ہے وہ حرام کیسے ہو سکتی ہے، اور جو کچھ گایا جاتا ہے وہ معنی و مفہوم رکھنے والا کلام ہے، وہ کیونکر حرام ہو گا؟ دیگر یہ کہ سماع تحریک قالب ہے، اگر یہ تحریک یاد حق میں ہو تو مستحب ہے

اور فساد کی طرف مائل ہو تو حرام ہے۔

15.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عوارف المعارف کا شمار تصوف کی جامع ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کے مصنف شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہر وردی ہیں۔ یہ کتاب سلسلے سہر وردیہ کے علاوہ دیگر سلاسل کے نصاب کا بھی حصہ ہے۔
- "فتوح الغیب" حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے وہ خطابات یا مقالات ہیں جنہیں حضرت شیخ کے صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیٰسی نے جمع و مرتب کیا۔ حضرت شیخ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور حمد و نعت اور وجہ تالیف کا اضافہ کیا جس سے اس کی شکل ایک مستقل کتاب کی ہو گئی۔
- قوت القلوب شیخ ابو طالب مکی کی تصنیف ہے اس کتاب کو مصنف نے 48 فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی کتاب میں مصنف قرآن حدیث اثار صحابہ اور بعد کے علما و صوفیا کے اقوال نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر بہت سے علما نے اس کی تلخیص کی ہے۔
- "الاربعین فی اصول التصوف" امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الغزالی کی تصنیف ہے جس کا موضوع عبادات' معاملات' اخلاق و غیرہا کی روح تک پہنچنا اور اس کو حاصل کرنا ہے۔ اس طرح "اربعین" تصوف کی ایک مختصر حجم کی جامع تصنیف بن گئی۔
- فوائد الفوائد جلیل القدر ہندوستانی صوفی بزرگ شیخ نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہیں جسے ان کے مرید امام حسن علا سنجری نے قلم بند کیا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کے مطابق اس کتاب میں درج ذیل موضوعات کے تحت تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، سیر الاولیا، ملفوظات مشائخ، تصوف، اعمال عبادات، اداب و اخلاقیات جیسے مضامین کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔
- مکتوبات امام ربانی شیخ امام احمد سرہندی کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اصلاح امت کے لیے مختلف سلاطین اور علما کو لکھے۔ یہ مکتوبات تین جلدوں میں جمع کر کے شائع کیے گئے ہیں۔ جو دفتر کہلاتے ہیں۔ پہلے دفتر میں 313، دوسرے میں 99 اور تیسے دفتر میں 114 مکتوبات ہیں۔
- امیر حسن علا سجزی نے فوائد الفواد مرتب کی، یہ حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ ہے. اس کتاب میں 188 مجلسوں کے ملفوظات ہیں، بعض بہت طویل ہیں اور بعض مختصر ہیں۔ اس کتاب میں درج ذیل موضوعات و مضامین پر حضرت کی گفتگو ملتی ہے: تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، سیر الاولیاء، ملفوظات مشائخ، تصوف، اعمال، عبادات اوراد، آداب المریدین، آداب صوفیہ، تزکیہ نفس، اخلاقیات، اصطلاحات صوفیہ، فلسفہ، منطق، آداب معاشرت، تعبیر رویاء، حکایات مشائخ، اصول عقائد، ادب و شعر، سماع، لغت، وعظ و تذکیر، تمثیلیات، لطائف، فوائد الفواد میں ان موضوعات کے علاوہ بھی بہت کچھ زیر بحث ہے، لیکن اس کتاب کا محوری موضوع بہر حال تصوف ہے۔

15.9 نمونہ امتحانی سوالات

15.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. مکتوبات امام ربانی میں جملہ مکتوبات ہیں جو مختلف علما و سلاطین کو لکھے گئے۔

114.(a) 313.(b) 536.(c) 1060.(d)

2. شرف الدین عیسی نے کتاب کو جمع و مرتب کیا؟

(a).عوارف المعارف (b).فتوح الغیب (c).الربعین فی التصوف (d).ان میں کوئی نہیں

3. فتوح الغیب میں کل کتنے مقالات ہیں؟

78.(a) 68.(b) 158.(c) 96.(d)

4. وحدۃ الشہود کا نظریہ---صوفی بزرگ نے پیش کیا؟

(a).محی الدین ابن عربی (b).امام احمد سرہندی (c).خواجہ باقی باللہ (d).امام غزالی

5. امام ابو طالب مکی کی تصنیف------نے امام غزالی پر گہرا اثر ڈالا۔

(a).قوت القلوب (b).الاربعین (c).فوائد الفوائد (d).سبھی

6. شیخ نظام الدین اولیا کے ملفوظات کو-----نے قلم بند کیا۔

(a).نظام الدین اولیا (b).امام حسن علا سنجری (c).عبد الحق محدث دہلوی (d).کوئی نہیں

7. شیخ شہاب الدین سہروردی نے-------میں تصوف کی تاریخ پر ایک مکمل باب تصنیف کیا ہے ؟

(a).آداب المریدین (b).عوارف المعارف (c).الاربعین فی التصوف (d).فوائد الفواد

8. نقشبندیہ سلسلے کے معروف بزرگ شیخ احمد سرہندی کی تصنیف-----ہے۔

(a).مکتوبات ربانی (b).فتوح الغیب (c).عوارف المعارف (d).قوت القلوب

9. قوت القلوب-----بزرگ کی تصنیف ہے۔

(a).شیخ عبد القادر جیلانی (b).شیخ شہاب الدین سہروردی (c).ابو طالب مکی (d).ان میں کوئی نہیں

10. الاربعین فی التصوف کے مصنف ہیں؟

(a).امام قشیری (b).امام غزالی (c).نظام الدین اولیا (d).امام ربانی

15.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. فتوح الغیب کس سلسلے کے نصاب کا حصہ ہے اور کیوں؟ تحریر کریں۔

2. عوارف المعارف کی اہمیت پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. فوائد الفوائد کس بزرگ کی تصنیف ہے کتاب کے مضمون اور تعلیمات پر مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔
4. امام غزالی کی تصنیف الاربعین فی التصوف کا تعارف کروایے۔
5. قوت القلوب کے مضامین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

15.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. الاربعین اور قوت القلوب پر تبصراتی مضمون قلم بند کیجیے۔
2. فتوح الغیب اور عوارف المعارف کا تقابلی تجزیہ پیش کیجیے۔
3. مکتوبات امام ربانی کی خصوصیات اور تعلیمات کا خلاصہ قلم بند کیجیے۔

15.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تصوف اسلام	:	عبد الماجد دریابادی
2. روشنی کا سفر	:	اختر الواسع
3. فوائد الفوائد	:	نظام الدین اولیاء
4. نزہۃ الخواطر	:	مولانا عبد الحئ

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 16: ہندوستان کے چند مشہور صوفیائے کرام

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 شیخ بہاؤالدین زکریاملتانی

16.3 حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

16.4 بابا فرید الدین گنج شکر

16.5 محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ

16.6 شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

16.7 سید محمد حسینی المعروف بہ بندہ نواز گیسو دراز

16.8 سید علی ہمدانی

16.9 سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی

16.10 مرزا مظہر جانِ جاناں

16.11 حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

16.12 اکتسابی نتائج

16.13 نمونہ امتحانی سوالات

16.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

16.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

16.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

16.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

16.0 تمہید

ہندوستان میں تصوف کی آمد پانچویں صدی ہجری میں ہوئی اور پہلے صوفی جو ہندوستان تشریف لائے شیخ سید علی الہجویری ہیں۔ وہ تاریخ تصوف کے بڑے جلیل القدر امام تھے، ان کے بعد یہاں صوفیہ کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مختلف سلسلوں سے وابستہ جلیل القدر صوفیہ نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنا اصلاحی اور تعمیری کردار ادا کیا، آئندہ صفحات میں ہندوستان کے چند جلیل القدر مشہور صوفیہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ سرزمین ہند میں تصوف اور صوفیا کرام کی تاریخ سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور فروغ میں صوفیا کرام کی تعلیمات اور خدمات کا جائزہ لے سکیں نیز ہندوستان میں تصوف کے مشہور سلاسل اور ان سے وابستہ مشہور صوفیائے کرام کی حیات اور خدمات کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔

16.2 شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سلسلہ سہروردیہ کے عظیم فرزند اور دین و شریعت کے پیکر تھے، آپ کی ایک امتیازی شان یہ تھی کہ سلسلہ سہروردیہ کی نسبت خود بانی سلسلہ حضرت ابو حفص شہاب الدین عمر سہروردی سے حاصل کی تھی اور اس امانت کو ہندوستان میں پھیلایا تھا۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی ولادت ملتان میں ہوئی، ان کے والد اور نانا دونوں بڑے عالم تھے اور ان کی نگرانی میں انہوں نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، کلام الٰہی حفظ کر کے اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بلاد اسلامیہ کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے اور حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کی، فلسطین، عراق، حجاز وغیرہ کا سفر کیا، اور آخر میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر باطنی علوم کی تکمیل کی۔ شہاب الدین سہروردی نے آپ کو صرف سترہ دن اپنی تربیت میں رکھا اس کے بعد آپ کو اجازت دے دی۔ مرشد کی اجازت سے حضرت ملتان آگئے اور تقریباً نصف صدی تک اپنا فیضان پھیلاتے رہے، حضرت کی خانقاہ ملتان کی مشہور ترین خانقاہوں میں سے تھی اس میں ہمہ وقت مریدین اور زائرین کا جمگھٹا رہتا تھا، اس کی عمارت بھی بڑی شاندار تھی جس میں ہر طرح کا مہمان خانہ بھی تھا، عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اس خانقاہ کی بڑی اہمیت رہی ہے، یہ خانقاہ صرف تصوف نہیں بلکہ سیاسی و سماجی اعتبار سے بھی بڑی اہم تھی۔

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے سلسلہ کو زیادہ تر سندھ اور پنجاب میں فروغ حاصل ہوا، اس کے علاوہ ہرات، ہمدان، بخارا میں بھی ان کے مریدین بڑی تعداد میں تھے۔ بہاؤالدین زکریا ملتانی کا ان کے عہد کی سیاست پر بھی بڑا اثر تھا، سلطان شمس الدین التمش سے ان کے

قریبی روابط تھے، انہوں نے سلطان کی مدد بھی کی تھی اور سلطان کا دیا ہوا لقب شیخ الاسلام بھی انہوں نے قبول کیا تھا، وہ بادشاہوں سے تحفے تحائف بھی لیتے تھے اور ان کو عوام میں تقسیم کر دیتے تھے، حضرت شیخ نے منگولوں کے حملے میں ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ اپنی جیب سے دے کر ملتان کو بچایا۔

سلسلہ سہروردیہ کی مناسبت کی بنا پر حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کی خانقاہ میں عام روایتی صوفیہ جیسا کچھ نہیں تھا، بلکہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور امیرانہ شان وشوکت تھی۔ دولت کی فراوانی تھی، غلہ کے گودام بھرے رہتے تھے،۔ شریعت کے اتباع پر بہت زور دیتے تھے اور دین کی ترجیحات کی بڑی رعایت رکھتے تھے۔ دینی حمیت وغیرت بھی بہت زیادہ تھی۔

حضرت بہاؤالدین فرماتے تھے کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اپنی عبادات و اذکار کے ذریعہ غیر اللہ کی نفی کرے، اپنے احوال کو درست کرے اور اقوال وافعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول وفعل سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق مانگے۔ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بدن کی سلامتی کم کھانے میں اور روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام پر درود بھیجنے میں ہے۔

16.3 حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب جو ایک مثالی کثیر مذہبی معاشرے سے تشکیل پاتی ہے، اس کی تعمیر میں سب سے اہم کردار صوفیاء کا ہے اور صوفیاء کے سلاسل میں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کو اولیت کو حاصل ہے، ان کے اولین خلفاء میں حضرت خواجہ قطب الدین کا نام بھی شامل ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ولادت ترکستان کے علاقے میں اوش نامی شہر میں ہوئی، بچپن میں ہی آپ یتیم ہو گئے تھے۔ آپ کے استاد ابو حفص نام کے ایک نیک بزرگ تھے، انہوں نے رسمی علوم کی تکمیل کے ساتھ باطنی تربیت بھی کی۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی عمر ابھی سترہ سال ہی تھی کہ خواجہ اجمیری کا اس نواح میں گذر ہوا، ان کے اوش میں قیام کے دوران خواجہ قطب الدین بھی حاضر خدمت ہوئے، مرشد نے اقبال مندی کے آثار اور طلب صادق کو دیکھ کر اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا اور بہت قلیل مرحلے کی تربیت میں مرشد کامل کی نگاہ کیمیا اثر نے مسترشد کی طلب صادق کو کندن کر دیا صرف سترہ سال کی عمر میں خرقہ خلافت پایا اور مرشد کے حکم سے اپنے وطن اوش میں ہی عبادت وریاضت اور خلق خدا کی فیض رسانی میں لگ گئے۔

کچھ عرصے بعد جب خواجہ معین الدین چشتی وارد ہندوستان ہوئے تو اس کی خبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو بھی اوش میں ملی، مرشد سے ملاقات کے شوق میں وہ بھی ہندوستان کی طرف چل پڑے، اس سفر میں شیخ جلال الدین تبریزی بھی ان کے ہمراہ تھے، راستہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ملاقات ہوئی اور جب دہلی پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے بھی ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور دہلی میں قیام کی درخواست کی۔ حضرت نے پہلے کیلوکھڑی نام کے قصبے میں قیام فرمایا جو دہلی کے مضافات میں ایک بستی تھی، اس زمانہ میں

دہلی اس جگہ کو کہا جاتا تھا جسے آج کل مہرولی کہتے ہیں، یہیں بادشاہ رہتا تھا، بادشاہ کا اصرار تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار دہلی میں قیام پذیر ہوں، آخر اس کے اصرار پر حضرت نے مہرولی کے قریب قیام فرمانے کا ارادہ کر لیا جہاں آپ قیام پذیر ہوئے وہ جگہ اسی وقت سے حضرت قطب کے نام پر قطب صاحب کہلاتی ہے۔

حضرت خواجہ اگرچہ طریقہ جنیدیہ کے متبع تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ ہمارا طریقہ جنیدیہ ہے، اس طریقہ میں صحو کی اہمیت ہوتی ہے اور سکر کو ناپسند کیا جاتا ہے، حسین بن منصور حلاج جو ایک سکران اور مجذوب صوفی تھے ان پر حضرت نے سخت تنقید کی ہے، لیکن خود حضرت بھی بڑے صاحب جذب صوفی تھے، آپ پر بالعموم مختلف کیفیات طاری رہتی تھیں اور اکثر ظاہری دنیا سے منقطع رہتے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے بابا فرید الدین گنج شکر جیسے دِرِّنایاب کی تربیت کی جو ہندوستان کے لیے ایک گوہر بے بہا ثابت ہوئے، ان کے ذریعہ ہندوستان میں صوفیاء کے دو عظیم سلسلے چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ کا فروغ ہوا، ان دونوں سلسلوں نے پورے ملک کو ایک وحدت میں پرو دیا، اور اس مشترکہ تمدن کی بنیاد رکھی جو ہندوستان کا طرہ امتیاز ہے۔

حضرت کے خلفاء میں قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدرالدین غزنوی وغیرہ شامل ہیں، شیخ کے ان خلفاء و متوسلین نے بلا لحاظ مذہب و ملت ہر فرد کی خبر گیری کی اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ سب لوگوں کی اصلاح اور ان کے ظاہری و باطنی ارتقا کے لئے جدوجہد کی، خاص طور پر بابا فرید الدین کو تو لوگوں کے درمیان ایسا امتیاز اور ایسی مرجعیت حاصل ہوئی کہ سکھوں نے تو ان کو اپنی مذہبی مقدس کتاب آدی گرنتھ میں شامل کر کے خراج عقیدت پیش کیا۔

حضرت خواجہ قطب الدین کے ملفوظات ان کے مرید بابا فرید الدین گنج شکر نے جمع کیے ہیں، لیکن یہ ملفوظات صرف چند مجلسوں پر ہی مشتمل ہیں، ان ملفوظات میں کچھ تو حضرت کے سفر سلوک کی تفصیلات پر مشتمل ہیں، اور کچھ حصہ میں سالکین کو ہدایات دی گئی ہیں، ان ملفوظات کا نام فوائد السالکین ہے، اس کے علاوہ ایک دیوان بھی ان کی طرف منسوب ہے لیکن اس کا انتساب مشکوک ہے۔

فوائد السالکین میں 7 صحبتوں کے ملفوظات ہیں اور 63 صفحات کا یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو راہ سلوک کے رہرو کے لیے ایک جامع ہدایت نامہ ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ سالک کو کم کھانا، کم سونا اور کم بولنا چاہئے، دنیا کی آلائش سے ہر وقت دور رہنے کی کوشش کرے، نمود و نمائش کے لئے کوئی کام نہ کرے کیوں کہ نمائش کے لئے کام کرنا زہر ہے اور راہ سلوک کے لئے تو یہ رہزن ہے۔

فرماتے تھے کہ سالک کو ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہنا چاہئے، اور جذب و سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اگر زمین و آسمان بھی اس کے سینے میں داخل ہو جائیں تو اس کو خبر نہ ہو۔ سالک کو جو بھی مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا چاہئے کیوں کہ اگر سالک راہ سلوک کی تکالیف پر فریاد کرتا ہے تو پھر اپنے دعوائے محبت میں سچا نہیں ہے۔

حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسّی درجے رکھے ہیں لیکن اولیاء طریقہ جنیدیہ نے سو درجے اور صوفیائے طریقہ ذوالنون نے ستر درجے قائم کیے ہیں، مگر مشائخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں، ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسّی درجے ہیں، ان میں اسّی واں درجہ کشف و کرامت کا

ہے، طبقہ جنیدیہ میں ستر واں، بصریہ میں تیسواں اور خواجگان چشت کے یہاں پانچواں درجہ ہے، اس درجے کے حاصل کرنے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہئے، کیوں کہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔

قطب صاحب نے اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہئے کہ اسرار جاگزیں ہو سکیں اور فاش نہ ہونے پائیں، کیوں کہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا۔ چنانچہ قطب صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک خواجہ معین الدین کی صحبت میں رہے؛ لیکن کسی حال میں بھی انہوں نے اسرار الٰہی ظاہر ہونے نہ دیے۔

16.4 بابا فرید الدین گنج شکر

حضرت بابا شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر ان عظیم اولیاء اللہ میں سے تھے، جنہیں خدا سے دلی عشق اور محبت تھی۔ وہ اپنے رب کی توصیف و تعریف یوں بیان کرتے ہیں ”: وہ عقل کہاں جو تیرے کمال تک پہنچے، وہ روح کہاں جس کی رسائی تیرے جلال تک ہو۔ یہ مانا کہ تو نے حسن پر سے نقاب اٹھادی مگر وہ آنکھ کہاں جو تیرے جمال کو دیکھ سکے“۔

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو بیعت کرنے کے بعد حضرت بابا فرید نے جو نصیحتیں کیں ان میں ’دشمنوں کو خوش کرنے‘ اور حق داروں کو حق دینے پر بہت زور دیا۔ آج یہ بات شاید ہمیں کچھ عجیب سی لگے کیوں کہ ہم جس دور میں جی رہے ہیں وہاں تو دوستی کی بھی بنیاد غرض و طلب‘ پر رکھی جاتی ہے، اور ہر حق اپنا سمجھا جاتا ہے دوسروں سے تو ہم صرف ادائیگی فرض کے طالب ہوتے ہیں، جب کہ بابا فرید نے جو منشور حیات پیش کیا اور جس پر وہ ہمیشہ عمل پیرا رہے وہ تو یہ تھا ’اے فرید جو تجھے اذیت پہنچائے تو اس کے جواب میں اس کو اذیت نہ پہنچا بلکہ اس کے گھر جا کر اس کے قدم چوم‘۔ یہی وہ تعلیم تھی جس کا تسلسل ہمیں بابا فرید کے نامور جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے یہاں ملتا ہے جب وہ کہتے ہیں: ’جو مجھے رنج دے وہ خوب راحت پائے، اس کے گلشن حیات کا ہر پھول بے خار ہو‘۔

حضرت بابا فرید گنج شکر نے تحمل و انکساری اور خاکساری کی تعلیم دی اور سچائی کی طرف بلایا اور انسان جو خود فنا کا ڈھیر ہے مگر انا کا بارود بنا پھرتا ہے، اس کی اصلیت و حقیقت سے بھی اسے آگاہ کیا، انہوں نے کہا: ’انسان کو معرض وجود میں آنے میں تو (کم از کم) چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے، لیکن اس دنیا سے تعلق ٹوٹنے میں لمحہ بھر نہیں لگتا، یہ جسم خاک کا ڈھیر ہو جائے گا، اور پھر قبر کو ہی اس کا گھر بننا ہے‘۔ وہ غافل انسان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ ’دیکھ لو یکے بعد دیگرے تمام پرندے اڑ گئے اور تالابوں کو خالی کر گئے، یہ بھرے تالاب بھی آخر خشک ہو جائیں گے۔ اور تنہائی میں کنول کے پھول بھی مرجھا جائیں گے‘۔ وہ دنیا کی نمائشی اور چند روزہ روحانی اور مادی آسائشوں کو ہی اپنا مقصود حیات بنا لینے والوں کو یاد دلاتے ہیں: ’کارتک کے مہینوں میں کھیتوں میں اکثر کونجیں آتی ہیں، چیت کے مہینے میں جنگلوں میں آگ لگتی ہے، اور ساون کے مہینے میں بادل گرجتے اور بجلی چمکتی ہے۔ موسم سرما میں منکوحہ بیوی کی بانہیں اپنے شوہر کے گلے میں پڑی ہوئی خوبصورت دکھائی دیتی ہیں؛ لیکن یہ سب فانی ہیں، یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کو آخر اس دنیا کو خیر باد کہنا ہے... زمین آسمان سے پوچھتی ہے کہ وہ ملاح کہاں گئے جو عام لوگوں کو دریا پار کراتے تھے؟ اس کا جواب ہے کہ نہ معلوم کہاں گئے۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ اس وقت قبروں میں دفن ہیں‘۔

بابا فرید کہتے ہیں کہ عقل لطیف رکھنے والے کو سیاہ اعمال کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، دوسروں کی برائیاں دیکھنے کے بجائے اسے خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے تو اسے معلوم ہو گا کہ اس جیسا اعمال کوئی دوسرا نہیں ہے، اس لئے ان کا مشورہ ہے کہ آدمی کو درویش صفت ہونا چاہئے اور اس کو چار باتیں اختیار کرنی چاہئیں:

1. اپنی آنکھوں کو بند کرلے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے۔
2. کانوں کو بہرا کرلے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن سکے۔
3. زبان کو گونگی کرلے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ کہہ سکے۔
4. پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے تو نہ جا سکے۔

صوفیائے کرام کی روایت و تعلیم کے مطابق حضرت بابا فرید نے بھی اخلاص و اخلاق اور احسان و سلوک کے لئے بھرپور کوشش کی، آپ نے مالک حقیقی سے وصل کو اصل مقصود قرار دیا اور کہا کہ اگر اپنے مالک سے ملنا چاہتا ہے تو راستے کی گھاس بن جا جو کاٹی اور پیروں سے روندی جاتی ہے، اور درختوں کی طرح بردبار ہو جا جو گرمی، سردی اور کلہاڑے کی ضرب جھیلتے ہیں۔ وہ پھر اخلاص و اخلاق پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں: 'بد انسان سے بھی نیکی کا برتاؤ کرو، اس کے لئے دل میں کسی قسم کا کینہ اور بغض مت رکھو، اگر اس طرح ہو گا تو انسان کسی بھی مرض میں مبتلا نہیں ہو گا، ہمیشہ تندرست رہے گا اور اپنے مقصد کو پالے گا'۔ وہ انسانوں کے باہمی معاملات میں مطلب پرستی اور فائدہ مندی کو نامناسب قرار دیتے ہیں، ان کا فرمان ہے: جہاں حرص و ہوس ہے وہاں محبت کہاں؟ اگر حرص و ہوی ہے تو ایسی محبت جھوٹی ہے جس پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ کیوں کہ وہ تو جلد ہی مٹ جائے گی۔ ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں: باتوں سے تو سیکڑوں دوستی کی ڈینگ مارتے ہیں؛ لیکن حقیقی دوست ڈھونڈنے پر بھی نصیب نہیں ہوتا، میں تو حقیقی دوست اور غم خوار کی محبت میں گیلے اپلے کی طرح جلتا رہتا ہوں۔ اس لیے ان کی رائے میں ضروری ہے کہ انسان اپنے دل کو صاف و ہموار کر کے راستے میں آنے والے تمام گڑھوں کو مسمار کر دے، ایسا کرنے سے ہی وہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا سکتا ہے۔

16.5 محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء (متوفی 527ھ / 1324ء) کو دہلی میں جو شہرت اور مقبولیت ملی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی، آج بھی دہلی میں اگر کوئی نام سب سے زیادہ کثرت سے بولا، لکھا اور پڑھا جاتا ہے تو وہ حضرت محبوب الٰہی کا نام نامی ہے خواہ اس کا ذکر بستی حضرت نظام الدین کے حوالے سے ہو، بنگلہ والی مسجد میں تبلیغی مرکز کے حوالے سے ہو، حضرت نظام الدین ریلوے اسٹیشن کے حوالے سے ہو یا پھر سلطان المشائخ کی آخری آرام گاہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے حوالے سے ہو۔ سلطان جی حضرت محبوب الٰہی کا خاندان وسطی ایشیا میں بخارا سے ہجرت کر کے لاہور ہوتا ہوا بدایوں پہنچا، جو اس زمانے میں قبۃ الاسلام کے نام سے مشہور تھا اور علماء و صوفیاء کی بڑی تعداد وہاں سکونت پذیر تھی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بدایوں میں ہی ماہ صفر 436ھ کو خواجہ احمد کے گھر پیدا ہوئے، والدین نے محمد نام رکھا، صرف پانچ برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ، جو بڑی ہی نیک اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں، نے نامساعد حالات کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں اٹھائیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت محبوب الٰہی سولہ برس کی عمر میں والدہ اور بہن کے ساتھ دہلی وارد ہوئے اور یہاں کے علماء اور فضلاء سے رسمی تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے شیخ طریقت بابا صاحب فرید الدین گنج شکر کے پاس اجودھن جاکر تصوف اور سلوک کی اعلیٰ منزلیں طے کیں، اجودھن سے جب لوٹنے لگے تو بابا صاحب نے انہیں دو نصیحتیں کیں جن پر وہ تمام عمر عامل رہے، ایک یہ کہ کسی سے قرض لینا تو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی کوشش کرنا۔

اجودھن سے واپسی کے بعد خواجہ صاحب زیادہ دنوں دہلی میں قیام نہ کر سکے؛ بلکہ دہلی کی نواحی بستی غیاث پور کو اپنے قیام سے رونق بخشی جو اب بستی حضرت نظام الدین کے نام سے مشہور ہے۔ یہیں سے سلطان المشائخ نے روحانی و علمی فیوض و برکات کا وہ سلسلہ شروع کیا جو آج تک مختلف صورتوں میں جاری ہے، قیام گاہ سے متصل جماعت خانہ کی عمارت تھی جس میں مریدین اور جویان علم و معرفت قیام پذیر ہوتے تھے، روزانہ چاشت کی نماز کے بعد حضرت محبوب الٰہی جماعت خانے میں قیام فرماتے اور مریدین کو سلوک و معرفت کی باریکیوں کی تعلیم دیتے، ان کی اس مجلس میں علماء و صلحاء اور صوفیاء کا بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا، ظہر کی نماز کے بعد بھی ایک مجلس ہوتی تھی البتہ اس کی نوعیت علمی ہوتی اور حضرت خواجہ صاحب اس میں زیادہ تر علمی مسائل پر گفتگو فرماتے۔

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء حقیقی معنوں میں صوفی باصفا تھے، الخلق عیال اللہ (مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے جو کچھ بھی ان کے پاس آتا مخلوق پر خرچ کر دیتے، بادشاہوں اور شہزادوں کے ہدیے قبول کرنے سے گریز کرتے۔ اپنے پیر و مرشد کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مخالفوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا رویہ اختیار کرتے یہاں تک کہ وہ بھی ان کے گرویدہ ہو جاتے، اپنے مریدین کے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے اور ہر وقت ان کے احوال کی اصلاح کے لیے فکر مند رہا کرتے، اسی طرح اپنے پیر و مرشد کے عزیزوں اور ان کے مریدوں کا بھی خاص خیال رکھتے۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ہی نہیں محبوب عام و خاص بھی تھے، ان کی مجلس میں سب کو بلا تفریق اور بغیر کسی پابندی کے رسائی حاصل تھی، خلق خدا اس کثرت سے ان کے دربار میں حاضری دیتی تھی کہ بادشاہوں کے درباروں کی رونق ماند پڑ جائے، ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ان کے بارے میں لکھا ہے :

"شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہ گاروں کو خرقہ پہنچاتے اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر از سر نو بیعت کرتا اور شیخ اس کو توبہ کا خرقہ عطا کرتے۔ شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روکے رکھتی تھی، عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد،

عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام، نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے اور حضرت کے اکثر مرید چاشت و اشراق تک کے پابند ہو گئے تھے"۔

حضرت محبوب الٰہی نے اس الوہی اور عوامی مقبولیت کے درمیان وحدت الٰہ اور وحدت آدم کے آفاقی اسلامی پیغام کو اپنی ذات و حیات کا مرکز و محور قرار دیا اور ایک ایسی سماجی و تہذیبی حرکت پیدا کی جس سے روحانی تشنگی کے مارے ہوئے لوگ جوق در جوق غیاث پور کے چشمہ صافی کے گرد جمع ہو کر سیر اب ہونے لگے، حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی بے پناہ انسانی محبت، دردمندی اور وسیع المشربی کے زیر اثر مذہبی رواداری اور بقائے باہم کا ایک ایسا روح پرور اور فیض رساں ماحول پیدا کیا جس میں ہندوستان کی تہذیبی زندگی اسلامی طرز حیات کے ساتھ ہم آمیز ہوئی اور اس قربت سے ایک ایسا تہذیبی جلوۂ صد رنگ وجود میں آیا جس نے سماج و معاشرہ، تہذیب و ثقافت، زبان و ادب، شاعری و موسیقی، فن تعمیر اور عام طرز معاشرت ہر سطح پر اپنے اثرات قائم کئے اور ہندوستان کی مذہبی و تہذیبی زندگی ایک ایسی راہ اعتدال سے واقف ہوئی جسے آج ہم گنگا جمنی تہذیب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

16.6 شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، اپنے وقت کے عظیم مصلح تھے، آپ کی اصلاحی مساعی کی جولا نگاہ بہار کا علاقہ ہے، پٹنہ کے قریب ایک گاؤں منیر میں 661ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، گھر کا ماحول علم و دین سے معمور تھا، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر مزید تعلیم کے لئے اپنے عہد کے اجلہ علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور بڑے انہماک اور یکسوئی سے تعلیم مکمل کی، ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی طرف توجہ دی، دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء سے ملاقات کی، غالباً ان کے مشورے پر پانی پت شیخ شرف الدین قلندر پانی پتی کی بارگاہ میں پہنچے، لیکن اس زمانے میں حضرت پر غلبہ حال بہت شدید تھا، اس لئے واپس دہلی آئے اور شیخ نجیب الدین فردوسی کی خدمت میں رہ کر سلسلہ فردوسیہ سے وابستہ ہو گئے۔

بیعت و اجازت کے بعد وطن کی طرف مراجعت کی لیکن ابھی سونے کا کندن ہونا باقی تھا اس لئے آرہ اور راجگیر کے جنگلوں میں سخت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے، اور جب باطنی کیفیات کی تکمیل ہو گئی تو اس کے بعد لوٹ آئے اور لوگوں کی اصلاح و تربیت میں لگ گئے۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری نے بہار شریف میں رہ کر تقریباً ساٹھ سال تک اسلام کی اشاعت اور لوگوں کی اصلاح و تربیت کی، آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے ہزاروں لوگوں نے حق کا راستہ اختیار کیا، اور متعدد ہندو جوگیوں اور بڑے عالموں نے اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر فلاح دارین کی دولت پائی۔

حضرت شرف الدین بن یحییٰ منیری کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا۔ اس لئے تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور خطوط و رسائل کے ذریعے بھی لوگوں کی اصلاح و تربیت فرماتے، آپ کے خطوط کے چار مجموعے موجود ہیں، مکتوبات صدی، مکتوبات دو صدی،

مکتوبات بست و ہشت اور فوائد رکنی۔ ان مکتوبات کے مجموعوں کے علاوہ آپ کی 25 کتابیں بھی موجود ہیں: معدن المعانی، مغزالمعانی، بحر المعانی، فوائد عینی، خوان پر نعمت، تحفہ غیبی، مونس المریدین اور گنج لاتینی کے علاوہ ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، شرح آداب المریدین، فوائد المعانی، مرآۃ المحققین وغیرہ۔ 782ھ میں آپ کی وفات ہوگئی۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تصوف تو دین و ایمان کی جان ہے۔ اہل طریقت کے یہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں: صوفی، متصوف اور مشتبہ۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی کو فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے، خواہشات نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائق موجودات کا ماہر ہے۔ متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں اس لئے مصروف و سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کر سکے۔ اور قدم بہ قدم ان کی راہ چل کر اپنے معاملات ان کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔ اور مشتبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورتاً تو صوفیوں کے اکثر عادات ہوں مگر معناً نہیں، روزہ، نماز، درود و وظائف، ذکر و اشغال یا اور کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ملے بلکہ ان تمام آرائشوں کا مقصد جاہ طلبی اور حظوظ نفسانی ہیں''۔

تصوف کی اس حقیت کے منکشف ہوجانے کے بعد اس امر کی گنجائش نہیں رہتی کہ ہم شریعت اور طریقت میں کوئی فرق کریں، حضرت مخدوم جہاں کے نزدیک ان میں نہ تو کوئی بیر ہے نہ تضاد اور نہ عناد؛ بلکہ ان کے بقول شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے، وہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''جو شخص طریقت کی راہ کا طلب گار ہو اس کے پاس شریعت کی پونجی ضرور ہونا چاہئے تاکہ قصبہ شریعت سے شہر طریقت میں پہنچے۔ طریقت میں جہاں قدم درست ہوا ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے۔ جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا اور طریقت ہی سے شناسائی نہیں تو حقیقت تک کیوں کر رسائی ہو سکتی ہے اس لیے بے علم معرفت اور ناواقف شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں ہے''۔

حضرت مخدوم جہاں کے نزدیک علم کے بغیر کسی سالک کو اس کوچے میں قدم نہیں رکھنا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر وہ کافر و مجنون ہو جاتا ہے؛ لیکن یہاں علم سے مراد مکتب کی کرامت نہیں بلکہ وہ فیضان نظر ہے جو آداب ارادت مندی سکھاتا ہے، حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا نے فرمایا تھا کہ ہر شخص کو مرید ہونے سے پہلے اپنے پیر میں تین چیزیں لازماً دیکھ لینی چاہئیں: (1) علم (2) عقل (3) عشق۔ حضرت مخدوم جہاں بھی اس کے قائل ہیں کہ جو شخص راہ طریقت میں آنا چاہے اور درد طلب اس کا دامن پکڑے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا ایک رہبر بنالے، لیکن انہوں نے پیر کے انتخاب کے لئے جو شرطیں بتائیں وہ بھی بڑی سخت ہیں، لکھتے ہیں:

''پیر ایسا ہو کہ پیروں اور مشائخ کے نزدیک مشار الیہ اور ممتاز ہو۔ اس کی پیشوائی اور مقتدائی پر پیروں کا اتفاق ہو، مملکت خداوندی میں جائز التصرف، نافذ المشیت اور صاحب الاشراق ہو، جب ان صفتوں کا پیر مل جائے تو اس کی اقتدا کرے، پیر جتنے بھی راستے کے روڑے اور روکاوٹیں ہوں اس کی راہ سے ہٹادے اور اس کے عیب اس کو دکھادے اور راستے کی دشواریوں سے اس کو خبردار کردے تاکہ مرید پوری طرح اپنی خودآرائی سے باہر نکل آئے''۔

اپنی اس ہدایت کے ثبوت میں صاحب مکتوبات صدی نے صاحب المثنوی کے کچھ اشعار پیش کئے ہیں، جن کا ترجمہ یوں ہے:

''ایسا پیر جو راہ فتنہ سے واقف اور تیرے لئے کار آمد ہے تا کہ ہر ایک کام میں وہ تجھے اپنی پناہ میں رکھے۔ تو ہر گز ہر گز راستے کے کنویں سے واقف نہیں۔ بغیر کسی دستگیری کے کنویں میں گر پڑنے کا ڈر ہے۔ کتنے دہکتی ہوئی آگ کے پہاڑ راہ میں ہیں۔ ان سے پار اترنا ہر شخص کا کام نہیں''۔

آج ایک بار پھر جب ہر راہ فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے قلب و نظر کا فساد ہر فرد کو خود کشی کے راستے پر لیے جارہا ہے، اور ہماری اجتماعی زندگی حادثوں کا پر شور ہجوم ہو کر رہ گئی ہے، سلامتی و عافیت، صبر و قرار اور امن و آشتی کا وہ راستہ یہی ہے جو طریقت و سلوک کی منازل سے شریعت کے سائے میں گزرتا ہوا ہمیں حقیقت تک پہنچاتا ہے اور انسان اسی کے ذریعے زندگی کے سراغ کو پاتا ہے۔

16.7 سید محمد حسینی المعروف بہ بندہ نواز گیسو دراز

حضرت سید محمد حسینی کے آباء واجداد دہلی کے رہنے والے تھے اور مشائخ چشت سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے، ان کے والد اور نانا دونوں حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، اس روایت کے اتباع میں خود حضرت بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، اس طرح چشتیہ سلسلہ سے عقیدت کا تعلق ان کے مزاج اور خمیر کا حصہ بن گیا تھا، لیکن چار سال کی عمر تھی کہ حضرت کے والد کو دولت آباد (دیوگیر) جانا پڑا اور حضرت بھی دولت آباد چلے گئے، وہاں حضرت کے ماموں سید ابراہیم مستوفی صوبہ دار تھے، دنیاوی وجاہت کی اس فضا میں حضرت کو بہتر تعلیم وتربیت کے مواقع اور دیگر سہولیات میسر تھیں، لیکن گردش فلک ہمیشہ ایک رخ پر نہیں رہتی، ابھی حضرت کی عمر صرف دس سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماموں نے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی؛ لیکن کچھ عرصہ بعد والدہ اور ماموں میں شکر رنجی ہوگئی اور وہ اتنی بڑھی کہ حضرت کی والدہ حضرت کو لے کر دہلی آگئیں۔

دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا فیض جاری تھا، سید محمد حسینی گاہے بگاہے ان کی خدمت میں حاضری دینے لگے، مرشد نے تلقین کی کہ اصلاحی تعلق استوار رکھو، لیکن ظاہری علوم کی تکمیل پہلے ضروری ہے اس لیے علم حاصل کرتے رہو۔ حضرت چراغ دہلی کے طریق تربیت میں تدریج کی بڑی اہمیت تھی، سالک پر ایک ساتھ بڑا بوجھ ڈالنا بسا اوقات اس کے لئے تباہ کن ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت مریدین و متوسلین کو تدریج کے ساتھ اعمال کا عادی بناتے تھے اور بنیادی اعمال کی پابندی کے بعد پھر ریاضت و مشقت کراتے۔ سید محمد الحسینی کو زمانہ طالب علمی میں ہی نہایت حکمت کے ساتھ مختلف اعمال کا پابند بنایا اور اس کے ساتھ ظاہری علوم کی تکمیل بھی ہوتی رہی، حضرت چراغ دہلی کے اس تدریجی ترقی کے اصول کو خود سید محمد الحسینی نے بیان فرمایا جو ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں موجود ہے، اس میں لکھا ہے:

''ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لیے حاضر ہوا، حضرت خواجہ نے فرمایا: صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا: اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ

اشراق بھی پڑھ لیا کرو، میں نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ آپ کے صدقہ میں پڑھوں گا۔ پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو، جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا، دوگانہ اشراق پڑھتے ہو؛ میں نے عرض کیا: بلاناغہ پڑھتا ہوں، ارشاد فرمایا: اگر اسی میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی، میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو، بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا، ایک بار پوچھا: کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، پھر پوچھا: شعبان میں بھی؟ میں نے کہا: شعبان میں نو روزے رکھتا ہوں؟ فرمایا: اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینہ کے روزے ہو جایا کریں گے، میں نے گزارش کی: آپ کے صدقہ میں رکھوں گا، میں نے اپنی والدہ سے کہا، وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں، مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت سست بھی کہا، میں نے ان سے عرض کیا، آپ جو چاہیں کہیں لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آوں گا۔ میں رمضان کے بعد عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا، ان ہی ایام میں ایک دن قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، ارشاد فرمایا: ہمارے خواجگان صوم داودی نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ صوم دوام رکھتے تھے، تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔ "

حضرت نے ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد مجاہدہ کی دنیا میں قدم رکھا اور حظیرہ شیر خاں میں ایک حجرے کے اندر مراقبہ اور مجاہدہ شروع کیا، حضرت کی اس محنت شاقہ اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے فیوض و برکات کا تذکرہ 'سیر محمدی' میں نہایت تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت چراغ دہلی کی وفات کے بعد دہلی میں مشائخ چشت کی پائیگاہ حضرت سے منسوب ہوئی اور ایک طویل عرصہ تک حضرت اس مسند کرامت پر رونق افروز رہے، اس اثنا میں بہت سے واقعات پیش آئے ان پر شریعت کے جادہ مستقیم سے ہٹنے کا الزام بھی لگا اور فیروز شاہ تغلق نے اس کی خود تحقیقات کرائی لیکن آخر آپ کو سرخروئی حاصل رہی۔ حضرت کے ذوق سماع کو بھی مورد طعن بنایا گیا لیکن مخالفین کو تاب تکلم نہیں رہا اور حضرت مشکل مقام سے بعزت تمام گزر گئے۔

حضرت نے ستر سال کی عمر تک دہلی کو فیض یاب کیا اس کے بعد قدرت کو اس دریائے الطاف و عنایات کے لیے نئی سرزمین منتخب کرنا منظور ہوا، اس کے اسباب یہ بنے کہ 801ھ میں امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا اور یہاں کا سکون و اطمینان درہم برہم ہو گیا۔ حضرت نے اپنے مریدین و خدام کے ساتھ ترک وطن کا ارادہ فرمایا اور بہادر پور، گوالیار، چندیری، کھمبات، بڑودہ، سلطان پور اور دولت آباد ہوتے ہوئے گلبرگہ شریف تشریف لائے، ہر جگہ کے حاکموں نے آپ کا شاندار استقبال کیا، عوام و خواص نے آپ کی پذیرائی کی؛ لیکن لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ کا سفر جاری رہا اور یہ سعادت سلطان فیروز شاہ بہمنی کے حصہ میں آئی کہ حضرت نے ان کے اصرار کو قبول فرمایا اور انہوں نے چند گاؤں نذر کئے تھے، حضرت نے ان کو بھی قبول فرمایا اور گلبرگہ میں اقامت گزیں ہو گئے۔

گلبرگہ میں بھی حضرت نے ایک طویل عرصہ بسر کیا اس دوران ایک خلق نے حضرت سے استفادہ کیا، حضرت مسلمانوں کو مرید کرتے اور ان کی اصلاح کرتے اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے اور تلقین ہدایت کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا اور آخر 104/ سال کی عمر میں گلبرگہ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار گلبرگہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت محمد الحسینی مشائخ چشت میں پہلے صوفی ہیں جنہوں نے تصنیف و تالیف کو اپنا میدان بنایا، حضرت کے مرشد شیخ نصیر الدین چراغ دہلی بھی غالباً ان کے ذوق تصنیف سے واقف تھے، اس لئے ایک مرتبہ درسی کتابوں کو محنت سے پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے کچھ اور کام بھی لینا ہے، تذکرہ نگاروں نے بھی حضرت کی علمیت اور ولایت دونوں کا تذکرہ بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ان کو جامع سیادت علم وولایت لکھا ہے۔

سیر محمدی اور مختلف کتب خانوں کی فہرست سے حضرت کی 3 درجن سے زیادہ کتابوں کا سراغ ملتا ہے، جن میں چند شائع ہو گئی ہیں، ان کی اہم ترین کتابوں میں تفسیر کشاف پر حاشیہ، مشارق الانوار کی شرح اور اس کا فارسی ترجمہ، عوارف المعارف کی شرح اور اس کا فارسی ترجمہ، ابو بکر کلاباذی کی معرکہ آراء کتاب التعرف لمذاہب اہل التصوف کی شرح، سلسلہ سہروردیہ کے اصلی بانی ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کی کتاب آداب المریدین کی شرح عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں، ابن عربی کی فصوص الحکم اور عین القضاہ ہمدانی کی تمہیدات کی شرح، ابو القاسم قشیری کے رسالہ کا ترجمہ، قوت القلوب پر حواشی، رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ مکتوبات، ملفوظات اور اجازت نامے اور دیوان اشعار بھی آپ کی تصنیفات میں شامل ہیں، آپ کی ایک کتاب 'آداب المریدین بھی ہے جو اپنے زمانے کے احوال وظروف کو سامنے رکھ مریدین کے لیے بطور ہدایت نامہ لکھی گئی ہے اور حسن اتفاق سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

حضرت کی کتابوں میں جو علوم و معارف اور اسرار و حکم ہیں، ان کے لیے تو ایک سفینہ چاہیے کہ اس بحر بے کراں کی لامحدود فضاؤں میں علمی سیر کر سکے، لیکن صرف فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف کی وہ فضا جو تیسری چوتھی صدی کے بغداد میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، حارث محاسبی، سری سقطی، ابو بکر شبلی اور حمدون قصار کے زیر اثر وجود میں آئی تھی، اس کی ایک بازگشت اور بازدید گلبرگہ شریف کے دامن میں حضرت سید محمد الحسینی کے یہاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے تصوف کی امہات کتب کو اپنے عہد کے قاری تک پہنچایا اور قرآن و حدیث سے اس کا رشتہ استوار کیا، بلکہ حضرت خود ایک تفسیر تصنیف فرما رہے تھے؛ لیکن وہ چار پاروں سے زیادہ نہیں لکھی جا سکی۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا جو غالباً سرزمین ہند پر لکھی جانے والی سیرت کی اولین کتاب ہو گی۔ سید محمد الحسینی جامع کمالات صوری و معنوی تھے، ہندوستان کے اندر تصوف کی تاریخ میں ایسے اساطین کم گزرے ہیں جنہوں نے علم و عمل سے اس طرح دامان تصوف کو مالا مال کیا ہو۔

16.8 سید علی ہمدانی

امیر کبیر سید علی ہمدانی داعی دین اور مبلغ اسلام تھے، کشمیر جنت نظیر کو دولت ایمان سے مشرف کرنے میں حضرت امیر کبیر کی خدمات سب سے زیادہ ہیں، انہوں نے اس وادی میں اسلام کی اشاعت بھی کی اور یہاں مسلم معاشرے کی بنیادیں بھی استوار کیں، ان کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے؛ بلکہ انہوں نے صنعت و حرفت کے فروغ کے ذریعہ کشمیر کی مالیات اور اقتصادیات کو بھی نئی جہات اور نئی ترقیاں عطا کر کے اس کے لئے ایک نئے مستقبل کا باب وا کر دیا۔

حضرت امیر کبیر 12 رجب المرجب 713ھ مطابق 22 اکتوبر 1313ء کو ایران کے شہر ہمدان میں پیدا ہوئے، والد جو بڑے علم دوست تھے ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کا بیٹا بڑا عالم بنے، اس لئے انہوں نے بیٹے کی تعلیم و ترقی پر بڑی توجہ دی، ابتدائی تعلیم کے بعد ان کو اپنے وقت کے جید عالم اور صوفی شیخ علاوالدولہ سمنانی کی خدمت میں بھیج دیا، آپ آٹھ سال ان کی خدمت میں رہ کر باطنی کیفیات کی تکمیل کرتے رہے، اس کے بعد آپ نے بعض دوسرے علماء و فضلاء سے بھی علم حاصل کیا اور تکمیل علوم کے بعد عالم کی سیاحت کے لئے نکل پڑے۔ تقریباً 20 یا 21 برس کی طویل سیاحت کے بعد آپ نے وطن مراجعت کی اور ہمدان میں دعوت و تبلیغ اور ارشاد و اشاعت اسلام کا کام کرنے لگے، اس دوران آپ کو کشمیر کی طرف سفر کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور آپ کشمیر تشریف لائے اور یہاں اسلام کی اشاعت میں مشغول ہو گئے، کشمیر میں اس وقت حکومت مسلمانوں کی تھی لیکن عوام بڑی تعداد میں بدستور اپنے آبائی مذہب پر تھے اور جو مسلمان تھے ان میں بھی بے عملی اور بدعقیدگی بہت تھی، حضرت امیر کبیر کی مساعی جمیلہ سے یہاں نہ صرف اسلام کی اشاعت ہوئی بلکہ جو غلط رسوم و رواج معاشرے میں جڑ پکڑے ہوئے تھے ان کی بھی اصلاح ہوئی۔

کہتے ہیں کہ امیر کبیر کے ساتھ تقریباً سات سو داعی بھی تھے اور امیر کبیر کی تبلیغ و اشاعت سے کشمیر میں 73 ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا، سید محمد قادری نے کشمیر میں آپ کی آمد کے اثرات کا تذکرہ ہوئے ایک قطعۂ تاریخ لکھا جس کا ترجمہ ہے ":میر سید علی جو ہمدان کے شہر میں تھے انہوں نے ساتوں اقالیم کی سیر کی، کشمیر ان کے آنے سے بابرکت ہو گیا اور اس کے لوگ ہدایت کے طالب ہو گئے"۔

میر سید علی ہمدانی کی کاوشوں سے غیر اسلامی روایات و رسوم کا خاتمہ ہو گیا، خود سلطان کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں، امیر کبیر کی تلقین سے اس نے اس غلطی کی اصلاح کی امیر کبیر کی تلقین سے راجہ نے ہندوانہ لباس ترک کر کے اسلامی لباس اختیار کیا۔ کشمیر کے ایک ہندو رئیس نے امیر کبیر کے ایک ساتھی میر سید حسین سمنانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، ان کا نام شیخ سلیمان رکھا گیا، ان کے ایک اور ساتھی سید قاضی تھے انہوں نے علاقہ لتار پور میں اسلام کی اشاعت کی۔

میر سید علی نے "ذخیرۃ الملوک" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں مسلم حکمرانوں کے لئے ہدایات ہیں، یہ کتاب ہنوز متداول ہے، اس کتاب کے علاوہ بھی سید علی ہمدانی نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں تھیں، بعض مؤرخین کے مطابق امیر کبیر کی تصنیفات کی تعداد 45 ہے، میر واعظ مولوی عمر فاروق نے اپنے تحقیقی مقالہ جو ذخیرۃ الملوک کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ ہے میں حضرت امیر کبیر کی جملہ دستیاب کتب اور ان کے مخطوطات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

16.9 سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی

سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی کی شخصیت ایک طرف عملی تصوف میں بہت بلند مقام پر فائز ہے تو دوسری طرف ان کا علمی مرتبہ اور معقولات و منقولات میں ان کی دستگاہ بھی قابل ذکر ہے۔ ان کی شخصیت کے گرد عقیدت کے جالے اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ حقیقی شخصیت کو تلاش کرنا دشوار ہو گیا ہے، تاہم اب ان کی شخصیت کو جاننے اور ان کے کمالات سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ سوائے اس کے

نہیں ہے کہ ان تمام عقیدت مندیوں کی زر نگاری میں ہی اس شخصیت کے حقیقی خدوخال کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی کے بارے میں لطائف اشرفی میں لکھا ہے، ان کے والد بزرگوار محمد ابراہیم سمنان کے بادشاہ تھے اور والدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسیوی کی بیٹی تھیں۔ بچپن سے ہی بڑے ذہین تھے، سات سال کی عمر میں قرآن پاک مع قرأت سبعہ یاد کرلیا اور چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ حاصل کرلی جس کی وجہ سے سارے عراق میں ان کی شہرت ہوگئی۔

والد بزرگوار کے بعد تخت نشین ہوئے اور اپنی پوری قلمرو میں عدل وانصاف کا جھنڈا گاڑ دیا، ان کے غیر معمولی عدل وانصاف اور رعایا پروری کے قصے لطائف اشرفی میں منقول ہیں، کہتے ہیں کہ جب ان کو حکومت کرتے ہوئے ایک طویل زمانہ گذر گیا تو ایک مرتبہ خواب میں حضرت خضر کی زیارت ہوئی اور انہوں نے حکم دیا کہ حکومت چھوڑ دو اور ہندوستان جاکر اسلام کی اشاعت کرو، اس کو انہوں نے اشارہ غیبی سمجھا، حکومت اپنے بھائی سلطان محمد کے حوالے کی اور خود والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر عازم ہند ہوئے۔ سمرقند آتے آتے مکمل فقیرانہ وضع اختیار کرلی، اور وہاں سے چل کر اوچ میں حضرت سید جلال الدین بخاری اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں باریاب ہوئے، انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ "بنگال میں علاء الحق تمہارے منتظر ہیں، راستے میں رک نہ جانا"۔

وہاں سے رخصت ہو کر بنگال کا رخ کیا، بہار شریف پہنچے تو دیکھا کہ حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحیٰ منیری کا جنازہ رکھا ہوا ہے، اور حضرت کی وصیت تھی کہ ان کی نماز جنازہ ایسا شخص پڑھائے جو سات قرأتوں کا قاری ہو، صحیح النسب سید ہو اور حکومت ترک کرکے آیا ہو، یہ خوبیاں سید محمد اشرف کے سوا کسی میں پوری نہیں تھیں، اس لیے نماز جنازہ انہوں نے پڑھائی اور کچھ دن وہاں قیام کرکے بنگال کا رخ کیا۔

بنگال میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بزرگ شیخ علاء الدین علاء الحق بن اسعد لاہوری کا فیض جاری تھا، ایک دن انہوں نے اپنے مریدوں کو خبر دی کہ جس کا انتظار ہم دو سال سے کر رہے ہیں وہ شخصیت اب پہنچنے ہی والی ہے اور ایک دن اچانک بولے: 'بوئے یار می آید' یہ کہتے ہوئے باہر نکلے، ان کو باہر نکلتے دیکھ کر مریدوں کا ہجوم ساتھ ہولیا، جب یہ جلوس شہر سے ایک کوس کے فاصلے پر پہنچا تو دیکھا کہ سید محمد اشرف جہانگیر تشریف لا رہے ہیں۔ سید محمد اشرف بارہ برس مرشد کی خدمت میں رہے مرشد نے خرقہ خلافت کے علاوہ جہانگیر کا خطاب دیا اور انہوں نے اس خطاب کو اپنے لیے حکم نامہ سمجھ کر جہانگیری پر کمر کس لی اور سید محمد اشرف جہانگیر ایک عرصے تک جونپور میں رہے پھر عنان سفر اختیار کی، اور اس دفعہ سعادت سکونت کا فال کچھوچھہ شریف کا نکلا جو بالآخر آپ کی آخری آرام گاہ بھی ثابت ہوئی۔

کچھوچھہ شریف میں ایک جوگی رہتا تھا جو ہوا میں اڑتا تھا، اس نے حضرت سے مقابلہ کرنا چاہا؛ لیکن حضرت کی زیارت کے بعد ایسا مرعوب ہوا کہ اپنے دعوی سے باز آیا اور اپنے پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مسلمان ہوگیا، اس کا اسلامی نام بابا کمال پنڈت رکھا گیا اور اسی کی مڑھی میں خانقاہ تعمیر ہوئی اور یہیں ملک الامراء محمود نے آپ سے بیعت کی۔

سید محمد اشرف کے فیوض وبرکات کچھوچھہ کے علاوہ جائس، رودولی اور انہونہ وغیرہ میں بھی پہنچے اور ہر جگہ ہزاروں لوگ ان سے مرید ہوئے، ان مریدین میں بہت سے جید علماء، صلحا اور اصحاب ثروت بھی شامل تھے۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے خلفاء کی بڑی تعداد ہے، جن میں بہت سے معروف لوگ ہیں، جیسے قاضی شہاب دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی، مولانا صفی الدین رودولوی، شیخ سماء الدین رودولوی اور مولانا علم الدین جائسی وغیرہ۔

سید محمد اشرف کے سلسلہ میں ظاہری شریعت کی پابندی بنیادی شرط تھی، شریعت کی پابندی کے بغیر کوئی شخص منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا، البتہ شریعت کی اتباع کے ساتھ شیخ پر مکمل اعتماد اور اس کی ہر ہدایت کو حرز جاں بنانا راہ سلوک کی اولین شرط ہے، شیخ کی ہر بات کو بنا تاویل اور قیل و قال کے بغیر تسلیم کرنا مرید کے لئے ضروری ہے۔ حضرت شیخ مزاجاً وحدت الوجودی تھے تاہم وحدت الوجود کی خود تشریح کرتے تھے، ان کی نظر میں وحدت کی دو قسمیں ہیں: وحدت مطلقہ من حیث الذات و الصفات اور وحدت مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات۔ یہ دونوں وحدت جناب باری عزاسمہ کی دو کیفیات ہیں، ایک میں اس کی ذات کی وحدت کو اس طرح ثابت کیا جاتا ہے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ دوسری میں اس کی صفات کو اس کے لیے اس طرح خاص کیا جاتا ہے کہ اس کی صفات میں بھی وہ واحد و یکتا ہے جیسے اس کا قدیم ہونا۔

عام صوفیاء کی طرح ان کے یہاں بھی اصل اہمیت توحید کی معرفت کو حاصل ہے، توحید کی معرفت جس کو حاصل ہو گئی وہی ولی کامل ہے۔ راہ سلوک کی بنیادی شرائط میں سے ایک علم بھی ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ اگر علم نہ ہو تو زاہد شیطان کے ہاتھ میں ایک مسخرہ ہے۔ اس لیے راہ سلوک اختیار کرنے سے قبل علم ضروری ہے، اس کے بعد توحید، معرفت، شریعت اور طریقت کی ڈگر پر قدم رکھے۔ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی ہیں تو اس کو چاہئے کہ علم فقہ حاصل کرے؛ چوں کہ ایک مسئلے کو جاننا ہزار رکعت نفل نماز سے افضل ہے۔

سید اشرف جہانگیر کی تعلیمات 'لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی' میں بہت تفصیل سے مذکور ہیں، ان کے علاوہ بشارت المریدین اور مکتوبات اشرفی میں بھی ان کی تعلیمات ہیں اور اخبار الاخیار میں بھی ان کا ایک طویل خط شامل ہے۔

16.10 مرزا مظہر جانِ جاناں

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اپنی صاحب کمال شخصیت کی بنا پر بے شمار متقدمین پر سبقت لے جاتے تھے علم، ادب، رواداری، کسر نفسی اور شان استغنا کی جیسی مثال ان کی شخصیت میں ملتی ہے اس کی نظیر آسانی سے نہیں مل سکتی۔ آپ کی ولادت مغل بادشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں ہوئی آپ کے والد مغل منصب دار تھے بادشاہ اورنگ زیب کی جانب سے نام میں جان جانان کا اضافہ ہوا۔

مرزا مظہر نے دربار سلطانی کی منصب داری کی طرف توجہ نہیں دی، بلکہ دربار الٰہی میں دست سوال دراز کیا اور وہاں سے بقدر ظرف خوب عطا ہوا، شاعری کا بھی ذوق تھا، کم عمری میں شعر کہنے لگے اور فارسی اور اردو میں مستقل دیوان مرتب کیا، اس کے ساتھ حفظ اوقات، اتباع شریعت اور ثابت قدمی میں بے مثال تھے، ان کے معاصر اور جید عالم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان کا تذکرہ لکھنا شروع کیا تو عنان رخش قلم روئے قرطاس پر چھوٹ گئی اور رو میں یہاں تک لکھ گئے کہ: ''شریعت و طریقت کے راستہ اور کتاب و سنت کی

پیروی میں اس قدر ثابت قدم تھے کہ اس وقت بلاد ہند میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، بلکہ شاید مرحومین میں بھی ان کی مثال نہ ملے، اور سچی بات یہ ہے کہ ایسے صاحب اوصاف لوگ ہر زمانے میں عزیز الوجود ہی رہے ہیں اس عہد فتنہ وفساد کا تو ذکر ہی کیا۔"

وسیع المشرب ایسے تھے کہ ہندوں کو بھی اہل کتاب کے مانند سمجھتے تھے اور ویدوں کو الہامی کتاب قرار دیتے تھے، اپنے ایک خط میں ہندو مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان (ہندووں) کی بت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ملائکہ بحکم خدا اس دنیا پر تصرف رکھتے ہیں یا بعض کامل ارواح ایسی ہوتی ہیں کہ جسم سے ان کا تعلق ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کا اس دنیا میں تصرف رہتا ہے، یا بعض ایسے زندہ افراد ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق زندہ ہیں، مثلاً خضر علیہ السلام ان کی صورت بنا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور اس توجہ کی بدولت کچھ مدت اس صاحب صورت کے ساتھ اپنا انتساب قائم کر کے اور اس نسبت کی بنا پر اپنے دنیاوی اور اخروی حوائج کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ عمل صوفیہ اسلامیہ کے معمولات سے مشابہت رکھتا ہے کہ تصور پیر کرتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں، فرق یہ ہے کہ شیخ کی ظاہری صورت نہیں بناتے اور یہ بات کفار عرب کے عقیدے سے مناسبت نہیں رکھتی؛ کیونکہ وہ بتوں کو موثر اور متصرف بالذات کہتے تھے۔"

16.11 حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، سلسلہ چشتیہ صابریہ کے عظیم المرتبت بزرگ ہیں۔ آپ کے فیضان نظر سے تبلیغی جماعت، علماء دیوبند کے علاوہ موجودہ عہد میں اسلامی بیداری کے بڑے بڑے اساطین پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی آپ کے خلیفہ مجاز تھے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 1233ھ میں پیدا ہوئے اور 1317 میں آپ کا انتقال ہوا، مشہور تاریخی قصبہ نانوتہ آپ کا وطن تھا۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے اور وہاں مختلف لوگوں سے فارسی و عربی کی منتہی درسیات تک تعلیم حاصل کی، ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کے لئے کوچہ صاحبدلاں کی سرگردانی کی اور آخر بڑی تگ ودو کے بعد محض عنایت الٰہی سے میانجی نور محمد جھنجھانوی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مرید ہو گئے۔ بہر حال حاجی امداد اللہ نے سلوک کے مراحل ان کی خدمت میں طے کئے، اس کے بعد سفر حجاز کیا حرمین کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے اور مریدین کی اصلاح وتربیت میں لگ گئے۔

1857 کی سعی انقلاب میں آپ نے نہایت سرگرم کردار ادا کیا، انہوں نے وطن عزیز پر نثار ہونے میں کسر نہ اٹھا رکھی، جب داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تو ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں رہ کر اپنی ضیاباریوں سے ہندوستان کی شب تاریک کو روشن کرنے کی سعی کرتے رہے، ایک طرف دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا دوسری طرف مولانا رشید احمد گنگوہی نے فقہ و فتاوی کے میدان میں نئے حالات میں لوگوں کی رہنمائی کی، تیسری طرف مولانا اشرف علی تھانوی نے عوام کی اصلاح اور طریقت کی حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرانا شروع کیا۔ اس طرح حضرت کا فیضان پورے ملک میں جاری ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے تقریباً دس کتابیں تصنیف فرمائیں، آپ کی تصنیفات میں سب سے مشہور ضیاء القلوب ہے۔ چونکہ حضرت حاجی صاحب پر اکثر غلبہ حال رہتا تھا اس لیے زیادہ کتابیں نظم میں لکھی ہیں اور مثنویوں کی شکل میں ہیں۔ مثنوی ضیاء القلوب میں حضرت حاجی صاحب نے راہ سلوک کے سفر اور اس کے منازل کا بیان کیا ہے، کتاب کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ جب بندے پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہوتی ہے تو اس کے دل میں رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اس مرحلے میں سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ شیخ کامل کی تلاش کرے، شیخ کامل وہ ہوتا ہے جو شریعت و طریقت کا جامع ہو، ہر معاملے میں قرآن و سنت کی پابندی کرتا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے وصول الی الحق کے مختلف طریقے، راہ سلوک کی ریاضتیں و مجاہدات، ذکر اور اس کی اقسام، ذکر اسم ذات، نفی و اثبات، پاس انفاس وغیرہ، اس کے بعد ذکر کے اعلیٰ مراتب، سلطان الاذکار، شغل سرمدی، شغل بساط اور مراقبات وغیرہ کا بیان کیا ہے۔

تصوف کے مراحل میں مختلف سلسلوں اور ان کے اذکار کا بھی بیان ہے آخر میں تلاوت قرآن مجید، نماز و زکوٰۃ کی تفصیلات اور ختم خواجگان وغیرہ اعمال کی تفصیل ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی دیگر کتب بھی دراصل تصوف کے غوامض و معانی کی عقدہ کشائی سے عبارت ہیں ان کے علاوہ حضرت کے خطوط بے بہا معلومات کا گنجینہ ہیں، ان میں تصوف کے علاوہ بھی بہت سی مفید معلومات ہیں۔

16.12 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سلسلہ سہروردیہ کے عظیم فرزند اور دین و شریعت کے پیکر تھے، آپ کی ایک امتیازی شان یہ تھی کہ سلسلہ سہروردیہ کی نسبت خود بانی سلسلہ حضرت ابو حفص شہاب الدین عمر سہروردی سے حاصل کی تھی اور اس امانت کو ہندوستان میں پھیلایا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اپنی عبادات و اذکار کے ذریعہ غیر اللہ کی نفی کرے، اپنے احوال کو درست کرے اور اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق مانگے۔
- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے بابا فرید الدین گنج شکر جیسے درِّنایاب کی تربیت کی، ان کے ذریعہ ہندوستان میں صوفیاء کے دو عظیم سلسلے چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ کا فروغ ہوا، ان دونوں سلسلوں نے پورے ملک کو ایک وحدت میں پرو دیا، اور اس مشترکہ تمدن کی بنیاد رکھی جو ہندوستان کا طرہ امتیاز ہے۔
- بابا فرید کہتے ہیں کہ آدمی کو درویش صفت ہونا چاہئے اور اس کو چار باتیں اختیار کرنی چاہئیں: اپنی آنکھوں کو بند کرلے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے، کانوں کو بہرا کرلے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن سکے، زبان کو گونگی کرلے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ کہہ سکے، پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا

چاہے تو نہ جاسکے۔

- حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ہی نہیں محبوب عام و خاص بھی تھے، ان کی مجلس میں سب کو بلا تفریق اور بغیر کسی پابندی کے رسائی حاصل تھی، خلق خدا اس کثرت سے ان کے دربار میں حاضری دیتی تھی کہ بادشاہوں کے درباروں کی رونق ماند پڑ جائے۔
- حضرت محمد الحسینی مشائخ چشت میں پہلے صوفی ہیں جنہوں نے تصنیف و تالیف کو اپنا میدان بنایا اور تقریباً تین درجن کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں تفسیر، سیرت تاریخ شامل ہیں۔
- سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تعلیمات 'لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی' میں بہت تفصیل سے مذکور ہیں، ان کے علاوہ بشارت المریدین اور مکتوبات اشرفی میں بھی ان کی تعلیمات ہیں اور اخبار الاخیار میں بھی ان کا ایک طویل خط شامل ہے۔
- "مرزا مظہر اپنے دور کی بڑی شخصیت تھے۔ ان میں وہ ساری انسانی خوبیاں موجود تھیں جو اس دور میں کسی ایک ذات میں نہیں نظر آتیں، وجامع فقر و فضیلت اور سخن گستری تھے، درویش عالم، صاحب کمال، معزز و مکرم بھی تھے، اور ایسے خوش تقریر بھی کہ بیان سے باہر ہے، علم حدیث اور تصوف پر گہری نظر رکھتے تھے، ان کے بے شمار مرید اور بہت سے شاگرد تھے۔
- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، سلسلہ چشتیہ صابریہ کے وہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں جن کے فیضان نظر سے تبلیغی جماعت، علماء دیوبند بلکہ موجودہ عہد میں اسلامی بیداری کے اساطین پیدا ہوئے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی جیسے اساطین علم و دین آپ کے خلیفہ مجاز تھے جن کی مساعی جمیلہ عصر حاضر میں احیاء اسلام کا عنوان اور جدید دور میں اسلامی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔

16.13 نمونہ امتحانی سوالات

16.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. ہندوستان میں سب سے پہلے چشتی سلسلے کے بزرگ ------ ہیں۔

(a). خواجہ معین الدین (b). بہاؤالدین زکریا (c). شیخ عبد القادر (d). خواجہ گیسو دراز

2. ---- صوفی کی تعلیمات اور فیوض کی برکات سے ملتان اور سندھ میں فیض یاب ہوئے۔

(a). فرید الدین گنج شکر (b). بہاؤالدین زکریا (c). نظام الدین اولیا (d). مرزا مظہر

3. مولانا قاسم نانوتوی ------ بزرگ کے خلیفہ مجاز تھے؟

(a). مرزا مظہر جان جاناں (b). شیخ اشرف سمنانی (c). حاجی امداد اللہ (d). علی ہمدانی

4. ------سلسے چشتیہ کے پہلے صاحب تصنیف بزرگ شمار کیے جاتے ہیں۔

(a). خواجہ معین الدین (b). بہاؤالدین زکریا (c). شیخ عبد القادر (d). خواجہ گیسو دراز

5. ----حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مرید ہیں۔

(a). حضرت نظام الدین اولیا (b). خواجہ گیسو دراز (c). شیخ عبد القادر (d). حاجی امداد اللہ

6. حضرت خواجہ نصیر الدین کا فیض-------شہر میں عام تھا۔

(a). دہلی (b). بنگال (c). گلبرگہ (d). سندھ

7. -----بزرگ نے دو عظیم سلسلے چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ کا فروغ ہوا۔

(a). فرید الدین عطار (b). بختیار کاکی (c). شیخ علی ہمدانی (d). شیخ بہاؤالدین

8. حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، سلسلہ-----کے عظیم المرتبت بزرگ ہیں۔

(a). چشتیہ صابریہ (b). چشتیہ نظامیہ (c). فردوسیہ (d). کبیریہ

9. سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تعلیمات------میں بہت تفصیل سے مذکور ہیں۔

(a). لطائف اشرفی (b). مکتوبات اشرفی (c). بشارت المریدین (d). اخبار الاخیار

10. میر سید علی ہمدانی نے----کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

(a). ذخیرۃ الملوک (b). اداب المریدین (c). تفسیر الملتقط (d). ملفوظات امام علی

16.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. شیخ عبد القادر ثانی پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. اسلام کی اشاعت میں خواجہ معین الدین چشتی کی خدمات پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. مرزا مظہر جان جاناں پر ایک معلوماتی مضمون تحریر کیجیے۔
4. علی ہمدانی کی حیات و خدمات پر ایک تبصراتی نوٹ قلم بند کیجیے۔
5. اشرف سمنانی کس سلسلے کے بزرگ تھے؟ ان کی تعلیمات اور خدمات پر تبصرہ کیجیے۔

16.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. ہندوستان کے مشہور صوفی بہاؤالدین زکریا ملتانی، نظام لدین اولیاء اور گیسو دراز کی تعلیمات و تصنیفات کا تعارف پیش کیجیے۔
2. ہندوستان میں تصوف کے ارتقا میں چشتی سلسلے کے صوفیا کے رول کا تجزیہ کیجیے۔
3. ہندوستان کے چند مشہور صوفیا کرام کا اجمالاً تعارف کروایے۔

16.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	تصوف اسلام	: عبدالماجد دریابادی
2.	تاریخ تصوف اسلامی	: عبدالرحمن ندوی
3.	تصوف اور شریعت	: پروفیسر عبدالحق انصاری (ترجمہ مشتاق تجاروی)
4.	تزکیہ، احسان	: مولانا ابوالحسن علی الندوی
5.	نزہۃ الخواطر	: عبدالحئ ندوی

ایم۔اے، اسلامک اسٹڈیز

پانچواں پرچہ (فقہ اور تصوف)

جملہ نمبرات:70 **وقت:3 گھنٹے**

ہدایات:

1. حصہ اول میں 10 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ 10x1=10

i. فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ میں چار چیزیں آتی ہیں' قرآن' حدیث' اجماع اور.....۔

(a). قیاس (b). بیعت (c). استحسان (d). کوئی نہیں

ii. فقہ ظاہریہ کے بانی کون تھے؟

(a). امام جعفر صادق (b). امام باقر (c). امام زید بن علی (d). امام زین العابدین

iii. اہل الرائے کن لوگوں کو کہا جاتا ہے؟

(a). اہل مکہ (b). اہل مدینہ (c). اہل کوفہ (d). اہل شام

iv. فقہ جعفری کے بانی امام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہیں۔

(a). امام باقر (b). امام جعفر صادق (c). امام موسی کاظم (d). تمام غلط

v. حدیث متواتر سے کونسا علم حاصل ہوتا ہے؟

(a). علم یقینی (b). علم ظنی (c). دونوں (d). ان میں سے کوئی نہیں

vi. اکثر علما کے مطابق تصوف تزکیہ اور.....کا دوسرا نام ہے۔

(a). احسان (b). سلوک (c). عبادات (d). جہاد

vii. تصوف کو عموماً صوفی علما.....دور میں تقسیم کرتے ہیں۔

(a). تین (b). چار (c). پانچ (d). چھ

viii. الرعایۃ لحقوق اللہ کس صوفی بزرگ کی تصنیف ہے؟

(a). حضرت حسن بصری (b). رابعہ بصریہ (c). ذوالنون مصری (d). حارث محاسبی

ix. کس تصنیف میں سب سے پہلے صوفی سلاسل کا تذکرہ کیا گیا؟

(a). کشف المحجوب (b). کتاب اللمع (c). رسالہ القشیریہ (d). الرعایہ لحقوق اللہ

x. ہندوستان میں قادریہ سلسلے کو لانے والے بزرگ کون ہیں؟

(a). شیخ عبد القادر جیلانی (b). شیخ محمد الحسینی (c). شیخ عبد القادر ثانی (d). ان میں سے کوئی نہیں

(ب) حصہ دوم آٹھ سوالات پر مشتمل ہے اور پانچ سوالات کے جوابات دینے ہیں ہر سوال کا جواب تقریبا دو سو لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبر مختص ہیں۔ **6x1=6**

2. فقہ کے معنوی اور اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے مقاصد پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. عہد صحابہ اور تابعین کے فقہی مراکز کا تعارف مختصراً تحریر کیجیے۔
4. جدید دور میں اسلامی فقہ کی خصوصیات پر ایک تبصراتی مضمون تحریر کیجیے۔
5. فقہ جعفریہ کا تعارف اور اس کی خصوصیات کا تعارف تحریر کریں۔
6. کشف المحجوب اور رسالہ القشیریہ کا تقابلی جائزہ تحریر کیجیے۔
7. خواجہ حسن بصری کی تعلیمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
8. ہندوستان میں اسلام کے ارتقا میں چشتیہ سلسلے کے رول پر تبصرہ کیجیے۔
9. منصور حلاج کو تصوف کی متنازعہ شخصیت کیوں کہا جاتا ہے؟ مختصراً تحریر کیجیے۔

(ج) حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریبا 500 لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔

10. فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ کا تعارف پیش کرتے ہوئے فقہ کی ضرورت و اہمیت پر مضمون قلم بند کیجیے۔
11. فقہ حنفی اور شافعی کی تشکیل کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ مختصراً تحریر کیجیے۔
12. فقہ مالکی اور حنبلی کے بانیین کا تعارف ان کی فقہی خدمات کے پس منظر میں تحریر کیجیے۔
13. تصوف کے مختلف ادوار کی خصوصیات کا اجمالی تعارف پیش کیجیے۔
14. مشہور صوفی سلسلے قادریہ اور سہروردیہ کے ہندوستان میں ارتقا پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔